جلد چہارم

بابت اپریل سنہ ۱۹۲۴ء

حصۂ چہار دہم

اُردو

انجمنِ ترقیِ اُردو

کا

سہ ماہی رسالہ

فہرست مضامین

تنقیدِ شعر العجم

(از جناب محمود شیرانی صاحب)

انوری کے حالات

اوحدالدین انوری کا باپ محمد ایک شہزادی کریمۃ النسا رضیۃ الدین کی سرکار میں، ایک قابل اعتماد منصب پر سرافراز تھا۔ یہ سرکار شعرا کی قدرداں تھی۔ انوری اپنے باپ کی وفات کے بعد غالباً اسی سرکار میں توسّل قایم کرنا چاہتا ہے۔ ایک خطابیہ قصیدہ میں جس کا مطلع ہے[1]

اے فخرِ ہمہ نژادِ آدم
وے سیدۂ زنانِ عالم (کلیات ص ۲۸۱)

شاعر اپنا مدّعا یوں عرض کرتا ہے

بودے پدرم بمجلس تو | یا رسرہ و حریف محرم
تو شاد بزی کہ رفت و زو ماند | میراث بماندگانِ او غم (کلیات ص ۲۸۲)
از جوا کہ رہی شود بدیں حبت | بر اغلب ما دحاں مقدم

بلحاظ پایۂ علوم انوری اپنے زمانے کا غیر معمولی آدمی مانا جاسکتا ہے اُس کا حافظہ نہایت قوی تھا

---

[1] یہ قصیدہ اگرچہ مطبوعہ کلیات اور بعض قلمی نسخوں میں موجود ہے لیکن بعض وجوہ سے جو اس مضمون کے خاتمہ میں ظاہر کیے گئے ہیں، احتمال کیا جاسکتا ہے کہ وہ انوری کا نہو۔

گویدم گیسر ہراں علم کہ گویم یکبار   خاطرے دارم منقاد چناں کاندر حال (کلیات ص ۱۹۲)

نجوم میں اُستاد ہونے کے علاوہ منطق، فلسفہ، اور ہیئت میں ماہر تھا، حکمت اور فلسفہ میں اُس کا پایہ نہایت بلند تھا۔ طبیعیات اور الٰہیات میں کافی لیاقت رکھتا تھا۔ شاعری جس کی بنا پر وہ دنیا میں مشہور و معروف ہے اُس کے کمالات کا ایک ادنیٰ پایہ ہے، نثر میں بھی صاحب قدرت تھا ؎

اگر نامہ باید نوشتن نویسم
بکلک و بیاں دیبۂ خسروانی (کلیات ص ۴۱۶)

ادبیات میں البتہ کمزور تھا ؎

در ادب گرچہ پیادہ است چو حشمت گہ عفو
در سخن ہست چو غفلت گہ ادراک سوار (کلیات ص ۱۹۲)

وہ اعلیٰ درجہ کا خطاط بھی تھا ؎

گویند کہ چیست حاصل تو   اے بے حاصل ز زندگانی
گویم خطکے و بیتکے چند   از دولتہائے ایں جہانی (ص ۵۵)

نرد و شطرنج خوب کھیلتا تھا ؎

دگر نرد و شطرنج خواہی بباز م
حریفانہ سحر حلال از روانی (ص ۴۱۶)

اِن بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ انوری کی تعلیم و تربیت ایک خاص نصب العین کی بجا آوری کی غرض سے ہوئی تھی، یعنی یہ کہ بڑا ہو کر سلاطین کی منادمت کے قابل ہو سکے۔ ایسے درباروں میں جہاں علمی روایات اور تہذیب نے اپنا گہوارہ بنا لیا تھا منصب ندیمی ایک قابل اعتماد اور ذمہ دارانہ منصب شمار کیا جاتا تھا۔ ملک کے بہترین دماغ اِس عہدہ کے آرزو مند رہتے تھے اور دربار سلطانی میں رسائی اُن کی غایت مرام ہوتی تھی۔ مگر ندیمی بجائے خود ایک دشوار گزار مرحلہ تھا اِس میں انسان کو مستجمع کمالات اور بہمہ صفت موصوف ہونا ضروری تھا۔ ظریف، طبّاع اور حاضر جواب ہونے کے علاوہ ندیم کے لئے ضروری تھا کہ شاعر بھی ہو، طب، فقہ اور نجوم

میں مہارت رکھتا ہو، شعرائے قدیم وجدید کا کلام اس کو مستحضر ہو، ادب سے آشنائی رکھتا ہو، تاریخ اور محاضرات پر عبور رہو۔ قصّے، لطیفے، اور چٹکلے خوب جانتا ہو، قدرتی خوش تقریر ہو، موسیقی داں ہو اور چنگ ورباب بجانا جانتا ہو، مختصر یہ ہے کہ علوم میں قاموس ہو، اور ہزار اہد خشک نہو۔

انوری فطرتاً، علماً وفضلاً اس ممتاز منصب کا مستحق تھا۔ اور اسی آرزو میں وہ سلطان سنجر سلجوقی کے دربار کا رخ کرتا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کی غرض سے اس نے دربار کے اُمرا سے تعلقات قایم کیے ہونگے۔ لیکن اس سے قبل میں ایک اور ضروری مسئلہ کو چھیڑتا ہوں۔

انوری کا صحیح زمانہ تعیّن کرنا ہمارے لیئے ایک مشکل معمّا ہے، اس کے ہاں بعض قصائد کسی وزیر نظام الملک صدر الدین محمد کی تعریف میں ملتے ہیں، جو بظاہر مشہور نظام الملک طوسی کا نبیرہ اور فخر الملک کا فرزند مانا جاسکتا ہے۔ یہ شخص اپنے باپ کے قتل کے بعد ۵۰۰ھ ہجری سے ۵۱۵ھ ہجری تک سلطان سنجر کا وزیر رہا ہے، بلکہ ایک قصیدہ تو اس کے منصبِ وزارت پر فائز ہونے کے عین موقع پر لکھا گیا ہے ؎

بہ نیک طالع و فرخندہ روز و فرخ فال	بہ سعد اختر و میموں زمان خرّم حال
بہ بارگاہِ وزارت بہ فرخی بہ نشست	خدائیگانِ وزیران و قبلۂ آمال
نظام ملکت و صدر دین و صاحب عصر	سپہر رفعت و قدر و جہانِ جاہ و جلال
محمد آں کہ بہ اقبال او خورد سوگند	روان پاک محمّد بہ ایزد متعال

(ص ۲۵۲)

دوسرے قصیدہ میں اس کا نام یوں آتا ہے ؎

نظامِ ملکت سلطان و صدر دین خدائے	خدائیگان وزیران، وزیر خوب سیر
محمد آں کہ ز جاہش گرفت ملّت و ملک	ہماں نظام کہ دین از ابتدا العدل عمر

(ص ۲۰۸)

اِن قصائد کے اعتبار پر انوری کی شاعری گویا قرن ششم کے آغاز میں شروع ہوجاتی ہے۔ لیکن اس نظریہ کے تسلیم کرنے میں کئی مشکلات مانع ہیں۔ اِس کی وفات ۵۸۲ھ کے بعد، جب کہ ستاروں کا اقتران برج میزان میں ہوا تھا، مانی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ طوفان کی بحث وتمحیص میں انوری نے بھی حصّہ لیا تھا، کیونکہ وہ اُن لوگوں میں تھا جو طوفان کے ظہور کے حق میں اعتقاد رکھتے تھے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ طوفان کے سلسلہ میں ایک آدھ تلمیح، جیسا کہ گزشتہ اوراق میں دیکھا جاچکا ہے، انوری کے کلّیات میں پائی بھی جاتی ہے۔ اب یہ

خیال کرنا کہ انوری برابر اسّی سال تک شعر کہتا رہا، واقعات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے دشوار معلوم ہوتا ہے۔ اس صورت میں اس کی عمر ایک صدی سے زیادہ تسلیم کرنی ہوگی، اور جہاں تک معلوم ہے اُس کی درازی عمر کی بابت کوئی روایت موجود نہیں۔

کلیات سے اس قدر صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مدّتِ شعر گوئی زیادہ سے زیادہ تیس سال رہی ہے، اس کے بعد وہ تائب ہو کر عزلت نشین ہو جاتا ہے ؎

سی سال در طریقِ تجرّد دلم بتافت (ص ۱۲۲)
اکنوں نہ خدمتِ درِ تو برکراں رسید

دیگر

کسے کہ مدّتِ سی سال شعرِ باطل گفت (ص ۳۷)
خدائے برہمہ کامیش داد پیروزی

رباعی

سی سال درخت بختِ من بار آورد — چرخ ایں شبم بردئے تیمار آورد
زاں روئے برویم ایں قدر کار آورد — تا دشمنم از دوست پدیدار آورد (ص ۵۶۲)

اب اگر ۵۱۰ھ ہجری کو انوری کی شاعری کا سال آغاز مانا جاتا ہے تو ۵۴۰ھ میں یہ مدّت سی سالہ ختم ہو جاتی ہے۔ حالانکہ کلیات میں ان دو سالوں کے درمیانی زمانہ کی ایک تلمیح بھی نہیں ملتی، اور اگر ملتی ہے تو ۵۴۰ھ کے بعد کی ملتی ہے۔

کلیات میں تاریخ و سال کی طرف جو متعدد اشارے ملتے ہیں ذیل میں علیحدہ علیحدہ دکھائے جاتے ہیں

۵۴۰ھ ...... بحکمِ دعویِ زیچ و گواہیِ تقویم — شب چہارم ذیحجہ و سنہ ثامیم (ص ۳۰۰)

۵۴۱ھ ...... عدد سالہائے عمرش باد — ہمچو تاریخ پانصد و چل و یک (ص ۲۴۴)

۵۴۲ھ ...... بودہ در نردِ فرح نقشش بکام — تا فرح تاریخِ ایں نقش ست و نرد (ص ۱۰۰)

(فرح = ۲۸۸، نرد = ۲۵۴ فرح + نرد = ۵۴۲)

۵۴۷ھ ...... (عددِ سالہائے مدتِ تو) ہمچو تاریخ پانصد و چل و اند (ص ۶۳۶)

۵۴۷ھ ...... عددِ سالہائے عمرش باد ہمچو تاریخ پانصد و چل و اند (ص ۶۵۱)

۵۶۱ھ مطابق ۵۳۳ یزدجردی } سال بد پانصد و سی و سہ ز تاریخ عجم گفت برخیز کہ از شہر بروں شد ہمراہ (ص ۳۵۷)

علاوہ بریں کلیات میں جو اور تلمیحات، واقعات تاریخی کے متعلق ملتی ہیں، سب کی سب ۵۴۲ھ کے بعد کے واقعات کے متعلق ہیں۔ مثلاً تسخیر ہزار اسپ ۵۴۲ھ، جنگ سلطان سنجر و علاء الدین غوری جہانسوز ۵۴۴ھ، رفتن سنجر بعراق ۵۴۷ھ، وفات ابوالفتح ناصر الدین طاہر وزیر سلطان سنجر ۵۴۸ھ، فتنۂ غزاں ۵۴۸ھ مقامات حمیدی ۵۴۹ھ، وفات سلطان سنجر ۵۵۲ ہجری۔

ان وجوہ کے زیرِ اثر یہ نظریہ قایم ہوتا ہے کہ انوری کی شاعری غالباً ۵۴۰ھ سے چند سال پہلے شروع ہوتی ہے اور یہ صدر الدین محمد نظام الملک فخر الدین کا فرزند نہیں ہے بلکہ کوئی اور ہے، جو اگرچہ وہی نام و خطاب اور منصب رکھتا ہے لیکن زمانہ کے لحاظ سے صدر الدین محمد مذکور الصدر سے بہت مؤخر ہے۔

سنجر کے دربار میں رسائی حاصل کرنے کی غرض سے انوری سب سے پیشتر ابوالفتح ناصر الدین طاہر بن فخر الملک بن نظام الملک کے دربار سے جو جمادی الاول ۵۲۸ھ سے ۵۴۸ھ تک سنجر کا وزیر تھا، تعلق پیدا کرتا ہے، ایک عرصہ امیدواری کرنے کے بعد طاہر کو اپنی طرف توجہ دلاتے ہوئے گویا ہے ؎

اے بزرگے کہ از بزرگی و جاہ   ہر کہ بر خدمتِ تو یافت ظفر   کرد بیروں ز دست محنت پائے   برد از دولت بکیواں سر

بگزشت از فلک بمرتبہ آنک   کرد روزے بدرگہِ تو گزر   بندہ نیز از بحکم اُمیدے   خدمتے گفت از و عجب مشمر

عاجزے بود کرد با تو پناہ   از بدِ روزگار بد گوہر   حیلہ بود دامنِ تو گرفت   از جفائے سپہر دوں پرور

طمعش بود کز خزانۂ جود   بے نیازش کُنی بجامہ و زر   گرد داز دستِ بخششِ تو غنی   یابد از فرِ دولتِ تو خطر

برہد از نحوستِ انجم   بجہد از مساحتِ کشور   مدتے شد کہ تا بداں اُمید   چشم دارد براہ و گوش بدر

ہست ہنگام آں کہ باز کند   بر سرِ او ہمائے چترِ تو پر   حلقہ بر گوش چرخ کرد ہر آنک   کرد بروے عنایتِ تو نظر

بندہ را گوشمال دادہ بسے   زاں کہ آں دیدہ زجد و پدر   صلہ دادن ترا سزاوار است   بعنایت یکے دروبنگر

بیخ کاں را نشاند دستِ قضا   شاخ آں جز کرم نیارد بر   نیست نادر ز خاندانِ نظام   دانش و رادی و ذکا و ہنر

نور نادر نہ باشد از خورشید — بوئے نادر نہ باشد از عنبر (ص ۱۵۹)

یہی عرضِ حال کسی قدر شکایت کے لہجہ میں ذیل کے ابیات میں کیا گیا ہے ؎

صاحبا بندہ را دریں یک سال — در مدیحِ تو شعرہاست متیں

واندر ابیات آں معانی بکر — چوں خط و لفظِ تو خوش و شیریں

ہر کہ او را وسیلتے ست چناں — نہ ہمانا کہ حالتے ست چنیں

گہ ز خاکِ تحیرش بستر — گہ ز خشتِ توقّفش بالیں

آخر ایں روزگارِ جانی را — کہ بجاہِ تو دارد ایں تمکیں

خود نہ پرسی یکے ز روئے حساب — تا چہ می خواہد از منِ مسکیں

وقتِ کوچ ست و عرصہ تنگ مرا — دل بہ تیمارِ چرخ و راہ زمیں

نیست در رستہ زمانہ کسے — کاضطرابِ مرا دہد تسکیں

تو کن احساں کہ ہر کہ جز تو بود — ننہد پا ازاں سوئے تحسیں (کلیات ص ۳۳۰)

لیکن ذیل کے اشعار میں یہ مودّبانہ شکایت شکر مندانہ لہجہ میں بدل جاتی ہے ؎

بندہ سالے ست تا دریں خدمت — گہ بہنگام و گہ بہ بے ہنگام

دہد از جنسِ دیگرت زحمت — آرد از نوعِ دیگرت ابرام

آں ہمی بیند از تہاونِ خویش — کہ بداں ہست مستحقِ ملام

واں ہمی بیند از مکارمِ تو — کہ بشرحش تواں نمود قیام

شد مکرّم ز غایتِ کرمت — کرم الحق چنیں کنند کرام (ص ۲۹۳)

دیگر

بندہ سالے ست کہ تا در کنفِ دولتِ تو — غمِ ایام نخوردست چہ اکثر چہ اقل

ورنہ با او فلک آں کرد ازیں پیش ہمی — کاتش و آب کند با شکر و موم و عسل

گاہ با ضربتِ رمحے ز سماکِ رامح — گاہ با نکبتِ عزلے ز سماکِ اعزل

رویش از غصّۂ ایام بر دشمن و دوست　　داشتے چوں گُل خود رو اثرِ خوف و خجل

گوشِ کارہ شود از قصّۂ او لا تسمع　　ہوشِ والہ شود از غصّۂ او لا تسأل

بخت بیدار تو بود آں کہ بر انگیخت چنیں　　دولتِ خفتہ او را ز جہاں خواب کسل

للہ الحمد کہ تا حشر ہمی باید بست　　در قطارِ تعبش نیز نہ ناقہ نہ جمل

شد ز فرِّ تو ہمہ مغز چو تجویفِ دماغ　　گرچہ وے بود ہمہ پوست چو ترکیبِ بصل　　(ص ۲۵۸)

کلیات میں ابوالفتح طاہر کی تعریف میں قصائد کثرت سے ملتے ہیں۔ اُن میں سب سے پہلی تاریخی تلمیح ۵۴۰ھ سے تعلق رکھتی ہی جب کہ شاعر نے اِس کے خیر مقدم میں ایک قصیدہ لکھا ہی جس کا مطلع گزشتہ سطور میں درج ہو چکا ہی۔

دوسری تلمیح جو اشعارِ ذیل میں پائی جاتی ہی تسخیرِ ہزار اسپ سے تعلق رکھتی ہی۔ انوری ناصر الدین طاہر کو خطاب کر کے کہتا ہی ؎

حصنِ ہزار اسپ اگرچہ بردر آں ملک　　سدِّ قدیم ست حصنہائے حصیں را

کعبۂ دہلیزِ شہ چو دید فصیلش　　سجدہ کناں بر زمیں نہاد جبیں را

سیرِ سریعِ شہابِ کلکِ تو بس بود　　رجمِ چناں صد ہزار دیوِ لعیں را

خود مددِ تیغِ پادشہ بچہ کار است　　خاصہ تہیائے کارہائے چنیں را

غیبتِ خوارزم شاہ کز پسِ شش ماہ　　چشمۂ خوں کرد چشمِ حادثہ بیں را

دستِ نفاذِ اصطناعِ تو در زد　　معتصمِ ملک کرد حبلِ متیں را　　(ص ۱۷)

تسخیرِ ہزار اسپ کے واقعات یہ ہیں کہ جب ۵۳۶ھ میں سلطان سنجر، اتخان سپہ سالار گورخاں سے جنگ میں مصروف تھا، اتسز خوارزم شاہ خراسان آ کر مرو اور نیشاپور کو لوٹ لیتا ہی، سنجر اس کی اس حرکت پر جب فوجکشی کی دھمکی دیتا ہی تو خوارزم شاہ جواب میں ایک قطعہ لکھتا ہی جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

اگر باد پایست رخشِ ملک　　کمیتِ مرا پائے ہم لنگ نیست

و ایں جا بیائی من آں جا روم　　خدائے جہاں را جہاں تنگ نیست

سنجر ۵۴۲ھ میں ہزار اسپ کا محاصرہ کرتا ہے، اثنائے تسخیر میں اوحدالدین انوری یہ رباعی لکھتا ہے ؎

اے شاہ ہمہ ملک زمین حسب تراست　　وز دولت و اقبال جہاں کسب تراست

امروز بیک حملہ ہزار اسپ بگیر　　فردا خوارزم و صد ہزار اسپ تراست

یہ رباعی ایک تیر کے ذریعہ سے قلعہ میں ڈلوا دی گئی، اور محصورین کی طرف سے رشید الدین وطواط نے جواب میں ذیل کی رباعی لکھی۔ رباعی

اے شہ کہ بجامت مئی صاف ست نہ دُرد　　اعدائے ترا ز غصہ خوں باید خورد

گر خصم تو اے شاہ بود رستم گرد　　یک خر ز ہزار اسپ تو نتواند برد

کچھ عرصہ بعد قلعہ فتح ہوتا ہے، اور انوری سلطان کی زبان سے یہ رباعی لکھتا ہے ؎

اندیشۂ انتقام چوں جزم کنیم　　وہن ہمہ دشمناں بیک حزم کنیم

با چرخ چو با اتسز اگر رزم کنیم　　گردوں بسُم اسپ خوارزم کنیم　　(ص ۵۴۱)

کلیات میں متعدد مقامات پر ایسے اشارے پائے جاتے ہیں، جن کی رو سے کہا جاسکتا ہے کہ سنجر اپنے وزیر طاہر کو کچھ عرصہ کے لیے معزول یا معطل کر دیتا ہے، اور وزارت کسی اور کے سپرد کردی جاتی ہے۔ اس واقعہ کی اطلاع کسی تاریخ میں نہیں ملتی۔ لیکن ذیل کے اشعار اس بیان کی تائید کے لیے کافی ہیں۔ ابیات

اگرچہ طائفۂ در حریم کعبۂ ملک　　ورائے پایۂ خود ساختند ماوی را

بہ پنج روزہ ترقی بہ سقف او بردند　　جلالت و عزی اطراف تاج مذہبی را

شکوہ مصطفویت آخر از طریق نفاذ　　ز طاقہاش درافگند لات و عزی را

طریق خدمت اگر بسپرند پاکی نیت　　زمانہ نیک شناسد طریق اولی را　　(ص ۱۶)

دیگر

خصم ار بکمالِ تو تشبہ نکند بہ　　تا می چہ کند بازوے بدیت علم را

بخت نہ ہمیں ست کہ رہ گم کند آں　　گر نیل کشد دشمنِ بدبخت ورم را

جرہ است مگر خصمِ تو زیرا کہ نیاید　　در ہیچ عمل منصب و بیش سہ دم را　　(ص ۷)

دیگر

بود بے بالش توصدر وزارت خالی | بود بے حشمت تو کار ممالک مختل
خصم اگر دولتکے یافت بصد جہد آنرا | روز کے چند نگہداشت بہ تزویر وحیل
آخر الامر در آمد بسر اسپ حیلش | تا در افتاد بیک واقعہ چوں خر بوحل (ص ۲۵۸)

اور مسند وزارت پراس کے دوبارہ تقرر پر یہ قصیدہ لکھا ؎

شرف گوہر او لا د نظام | ملک را باز شرف داد نظام
خواجۂ مملکت و حاکم عصر | ناصر الدین و نصیر اسلام
بو المظفر کہ بعون ظفرش | عدل شد ظلم و ضیا گشت ظلام (ص ۲۹۸)

ذیل میں کوشش کی جاتی ہے کہ انوری اور سلطان سنجر کے تعلقات پر کسی قدر روشنی ڈالی جائے۔

سلطانِ سنجر

یاد رہے کہ کلیات میں سلطان سنجر بن ملک شاہ ۵۱۱ھ و ۵۵۲ھ کی مدح میں بہت کم قصائد ملتے ہیں، عام روایات اگرچہ انوری کو سنجر کا خاص شاعر مانتی ہیں، اور یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ سلطان کی نظروں میں انوری کی وقعت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ خود دو مرتبہ سنجر اس کے مکان پر جاکر انوری کی عزت افزائی کرتا ہے لیکن کلیات ان بیانات کی تائید نہیں کرتا۔ اور نہ قصائد میں ایسے اشارے پائے جاتے ہیں جن کی بنا پر شاعر کے ساتھ سنجر کے نہایت گہرے تعلقات تسلیم کئے جائیں۔

قصائد کی زبان میں بالعموم ایک تصنع اور تکلف کی ادا شروع سے آخر تک ملحوظ ہے اور وہ بے تکلفانہ لہجہ جو ایک دیرینہ مدّاح اپنے ممدوح کے حق میں اختیار کرلیتا ہے، بالکل مفقود ہے، نہ کہیں صلہ مانگا گیا ہے، نہ عطیہ کا شکریہ ادا کیا گیا ہے اور نہ کہیں عرضِ حال ہے، شاعر صرف دو موقعوں پر البتہ اپنے متعلق کچھ کہتا ہے پہلا وہی جہاں اپنی دو سالہ اُمیدواری کی بابت کہتا ہے۔

نیز ایک قطعہ سے جو راحت الصدور میں بھی دیا گیا ہے، اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ سنجر نے ایک مرتبہ اپنے سامنے

بلوا کر اُس کے اشعار سنے تھے، اور بیٹھنے کا حکم دیا تھا، وہ قطعہ یہ ہے ؎

انوری را خداُیگان جہاں | پیش خود خواند دست او بنشاند
بان فرمود شعر خواست ازو | وندراں سحر کرد و دُر بفشاند
چون بستی برفت بار دگر | کس فرستاد و پیش تختش خواند
ہمہ بگزار این نہ بس کہ ملک | نام او بر زبانِ اعلےٰ راند
بیش ازیں در زمانہ دولت نیست | ہیچ با بیش در زمانہ نماند (ص ۶۶۰)

یہ امر قرین قیاس ہے کہ انوری سنجر کے دربار میں اس کے آخری ایامِ سلطنت میں پہنچا ہے، پہلی تلمیح وہی ہے جو قلعہ ہزار اسپ کے تسخیر اور ۵۴۲ھ سے تعلق رکھتی ہے۔

دوسری تلمیح غالباً سلطان سنجر اور سلطان مسعود سلجوقی کی ملاقات سے علاقہ رکھتی ہے اور اشعار ذیل میں پائی جاتی ہے ؎

گفتم کہ حدیث عراق گویم | ور خود ہمہ بیتے سہ چار باشد
چون سلک معانی نظام دادم | تا زاں سخنم آب دار باشد
الہام الٰہی چہ گفت، گفتا | آں را کہ خرد ہیچ یار باشد
چون سایۂ مرا مدیح گوید | با ذکر عراقش چہ کار باشد
خسرو بسرتا زمانہ بخشد | چون ملک عراق ار ہزار باشد (ص ۱۰۴)

سنجر ملک عراق کی بدنظمی کے حالات سن کر جو ان دنوں سلطان مسعود سلجوقی کے زیرِ نگیں تھا اواخر شعبان ۵۴۴ھ میں رَے جاتا ہے۔ مسعود ان دنوں ہمدان میں تھا چچا کی آنے کی خبر سن کر اُس نے بالا بالا بغداد جانے کا قصد کیا لیکن شرف الدین موفق کے مشورے سے وہ اس ارادے سے باز آ کر سیدھا چچا کی خدمت میں رَے پہنچ گیا۔ چچا بھتیجوں میں جو غلط فہمی تھی دور ہو گئی اور جنگ کا خطرہ بالکل جاتا رہا۔ مسعود اٹھارہ روز تک برابر، جب تک سنجر رَے میں رہا، چچا کی خدمت گزاری میں مصروف رہا۔

تیسری تلمیح سلطان سنجر اور علاء الدین غوری جہاں سوز کے مابین درِ اوبہ محاصرہ کے متعلق ہے۔

شاعر سنجر کو خطاب کر کے کہتا ہے ؎

بندۂ دریں مختصر غرض کہ تو گفتی — آیتِ تحصیل آں چہرہ و زمین ست
قاعدۂ تہنیت ہمی نہ نہد زانک — خصم نہ فغفور چین و غور نہ چین ست
گرچہ ہنوز از عزیمت لشکر خصمت — جمجمۂ کوہ پر صدائے انین ست
ورچہ زتیغ مبارزان سپاہت — سنگ بخوں مخالفانت عجین ست
باچو تو صاحبقراں بدکر نیرزد — دیں سخن الہامِ آسمانِ برین ست (ص ۶۲)

علاء الدین ۵۴۵ھ میں تخت نشین ہو کر اور بہرام شاہ بن مسعود پر فتح پا کر غزنیں پر قابض ہو جاتا ہے۔ اور وہ اجناس جو ملوک غور ہر سال بطور خراج سنجر کو بھیجا کرتے تھے بند کر دیتا ہے۔ یہ استبداد دیکھ کر سنجر بقصد جنگ غور کی طرف بڑھتا ہے اور آوبہ پر مقابلہ ہوتا ہے۔ عین جنگ کے وقت چھ ہزار سوار ترک غز اور خلجی علاء الدین کو چھوڑ کر سنجر سے مل جاتے ہیں جس سے غوریوں میں بددلی پھیل جاتی ہے، تاہم وہ لڑتے ہیں اور شکست کھاتے ہیں، علاء الدین گرفتار ہو جاتا ہے۔ بقول نظامی عروضی یہ جنگ ۵۴۷ھ میں ہوئی تھی، جس میں خود نظامی بھی شریک تھا۔

مجد الدین ابو الحسن عمرانی

سنجری دور میں انوری کا سب سے عزیز ممدوح مجد الدین ابو الحسن عمرانی ہے، شاعر خلوص دل سے اس کا سپاس گزار معلوم ہوتا ہے، اس کا زمانہ معلوم نہیں لیکن انوری نے ایک مقام پر اس قدر کہا ہے ؎

عدد سالہائے عمرش باد
ہمچو تاریخ پانصد و چہل واند (ص ۶۵۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابو الحسن کی جواں مردی اور فیاضی نے اس کے قلب پر گہرا نقش بٹھایا ہے جب وہ اپنے عروج امارت پر تھا، انوری نے اس کی تعریف پر خوب خوب قصیدے لکھے ہیں جب وہ گرفتار ہو کر جیل میں بھیج دیا جاتا ہے، شاعر اس کو نہیں بھولتا، بلکہ اپنے اشعار سے اس کی تسلی کرتا ہے اور ڈھارس بندھاتا ہے۔

آخر ابوالحسن قتل کیا جاتا ہے، انوری اب بھی اس کے ساتھ وفادار رہتا ہے اور اس کے احسان اور خوبیاں اپنے ابیات میں بیان کرتا ہے۔ ابوالحسن کے قتل کے واقعہ سے پندرہ سال بعد تک بھی اس کی یاد انوری کے صفحۂ دل سے محو نہیں ہوتی۔

ذیل میں ان نظموں سے بعض اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔

(۱) در احساں بگو کہ بکشاید
بوالحسن را چو تختہ بند کنند (ص ۶۴۰)

(۲) احتباس روزیِ خلق آسماں آغاز کرد | آدمی زاد از بقا یکبارگی مایوس شد
خلق را بے وجہ روزی عمر شاید بودنی | وجہ روزی از کجا چوں بوالحسن محبوس شد
اے جہاں را بودہ بنیاد از طریق مکرمت | چوں تو مستاصل شدی یکبارگی مدروس شد (ص ۶۴۰)

قیدخانہ میں اس کی تسلی کے لیے یہ نظم بھیجتا ہے ؎

(۳) گرچہ در دور تو اے دریا دل و کاں دستگاہ | مدتے گرگاں شباں بودند و دزداں محتسب
واندراں دوراں کہ انصاف تو روی اندر کشید | فتنہا شد در شبے خوں قصد ہا شد منشعب
سایہ مفگن بر حدیثے انقلابے کاو فتاد | کاں نہ اول حادثہ است از دورِ دورِ منقلب
کان و دریائی منہ در حبس دل بر اضطراب | زاں کہ کاں پیوستہ محبوس ست و دریا مضطرب (ص ۵۸۹)

(۴) ہیچ میدانی کہ در گیتی ز مرگ بوالحسن | چرخ جز قحطِ کرم دیگر چہ دارد فائدہ
اے دریغا آں کہ چوں یادش کند گوید جہاں | اے دریغا حاتمِ طائی و معن زائدہ
روزۂ روزی در آمد خواجہ را روزی مباش | یا دمی کن ربنا انزل علینا مائدہ (ص ۶۲۴)

(۵) بس دور کہ چرخ و اختراں بگزارند | تا مرد و شے چو بوالحسن باز آرند
کو حیدر ہاشمی و کو حاتم طے | تا ماتم مردمی و مردی دارند (ص ۵۶۰)

(۶) تا حادثہ قصدِ آلِ عمراں کردہ است | کس نیست کہ او حدیث احساں کردہ است
احسان ز کسانِ بوالحسن بود مگر | کو ہمچو کسانش روئے پنہاں کردہ است (ص ۵۶۱)

اِنھی ایّام میں خواجہ مودود ابن احمد عصمی سے جو خاندان نظام الملک کا ایک رکن ہے، تعلقات ہو جاتے ہیں، متعدد قصائد خواجہ مودود کی مدح میں لکھے گئے ہیں، لیکن خواجہ تھے بے فیض، انوری نے آخر کار جل کر لکھا ہے [۱]

مودود احمد عصمی عشوہ ام داد | گفتم کہ او سرست و سر آخر زتن بہ است
راغب شدم بخدمتِ او تا شدم خجل | حالِ سگانِ بوالحسن از حالِ من بہ است (ص ۶۲۳)

اب ہم اس دور میں آجاتے ہیں جو تاریخ میں حادثۂ غز کے نام سے مشہور ہے۔ قبائل غز ترکمانوں سے علاقہ رکھتے تھے اور ختلان علاقہ بلخ میں اُن کو مویشیوں کے لیے رمنے بتا دیئے گئے تھے یہ چوبیس ہزار بکریاں بطور خراج سالانہ، سلطانی مطبخ میں دیا کرتے تھے، لیکن خوان سالار سلطانی کی زیادہ ستانی اور سخت گیری سے یہ لوگ تنگ آکر آمادۂ جنگ ہو گئے، اور نذرانہ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ امیر قماج والی بلخ نے آخر یہ معاملہ سلطان سنجر کے گوش گزار کیا، اور اُن کی تنبیہ و تادیب کے لیے اجازت حاصل کر لی اور فوج کشی کر دی۔ اس مہم میں قماج اور اُس کا فرزند علاء الدین مارے گئے اور فوج نے شکست کھائی۔ اب یہ مشورہ قرار پایا کہ سلطان بذاتِ خود لشکر کشی کرے۔ غز سردار بہت بڑا تاوان دینے پر آمادہ تھے اور سنجر بھی قبول کرنا چاہتا تھا، لیکن اُمرائے دربار اس مصالحت کے بالکل خلاف تھے، جن میں مؤیّد کا نام قابلِ ذکر ہے۔ بہر حال جنگ کی ٹھن گئی۔ ادھر اہلِ لشکر جنگ کے خلاف تھے اُنھوں نے کوئی تندہی نہیں دکھلائی، اِس طرف غز جان توڑ کر لڑے اور میدان اِنھی کے ہاتھ رہا، شاہی افواج کو شکست فاش ملی اور سلطان گرفتار ہو گیا۔

اس میں شک نہیں کہ یہ مہم شروع سے ہی ایک غلطی تھی، اِس ہزیمت اور اس کے خوفناک نتائج کا الزام شعرائے عہد اہلِ فوج کے سر تھوپتے ہیں، بلکہ اُن کو بے حمیّتی، بُزدلی اور جبن کا ملزم قرار دیتے ہیں، اِن کی یہ رائے ہمیں باور کر لینا چاہیئے۔

حکیم کوشکی نے، جو اس عصر کا ایک مشہور ہزّال ہے، اُمرائے سنجری کے خلاف اس بارہ میں کئی نظمیں لکھی ہیں جن میں سے ایک یہاں نقل کی جاتی ہے۔

ایا شمشیر زن ترکانِ پُر دل | بہ نسبت از فی و تا تار و کاشاں

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راحت الصدور ص ۱۷۷ مرتبۂ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، طبع یورپ ۱۹۲۱ء

یکایک در خراسان بر دریده — بناز و نعمت و دولت تن آسان
شمار پادشاہ ہفت کشور — رسانیدہ بمیری از نخاسان
بروز کودکی خفتہ کہ و مہ — بسے در پیش دکانِ رواسان
بہر شہرے زنامِ غز شنودن — شدہ چوں دیو از آہن ہراسان
فلک کفرانِ نعمتہائے سنجر — طلب کرد از شما ناحق شناسان
زہے درماندگانِ بے حمیّت — زہے خربندگانِ ناسپاسان
کسے خود زاد و بوم و ملک و اقطاع — چنیں بیروں دہد از دست آسان
مسلّم ہیں کہ چوں بیروں کشید — بشمشیر از . . . زنانِ تان خراسان

قاضی حمید الدین، صاحب مقاماتِ حمیدی نے ذیل کا قطعہ لکھا ہے

حکیم کوشکی را بخواب دیدم دوش — زبان کشادہ بمدح مبارزان سپاہ
ز راہ طعنہ و طنز و تمسخرہ می گفت — خہے گزاردہ ہریک حقوق نعمت شاہ
فسوس زیر رکاب شما کمیت و سمند — دریغ بر سر و فرقِ شما قبا و کلاہ
ز پیش کافر کفرانِ نعمت آوردہ — گریختید چو از پیش توبہ خیل گناہ
نہ دیدہ گردِ سیاہِ سیاہ پوش ہنوز — کہ گشت صبح سپید شما چو شامِ سیاہ
ز بس تعجب کفار جملہ می گفتند — زہے جماعتِ غزا الٰہ الا اللہ

فتح کے بعد غزوں نے مرو کا رخ کیا، یہ شہر اُن ایام میں عروس البلاد کا حکم رکھتا تھا، اور داؤد چغری بیگ کے زمانہ سے دار الملک رہا تھا۔ اس کی دولت کی کوئی انتہا نہیں تھی، وہ خزائن اور دفائن سے معمور تھا، غز تین روز تک شہر کو غارت کرتے رہے۔ اکثر باشندے گرفتار ہوئے اور طرح طرح کے شکنجوں میں ڈالے گئے تاکہ پوشیدہ خزانوں کا سراغ بتائیں، قتل و غارت اور خونریزی ایک وسیع پیمانہ پر عمل میں آئی، عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ انوری غالباً ان ہی واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہوا کہتا ہے

بعلم تست کہ چندیں ہزار نفسِ نفیس — چہ زن چہ مرد چہ پیر و جوان چہ شاہ چہ داہ

باضطرار دریں ورطہ او فتاد ذرست — بلے اگرچہ یکے را درین نبود گناہ

زخون کشتہ چنان ست رود مرو ہنوز — کہ در گزار بماند ماہیان شناہ

بدشتہاش زبس کشتہ بعد چندیں سال — عجب مدار کہ از خون بود نمائے گیاہ

(ص ۳۶)

جب مرو کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی تو غزوں نے نیشاپور کا رُخ کیا اب شاہی فوج کے نفر بھی ان کے شریک ہو گئے تھے، ابتدا میں شہریوں نے مدافعت کے لیئے ہاتھ پانوں مارے، لیکن غزوں کی کثرت سے بہت جلد مغلوب ہو گئے، جامع مسجد منیعی میں، اکثر عورات، اطفال، اور ذکور، جو بغرض پناہ جمع ہوئے تھے، قتل کر دیئے گئے، مسجد مطرز میں آگ لگا دی گئی اور اس کے شعلوں کی روشنی میں رات بھر شہر لٹتا رہا، شیخ محمد اکاف اور امام محمد بن یحییٰ جیسے پاک نفوس شکنجوں میں ڈالے گئے اور بیدردی سے شہید کر دیئے گئے۔ خاقانی مو خرالذکر کے مرثیہ میں کہتا ہے ؎

در دولت محمد مرسل ندداشت کس — فاضل تر از محمد یحییٰ قبائے خاک

آں کرد روز تہلکہ دنداں فدائے سنگ — ویں کرد روز قتل دہاں را فدائے خاک

دیگر

گردوں سر محمد یحییٰ ابباد داد — محنت نصیب سنجر مالک رقاب شد

دیگر

چرخ از سر محمد یحییٰ ردا ربود — دہر از سر سعادت سنجر کلاہ برد

خراسان کے اور امصار کے ساتھ بھی غزوں نے یہی سلوک روا رکھا، صرف ہرات نے کامیابی کے ساتھ مدافعت کی، اور اس تباہی اور بربادی سے، جس نے خراسان کو ایک دو نسلوں کے لیئے بے چراغ کر دیا تھا، ہراتیوں نے اپنی قوت بازو، اور مردانہ جدوجہد سے رستگاری حاصل کی۔ جہاں جہاں غزوں کا قدم گیا، ان کے عقب میں قحط و وبا اور عالمگیر تباہی نے اپنا چہرہ دکھایا۔ غز ملک میں چاروں طرف پھیل چکے تھے اور اپنی تباہ کن رسالت کے مقاصد انجام کو پہنچا چکے تھے۔ باشندے ان کے خوف سے جنگلوں پہاڑوں اور کنوؤں میں چھپتے پھرتے تھے۔ سنجر کے جنرل اور کپتان جنھوں نے اس کے اقبال کے دور میں بیسیوں میدان مارے تھے، اور مشہور

مہمیں سر کی تھیں، ان غیر متمدن وحشیوں کے نام سے لرزتے تھے، اور بھاگتے تھے۔ خراسان میں جنگجو طبقہ کی کمی نہیں تھی، لڑنے والے اور ملک کی حفاظت کرنے والے کافی تعداد میں میسر آسکتے تھے، لیکن ان کو ترتیب دینے اور حیطۂ نظام میں لانے والا کوئی نہ تھا، مخلوق کی آنکھیں سنجر کو ڈھونڈھ رہی تھیں اور سنجر اُن میں موجود نہ تھا۔ اس صورت حالات میں بعض وطن پرستوں نے خان سمرقند کے نام ایک سفارت بھیجنا چاہی جس کے ذریعہ سے وہ ملک کی حالتِ زار بیان کر کے خاقان سے امداد و استعانت اور مداخلت کے مستدعی ہوئے۔ خراسانی اس سفارت کے لیئے یوں اور بھی آمادہ ہوئے کہ سالِ گزشتہ خاقان نے غزوں کی خلاف ایک مہم بھی سر کی تھی۔ یہ سفارت غالباً ۵۴۹ھ اور ۵۵۱ھ کے درمیان بھیجی جاتی ہے۔ خواجہ کمال الدین جو فضلائے عصر میں بے مثل عالم اور سنجر کے دربار میں بہت بڑا رتبہ رکھتے تھے: اس سفارت کے قائد اعظم تھے۔

یہ انوری تھا، جس نے سفارت نامہ کا مضمون نظم میں تیار کر کے دیا۔ خراسانیوں کا یہ فریادنامہ ایک ایسی دستاویز ہے جو بلحاظ پاکیزگی جذبات، علو تخیل، اور صفائی زبان، فارسی نظموں میں ایک بے مثل چیز ہے۔ اس میں عبرت، حسرت، اور مظلومیت کے نقشے کو نہایت صحیح الفاظ میں کھینچا گیا ہے، واقعات کے بیان کرنے میں مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا ہے، اور حقیقت و واقعیت کی لہر شروع سے آخر تک موج زن ہے۔ اگر انوری کا اور کلام ہم تک نہیں پہنچتا، اور صرف یہی نظم اس کی یادگار رہتی تو تنہا اس نظم کے اعتبار پر اس کا شمار ایران کے بہترین شعرا میں کیا جا سکتا تھا۔ نظم کیا ہے، ایک سیلاب اشک ہے، جو خراسان نے اپنے ایتام، شہدا، عصمت دریدہ عورات، سوختہ عمارات، غارت شدہ اماکن، بے چراغ بلاد، پامال شدہ حرمت، اور تلف شدہ دولت کے ماتم میں بہایا ہے۔

انوری کی پیغمبری کے ثبوت میں یہی معجزہ اکتفا کرتا ہے۔ وہ اپنے ملک کو سرتاسر برباد ہوتا دیکھتا ہے، حبّ وطن اور عبرت کے جذبات اِس کے قلب میں موجیں مارتے ہیں، درد اور حمیت اُس پر استیلا پاتے ہیں، اور وہ اِن جذبات کو کامیابی کے ساتھ شعر کے پیکر میں تبدیل کر دیتا ہے۔

اِس نظم میں شاعرانہ صنائع و بدائع کا منت کش ہے، اور نہ لفظی دل فریبی، اور ظاہری آرائش عبارات کا ممنون احسان ہے، نہ استعارات کے اینچ پینچ ہیں، اور نہ تشبیہات کی دھوم دھام ہے۔ سیدھے سادے جملوں میں ان خونیں واقعات کے بعض خط و خال بیان کر رہا ہے لیکن ہر جملہ درد میں ڈھلا ہوا ہے، اور ہر

فقرہ تاثیر کے رنگ میں ڈوبا ہوا۔ تمہید کے اشعار ہیں ؎

بر سمرقند اگر بگزری اے بادِ سحر	نامۂ اہلِ خراساں ببرِ خاقاں بر
نامۂ مطلع آں رنجِ تن و آفتِ جاں	نامۂ مقطع آں درد دل و سوز جگر
نامۂ بر رقمش آہ عزیزاں پیدا	نامۂ در شکنش خون شہیداں مضمر
نقشِ تحریرش از سینۂ مظلوماں خشک	سطر عنوانش از دیدۂ محروماں تر
ریش گردد ممر صوت از و گاہ سماع	خوں شود مردمکِ دیدہ از و وقتِ نظر
تاکنوں حالِ خراسان و رعایا بودہ است	بر خداوندِ جہاں خاقاں پوشیدہ مگر
نے نبودہ است کہ پوشیدہ نباشد بروے	ذرّہ نیک و بد نہ فلک و ہفت اختر
کارہا بستہ بود بے شک و وقت کنوں	وقت آں ست کہ اندسوی ایراں لشکر
خسرِ عادلِ خاقانِ معظم کز جد	پادشاہست و جہاندار ز ہفتاد پدر
دائمش فخر بدین ست کہ در پیش ملوک	پسرش خواندے سلطان سلاطین سنجر
باز خواہد ز غزاں کینہ کہ واجب باشد	خواستن کین پدر بر پسر خوب سیر

(ص ۱۶۷)

انوری کی شاعری کا ساغر مدح و قدح کی صاف و درد سے ہی لبریز نہیں ہے بلکہ اس کی سطح کے نیچے الم و درد و یاس کا عنصر بھی اپنا نشیمن بنائے ہوئے ہے، جو ضرورت کے وقت بجلی کی سی سرعت کے ساتھ سطح سے ابھر کر فضائے بسیط میں طوفان یاس و عبرت بپا کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ اس کے کمال کے اس پہلو کو، افسوس ہے، ہمارے ہاں بالکل ہی فراموش کر دیا گیا ہے۔

اب شاعر خاقان کو خطاب کرکے یوں عرضِ مطلب شروع کرتا ہے ؎

اے کیومرث بقا، بادشہ کسریٰ عدل	وے منوچہر لقا خسروِ افریدوں فر
قصۂ اہلِ خراساں بشنو از رہِ لطف	چوں شنیدی ز سر رحم در ایشاں بنگر
ایں دل افگار جگر سوختگاں می گویند	کاے دل و دولت و دیں را ز تو شادی و ظفر
خبرت ہست کزیں زیر و زبر شوم غزاں	نیست یک تن ز خراساں کہ نشد زیر و زبر

پر بزرگانِ زمانہ شدہ خردان سالار　　　بر کریمانِ جہاں گشتہ لئیماں مہتر
بر درِ دوناں احرار حزین و حیراں　　　در کفِ رنداں ابرار اسیر و مُضطر
شاد الّا بدرِ مرگ نہ بینی مردم　　　بکر جز در شکمِ مام نیابی دختر
مسجدِ جامعِ ہر شہر ستوراں شاں را　　　پائیگاہیست کہ نہ سقفش پیداست نہ در
خطبہ نکنند بہر خطہ بنام غز ازانک　　　در خراساں نہ خطیب ست کنوں نے منبر
کشتہ فرزند گرامی را اگر ناگاہاں　　　بیند از بیم خروشید نیارد مادر
آں کرا صد رہ غز زر ستد و باز فروخت　　　دارد آں جنس کہ گوئیش خریدست بزر
بر مُسلماناں زاں شکل کنند استخفاف　　　کہ مسلماں نہ کند صدیک ازاں با کافر
ہست در روم و خطا امن مسلماناں را　　　نیست یک ذرّہ سلامت بمسلمانی در
خلق را زیں غم فریاد رس ای شاہ نژاد　　　ملک ازیں ستم آزاد کن ای پاک گہر　　(ص ۱۶۸)

اگر یہی مقصد ہم عبارت میں ادا کرنا چاہیں تو غالبًا اس کے لیئے ہمیں زیادہ الفاظ کی ضرورت ہو گی، اور اگر اسی قدر الفاظ سے کام لینا چاہیں تو شاید خوبی اور صفائی سے نہ ادا کر سکیں یہ اس قادر الکلام کا کمال ہے کہ نہ زیادہ الفاظ کو کام میں لایا، نہ حشویات کو داخل کیا اور اپنا مقصد خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کر دیا، اور تاثیر بھی پیدا کر دی، جو دلوں کے گداز کرنے میں جادو کی خاصیت رکھتی ہے۔

شاعر عرضِ حال کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے ؎

بخدائے کہ بیاراست بنامت دینار　　　بخدائے کہ بیفراخت بفرّت افسر
کہ کنی فارغ و آسودہ دلِ خلقِ خدائے　　　زیں فرومایہ غز شوم پے غارت گر
وقت آں ست کہ یابند ز رحمت یادش　　　گاہ آں ست کہ گیرند ز تیغت کیفر
زن و فرزند و زر جملہ بیک حملہ چو پار　　　بردی امسال روان شاں بدگر حملہ ببر
آخر ایراں کہ ازو بودے فردوس برشک　　　وقف خواہد بد تا حشر بریں شوم حشر
سوئے آں حضرت کز عدل تو گشتست چو خلد　　　خوشتن زیں جا کز ظلم غزاں شد چو سقر

هر که پائے و خرے داشت بحیلت بفگند | چه کند آں که نه پایست مرا ورا و نه خر

رحم کن رحم برآں قوم که نبود شب و روز | در مصیبت شاں جز نوحه گری کار دگر

رحم کن رحم برآں قوم که جویند جوے | از پس آں که نخوردندے از ناز شکر

رحم کن رحم برآنها که نیابند نمد | از پس آں که از اطلس شاں بودے بستر

رحم کن رحم برآں قوم که رسوا گشتند | از پس آں که بزیبائی بودند سمر

گرد آفاق چو اسکندر برگرد ازانک | توئی امروز جہاں را بدل اسکندر

از تو رزم اے شه واز بخت موافق نصرت | از تو عزم اے ملک از ملک العرش ظفر

همه پوشند کفن چوں تو بپوشی خفتاں | همه خواهند اماں چوں تو بخواهی مغفر

اے سرافراز جہاں بانی کز غایت فضل | حق سپرده است بعدل تو جہاں اکبر

بهره باید از عدل تو نیز ایراں را | گرچه ویراں شد بیروں نه جهانش مشمر

تو چو خورشیدی و هست خراساں اطلال | نه بر اطلال بتابد چو بر آباداں خور

هست ایراں مثل شوره و تو ابر قوی | هم بفشاند بر شوره چو بر باغ مطر

بر ضعیف و قوی امروز توئی داور حق | هست واجب غم حق ضعفا بر داور

خواجہ کمال الدین کے ذکر میں گویا ہے

پیش سلطان جہاں سنجر که پروردت | اے چنو پادشه داد گر حق پرور

دیده خواجه آفاق کمال الدین را | که نباشد بجہاں خواجه ازو کامل تر

نیک دانی که چه و تا به کجا داشت برو | اعتماد آں شه دیں پرور دریں کو محضر

هست ظاهر که برو هرگز پوشیده نبود | هیچ اسرار ممالک چه ز خیر و چه ز شر

روشن ست آں که برآں جمله که خور گردوں را | بود ایراں را آرایش همه عمر اندر خور

و اندراں مملکت و سلطنت و آں دولت | چه اثر بود ازو هم بسفر هم بحضر

با کمال الدین ابنائے خراساں گفتند | قصه ما بخداوند جہاں خاقاں بر

چوں کند پیش خداوند جہاں از سرِ سوز | عرضہ ایں قصۂ رنج و غم و اندوہ و فکر
از کمال کرم و لطف تو زیبد شاہا | کز کمال الدین داری سخنِ ما یا در
زو تنو حال خراسان و عراق ای شہ شرق | کہ مر او راست ہمہ حال چو الحمد از بر (ص ۱۷۰)

میں نے اس نظم کے ذکر میں کسی قدر طوالت سے کام لیا ہے، صرف اس خیال کی بنا پر کہ ہمارے ہاں اب تک اسے قرار واقعی اہمیت حاصل نہیں ہوئی ہے، اگرچہ مولانا شبلی نے اسے فراموش نہیں کیا ہے مگر میں خیال کرتا ہوں کہ وہ اس سے بہتر توجہ کی مستحق ہے۔ یورپ میں اس کی دقعت ایک عرصہ دراز سے معلوم ہے اور ایک سے زیادہ مستشرق نے اس کے ترجمہ پر قلم اٹھایا ہے۔

۵۵۱ھ میں قاضی حمید الدین کی مشہور کتاب مقاماتِ حمیدی تصنیف ہوتی ہے، انوری قطعۂ ذیل اس کی تقریظ میں لکھتا ہے ؎

ہر سخن کاں نیست قرآں یا حدیثِ مصطفیٰ | از مقاماتِ حمید الدین شد اکنوں ترہات
زرشک اعمیٰ داں مقاماتِ حریری و بدیع | پیش آں دریائے مالا مال از آبِ حیات
شاد باش اے عنصر محمودیاں از روحِ نو | زاں کہ تو محمود عصری ما بتانِ سخ منات
از مقاماتِ تو گر فصلے بخوانم بر غدد | حالے از نا منطقی جذر اصم یابد نجات
عقلِ کل خطے تأمل کرد از و گفتا ای عجب | علم اکسیر سخن داند مگر اقضی القضات
دیر ماں اے قدر رایت عالم تائید را | آفتابے بے زوال و آسمانے بے ثبات (ص ۶۰۱)

اس کے دوسرے سال قاضی صاحب انوری کے نام ایک قطعہ بھیجتے ہیں، شاعر جواب میں قطعہ لکھتا ہے۔ میں پہلے شعر پر قناعت کرتا ہوں ؎

قطعۂ صدر اجل قاضی قضاتِ شرق و غرب
آں کہ بر عالم نفاذِ او قضائے دیگر است (ص ۶۲۱)

انھی ایام میں غزوں کے سردار ملک طوطی سے شاعر تعلق قایم کر لیتا ہے، لیکن یہ تعلق نہ اصلی ہے اور نہ دیرپا۔

خراسان کا سیاسی مطلع فتنہ آشوب اور انقلاب کے گہرے بادلوں سے گھرا ہوا تھا وہاں کسی چیز کو قیام نہیں تھا، جیسا کہ مشرقی ممالک کا دستور ہے۔ غز بھی جانے کے لیئے ہی آئے تھے، وہ ایک طوفان بے تمیزی کی طرح اُٹھے، خراساں، عراق، کرمان، اور غزنہ پر چھا گئے اور کچھ عرصہ بعد ہنڈیا کے اُبال کی طرح بیٹھ گئے۔ لیکن اِس سے قبل وہ عام بربادی، اور عالم گیر تباہی کے کام کو خاطر خواہ تکمیل تک پہنچا چکے تھے۔ اب سنجر غزوں کی قید سے آزاد ہو کر وفات بھی پا چکا ہے، اور انوری شہر بلخ میں مستقل سکونت اختیار کر چکا ہے۔ ان ایام میں طغرل تگین بلخ کا حکمراں ہے اور آزاد بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔

انوری کے کلّیات میں دو تین قصیدے اور چند قطعات اس کی مدح میں ملتے ہیں، لیکن کوئی قابلِ ذکر تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ طغرل تگین کے دور میں انوری کی زندگی کا وہ ناگوار واقعہ پیش آتا ہے، جسے ہجو بلخ کے نام سے پکارا جاتا ہے، اور جو کسی قدر تفصیل کے ساتھ دوسرے مقام پر بیان ہو چکا ہے۔

میں یہاں چند الفاظ انوری کے سوگند نامہ کی بابت کہنا مناسب سمجھتا ہوں۔ یوں تو اس کی اکثر نظمیں جیدہ، منتخب اور لطیف ہیں لیکن یہ نظم اُس کی چوٹی کی نظموں میں شمار کیئے جانے کے قابل ہے۔ سوگند نامہ انوری کی اعجاز نگاری کی مثال میں بلا خوف تردید پیش کیا جا سکتا ہے۔

اِس نظم میں اس کی شاعری اپنے بہترین معیار اور انتہائے کمال کو پہنچ گئی ہے۔ موقع نہایت نازک تھا دشمن اپنا کام کر چکے تھے اور ہجو کا الزام اُس کے سر منڈھ دیا گیا تھا، اور غضب یہ ہوا تھا کہ بلخیوں کے جذبات اس کے برخلاف مشتعل ہو چکے تھے۔ غوغائی اس کے گھر پر چڑھ آئے تھے۔ اس کی بے حرمتی کی جاتی تھی۔ جوش ابھی فرو نہیں ہوا تھا، بالکل ممکن تھا کہ اور دست اندازی کی جاتی اور عزت کے ساتھ جان پر بھی حملہ ہوتا۔ انوری خود بے جا تہمت پر طیش، بے حرمتی کے رنج، اور جان کے خوف جیسے مختلف جذبات کے اثرات سے مغلوب ہو چکا تھا۔ آخر اس نظم کی شکل میں وہ اپنی بے گناہی کی آواز بلند کرتا ہے۔ اِس کے طاقتور قلم کی گونج دُور دُور سنائی دیتی ہے۔ اور عوام کا جوش مخالفت ایک برف کے تودے کی طرح، جو تابشِ آفتاب کے سامنے پگھل کر اور پانی ہو کر بہہ جاتا ہے، فرو ہو جاتا ہے۔

اِس نظر سے دیکھتے ہوئے سوگند نامہ انوری کا اعجاز ہے، ذرا اس کی تمہید ملاحظہ ہو ؎

اے مسلماناں! فغان زین دورِ چرخِ چنبری!! — وز نفاق تیر و قصدِ ماہ و کیدِ مشتری

کارِ آبِ نافع اندر مشربِ من آتش ست — شغلِ خاکِ ساکن اندر مسکنِ من صرصری

آسمان در کشتیِ عمرم کند دایم دو کار — گاہِ شادی بادبانی، وقتِ اندہ لنگری

گر بخندم، وآں بہر عمر بیست، گوید زہر خند — ور بگریم، کاں بہر روز بیست، گوید خون گری

بر سرِ من مغفری کردے کلہ واں برگذشت — بگذرد بر طیلسانم نیز دورِ معجری

روزگارا! گر ز عنقامی بیاموزی ثبات!! — چون زغن تا چند سالے مادہ سالے نری!!

از ستمہائے فلک چنداں کہ گوئی گنج نیست — دانتم زیرا کہ با من ہم بدیں گنبد دری

گوئیا تا آسماں ارسم وراں آمدہ است — دادہ اندے فتنہ را قطبی بلا را محوری

گر بگرداند بہ پہلو ہفت کشور مر ترا — یک دم از مہرت نہ گوید کز کدامیں کشوری

بعد ما کاندر لگد کوبِ حوادث چند سال — بختِ شورم خنجری کردہ است و در تن خنجری

خیرہ خیرم کرد صاحب تہمت اندر ہجو بلخ — تا ہمی گویند کافر نعمت آمد انوری

قبۃ الاسلام را ہجو اے مسلماناں کہ گفت؟ — حاش للہ باللہ ار گوید جہود خیبری

آسماں ار طفل بودے بلخ کردے دایگیش — مکہ داند کرد معمورِ جہاں را مادری

ہجو کی افترا کے خلاف گویا ہے ؎

با چنیں سکاں کہ گر از قدر شاں عقدی کشند — فارغ آید چرخِ اعظم از چہ از بے زیوری

ہجو گویم بلخ را ہیہات یا رب زینہار — خود تواں گفتن کہ زنگار ست زرِ جعفری

باللہ ار با من تواں بستن بمسمارِ قضا — جنس ایں بدسیرتی یا مثل ایں بدگوہری

خاتمِ حجت در انگشتِ سلیمانِ سخن — افترا کردن برد، در گیرد از دیو و پری

باز داں آخر کلامِ من ز منحولِ حسود — فرق کن نقشِ الٰہی را ز نقشِ آذری

مرد را چون ممتلی شد از حسد کار افتراست — معدہائے بدمزاجاں را اتقے افتد ازیری

عیشِ من زیں افترا تلخی گرفت و تو ہنوز — چر بکباو ہمچناں چون جانِ شیریں میخوری

آں ہمی گویم کہ در عطے زباں آوردہ ام ‌ ‌ ‌ آں ہجا گر نزدِ من یابی بود از کافری
گر بخاطر بگذراند ستم اندر عمرِ خویش ‌ ‌ ‌ یا نیم چوں آنکہ گرگِ یوسف از تہمت بری
جاوداں بیزارم از ذاتے کہ بیزاری او ‌ ‌ ‌ ہست در بازارِ دیں صرّافِ جانِ ابی زری
آں توانائے و دانائے کہ در اطوارِ غیب ‌ ‌ ‌ دام بدبختی نہاد و دانۂ نیک اختری (ص ۴۰۱)

اِس طاقتور تردید کے سامنے دشمنوں کا افترا کب تک سرسبز رہتا آخر "نقشِ الٰہی" "نقشِ آذری" پر ظفریاب ہوا ۔ اِس کے ترکش کے آخری تیر (جن میں چند، دشمنوں کے اوپر بھی برسائے گئے ہیں) ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں ؎

چوں مراد رنج ہم از اصطناعِ اہلِ بلخ ‌ ‌ ‌ دق مصری چادری کرد ست و رومی ستری
بر سرِ ملکِ چناں فارغ نہ باشد کس چو من ‌ ‌ ‌ حبذا ملکے کہ باشد افسرش بے افسری
دے زخاکِ خاوراں چوں ذرّہ مجہول آمدہ ‌ ‌ ‌ گشتہ امروز اندرو چوں آفتابِ خاوری
با چنیہا آں چناں زاید از خاطر مرا ‌ ‌ ‌ اے عجب کز آب خشکی زاید از آتش تری
ایں ہمہ بگزار آخر عاقلم در نفسِ خویش ‌ ‌ ‌ کادمی را ہست عقل از ممکنات اکبری
پس چگونہ ہجو گویم خطۂ را کز درش ‌ ‌ ‌ گرد را آید دیو بہند از برون مستکبری
تا تو فرصت جوے گردی در کمیں گاہِ حسد ‌ ‌ ‌ غصۂ دہ سالہ را با من بصحرا آوری
ہیچ عاقل ایں کند جز آں کہ یک سو افگند ‌ ‌ ‌ اصل نیکو اعتقادی، رسم نیکو محضری
دشمناں را مایہ دادن نزدِ من دانی کہ چیست؟ ‌ ‌ ‌ جمع کردن موشِ دشتی با پلنگِ بربری
مستقیم احوال شو تا خصم سرگرداں شود ‌ ‌ ‌ بس کہ پرکاری کند او چوں تو گردی مسطری
ایں دقائق من چناں رزم کہ از بے فرصتی ‌ ‌ ‌ سکتہ گیرد ایں و آں بر بو فراس و بحتری
از عقاب و پوستینش گر نہ گوید بہ بود ‌ ‌ ‌ گرچہ در دریا تواند کرد خربط گازری
چند رنجی کز قبولم تازہ شاخے می دمد ‌ ‌ ‌ ہر کجا بیداری اے مسکیں کہ بیخے می بری
رو کہ از یاجوجِ بہتاں رخنہ ہرگز کے فتد ‌ ‌ ‌ خاصہ در سدّے کہ تائیدش کند اسکندری (ص ۴۰۳)

اِس واقعہ کے بعد انوری کچھ عرصہ کے لیئے بلخ چھوڑ دیتا ہے، اور بغداد پہنچ کر قطب الدین مودود بن زنگی کے دربار میں رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ اِس موقع پر شاعر نے کوئی مستقل تصنیف بھی مودود کے نام معنون کی ہے۔

برین نوید رسیدم درین دیار و زمن   بگوشِ حضرتِ شاہِ جہاں رسید خبر
مرا بحضرتِ عالی تقربے فرمود   برائے شاہ بپرداختم یکے دفتر
ہزار فصل درو لفظہا ہمہ دلکش   ہزار عقد درو نکتہا ہمہ دلبر (ص ۱۸۴)

یہاں وہ علمی مشاغل اور تصنیفات میں اپنی زندگی بسر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے ؎

بداں اُمید کہ شاہ جہاں شرف دہدم   شوم بدولت او نیک بخت و نیک اختر
بہر دو ماہ لبازم زعلم تصنیفے   برائے دولتِ منصور خسروِ صفدر
برین مثال بود تازہ یاد تا عقبے   برین نہاد بود زندہ نام تا محشر
بماند نام سکندر ہزار و ہفصد سال   مُصنّفاتِ ارسطو بنام اسکندر (ص ۱۸۴)

مودود جو علمی فتوحات کی بجائے جمع الارض در فتح البلاد کی تجاویز میں زیادہ منہمک تھا، انوری کے مقاصد کے ساتھ کوئی دلچسپی کا اظہار نہیں کرتا، اِس لیئے شاعر شکستہ دل ہو کر اور اجازت لے کر بغداد کو خیرباد کہتا ہے ؎

ولیک شاہ بفتح بلاد مشغول ست   نمی کند بہ پرستندگانِ خویش نظر
بہر گفت کہ چون نیست بکامِ جہاں   درین ہوس منشیں روزگار خویش مبر
بہ یک قصیدۂ غرّا بخواہ دستوری   زبارگاہ خداوند تاج و زینت و فر (ص ۱۸۵)

دیگر

خدا نگانا اُمید داشت بندہ ہمی   کہ در ثنائے تو بر سر وراں شود سرور
ببارگاہ تو ہر روز بیش تر آید   کنوں برسم رسن تاب می شود بستر
ز دخل نیست منالے و خرج ادبے حد   ز نفع نیست نشانے و دام او بے مر
اگر چنیاں کہ دہد شہریار دستوری   غلام وار دہد بوسہ آستانۂ در

بسوئے خانہ گر آید زباں بشکر و ثنا — بیاد ملک خداوند کردہ دائم تر (ص ۱۸۶)

بغداد چھوڑنے کے بعد معلوم نہیں ہوتا کہ شاعر کہاں کہاں گیا اور کیا کرتا رہا، مگر کچھ مدت بعد واپس بلخ آجاتا ہے۔

عماد الدین پیروزشاہ احمد

اب عماد الدین پیروزشاہ، خراسان کے اُفق پر ایک نئے ستارے کی طرح طلوع کرتا ہے، اور بلخ کے دروازے پر بحیثیت فاتح نمودار ہوتا ہے۔ وہ شہر کی غارت کا حکم دے چکا ہے، ابھی اس کی تعمیل میں کچھ وقفہ ہے کہ بلخیوں کے مجمع سے جو نئے فاتح کے استقبال کے لیئے شہر سے باہر آئے ہوئے ہیں، احد الدین آگے بڑھتا ہے اور بلخیوں کی حمایت میں قطعۂ ذیل سناتا ہے

اے ترا گشتہ میسّر حشم دیو و پری — کوش تا آب سلیمانِ پیمبر نبری

زاں کہ در نسبت ملک تو کہ باقی بادا — ہست امروز ہماں نوبتِ عدلِ عمری

توئی آں سایۂ یزداں کہ شبِ چتر تو کرد — ایں کہ در سایۂ او، روز ستم شد سپری

نامۂ فتح تو سیّارہ بہ آفاق برد — کہ بشارت گرِ فتح تو نشاید بشری

تو کہ صد سدِّ سکندر کنی از گرد سپاہ — خویشتن را سزد ار صد چو سکندر شمری

رائے اعلائے ترا کشف شود حالتِ بلخ — کہ برحمت سوئے آباد و خرابش نگری

در زوایاش ہمہ طائفۂ منقطع اند — ہمہ از خانہ برون و ہمہ از دانہ بری

تو سلیمانی و ایں طائفہ مورانِ ضعیف — بون خواہانِ تو عمرے بدعای سحری

ظاہر و باطن ایشان ہمہ یائے ملخ نست — چہ شود گر سرِ پائے ملخے در گزری (ص ۳۹۰)

وہی انوری جس کی تذلیل میں چند سال پیشتر بلخیوں نے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا تھا، آج اُن کے حق میں فرشتۂ رحمت بن کر نئے فاتح کے سامنے رحم و معافی کی درخواست کر رہا ہے۔ یہ واقعہ اس کی جبلی شرافت اور اخلاقی جرأت کی ایک روشن مثال ہے۔ کیا ہم ایسے عالی ظرف و بلند حوصلہ انسان کو "دنی الطبع" و "تنگ ظرف"

اور کم حوصلہ" کہنے میں حق بجانب ہو سکتے ہیں"۔

بعض سیاسی وجوہ کی بناء پر پیروزشاہ بلخ کا قبضہ ترک کر کے یکایک روانہ ہو جاتا ہی، انوری اس کی روانگی پر اپنا دلی تأسف ظاہر کرتا ہی۔ چنانچہ ؎

تو می روی و زمین و زمان ہمی گویند
زہے ز عدل تو خلق خدائے آسودہ (ص ۳۶۴)

لیکن کچھ عرصہ بعد وہ دوبارہ قابض ہو جاتا ہی اور شاعر اُس کے خیر مقدم میں ذیل کا قطعہ لکھتا ہی ؎

احمدِ مرسل زخاکِ مکہ چون ہجرت گزید ــ مدتے آں خط بود انگشت نومیدی گزاں
باز چوں باز آمد از اقبال میموں موکبش ــ تازہ شد چوں در سحرگاہاں گل از بادِ خزاں
بلخ را پیروزشہ احمد ہماں ہجرت نمود ــ تا فرو بارید از بیم ہمچو برگ اندر خزاں
باز چوں در ظلِّ عالی رایتش آرام یافت ــ زندہ شد بارِ دگر چوں از صبا شاخ رزاں
شکر یزداں را کہ شد آباد و خرم تا بحشر ــ قبۂ اِسلام ازین و کعبۂ اسلام ازاں (ص ۱۰۱)

پیروزشاہ کا زمانہ سنہ ۵۶۰-۶۱ھ سے تصور کرنا چاہیئے۔ یہی پادشاہ انوری کا حقیقی ممدوح ہی، اور اس میں شک نہیں کہ سنجر کے مقابلہ میں اِس کا دعویٰ نہایت زبردست ہی۔ شاعر نے بعض زبردست قصائد اسی پیروزشاہ کی تعریف میں لکھے ہیں۔ قصائد کی تعداد بھی کافی ہی، اور اُن کی زبان سے پایا جاتا ہی کہ شاعر کو اپنے ممدوح سے دلی اُنس ہی۔ انوری کی اصلی قدردانی بھی اسی دربار میں ہوئی ہی۔ اس کے وزیر جلال الوزرا کی مدح میں بھی متعدد قصائد ملتے ہیں۔

مجد الدین ابوطالب نعمہ، انوری کا (قیام بلخ کے زمانہ میں) ایک اور ممدوح ہی۔ اس کے تعریفی قصائد بھی کافی تعداد میں ملتے ہیں۔ اور شاعر اس کا ممنون بھی ہی۔

مجھے افسوس ہی کہ کلیات، غوریون کے ساتھ انوری کے مراسم پر کوئی روشنی نہیں ڈالتا نہ یہ ظاہر ہوتا ہی کہ یہ مراسم کس زمانہ میں قایم ہوئے، مگر نہ تو وہ دیرپا ہیں اور نہ گہرے۔

قرنِ ششم کے ساتویں عشرہ میں ملوک غور غزوں کی طاقت کو برباد کر کے خراسان کے بعض حصّوں پر قابض

ہو جاتے ہیں، بعض رباعیوں میں ان کی طرف اشارے ملتے ہیں؛ امیر الجبال کے نام ایک قطعہ بھی ہے۔ ایک پورا قصیدہ شہاب الدین اور حسن مودود کی تعریف میں ملتا ہے۔ یہ شہاب الدین اگرچہ مشہور شہاب الدین غوری فاتح ہندوستان نہیں ہے۔ اس قصیدے کا مطلع ہے ؎

عرصۂ مملکتِ غور چہ نامحدودست
کہ دراں عرصہ چناں لشکرِ نامعدودست (ص ۵۹)

اِس قصیدہ میں غوریوں کے نسب کے سلسلہ میں ایک عجیب بیان ملتا ہے، جو تاریخی روایات کے بالکل منافی ہے۔ سلاطین غور کا سلسلۂ نسب بڑے تاریخ ضحاک تازی سے ملتا ہے، اور طبقاتِ ناصری میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ لیکن انوری اُن کا سلسلۂ نسب حضرت داؤد پیغمبر علیہ السلام سے ملاتا ہے۔

غور کے ذکر میں وہ کہتا ہے ؎

رونقِ ملکِ سُلیمان پیمبر دارد
عرقِ سُلطاں چہ عجب گر نسبِ داؤد نست (ص ۵۹)

کلّیات میں، ایسے قصائد، جو مختلف سلاطین و صدور و امرا و علما وغیرہم کے نام ایک ایک دو دو مرتبہ لکھے گئے ہیں بے شمار ہیں، ذیل میں صرف اُن لوگوں کے اسمار کی فہرست دیدی جاتی ہے۔

(۱) ستر اعلیٰ جلال الدین والدنیا (۲) صفوۃ الدین مریم (۳) کریمۃ النسار رضیۃ الدین
(۴) عصمت الدین (۵) تاج الملوک بادشاہ (۶) ملک یوسف (۷) عزالدین
(۸) عضدالدین و ناصر الملک (۹) ملک شاہ معظم بن طغانشاہ (۱۰) زین الدین عبداللہ
(۱۱) عماد الملک جلال الدین ابوالفضل (۱۲) علار الدین محمد (۱۳) صاحب عادل عمر صدر دنیا
(۱۴) علار الدولہ علار الدین ابو علی حسن (خانوادۂ نظام) (۱۵) کمال الدین خال محمود صدری
(۱۶) کمال الدین ابی سعد مسعود (۱۷) عزیز الدین طغرائی (۱۸) ضیار الدین منصور
(۱۹) شرف الامرار اوحد الدین اسحٰق (۲۰) پیروز شاہ بن طغان تگین (۲۱) وزیر محمود
(۲۲) بہار الاسلام فخر الدین محمد (۲۳) تاج الدین ابراہیم (۲۴) محمد بن ابراہیم سری

(۲۵) فخر الدین ابو المفاخر (۲۶) صدرِ جہاں علاء الدین محمود (۲۷) شمس الدین اغلبک ؟ پہلوان لشکر
(۲۸) علاء الدین امیر اسحاق (۲۹) فرزندان میرداد (۳۰) مودود شاہ ناصر الدین موید
(۳۱) کمال الدین محمد (وزیر) (۳۲) بہاء الدین علی (۳۳) شمس الدین بہروز (۳۴) حسام الدین حسین
(۳۵) قوام الدین (۳۶) فخر الزماں اسحاق (۳۷) جمال اشراف (۳۸) خواجۂ منصور عامر
(۳۹) خواجہ فخری (شاعر) (۴۰) خواجہ اسفندیار (۴۱) کمال الدین مسعود (۴۲) اجل جمال الدین
(۴۳) تاج عمزاد (۴۴) صفی موفق سبعی (۴۵) اُلغ جاندار یک ایتانج سنقر
(۴۶) مجد الدین عالی ابو المعانی ابن احمد (۴۷) صدر الوزرا موید الملک (۴۸) نصیر الملک محمد بن عمر
(۴۹) مجد الدین علی ابن عمر (۵۰) بدر الدین سنقر (۵۱) موید الملک نظام الدین محمد (۵۲) نصیر الدین محمود وزیر
(۵۳) ابو المناقب ظہیر الدین ناصر (۵۴) رضی الدین ابو رضا (۵۵) فخر الدین ایتانج خاصبک
(۵۶) ناصر الدین قتلغ شاہ (۵۷) عماد الدین ملک شاہ معظم (۵۸) ابو المحاسن نصر بن نصر
(۵۹) سراجی (ترمذی) شاعر (۶۰) ارشد الدین (شاعر) (۶۱) خواجہ کمال الدین (شاعر) (۶۲) شجاعی (شاعر)
(۶۳) تاج الافاضل فخر الدین خالد بن ربیع المالکی (شاعر) (۶۴) ملک طوطی
(۶۵) کمال الزماں، مغنی سلطان سنجر (۶۶) فرید الدین کاتب

کلیات اِس کے واقعاتِ زندگی پر کچھ روشنی نہیں ڈالتا، اتفاقیہ جن چند باتوں کا ذکر آگیا ہے وہ یہ ہیں کہ ایک مرتبہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا، ایک قصیدہ میں جو کسی وزیر کے نام ہے، کہتا ہے ؎

تا دست شکستہ پائے جدم — در جستن ناگزیر لنگ ست
دریاب مرا و زود دریاب — کیں دست شکستہ نیک تنگ ست
(ص ۴۶)

ایک مرتبہ بیماری رشتہ میں مبتلا ہوا تھا ؎

بدستِ حادثہ بندے نہاد بر پایم — کہ ہیچ حادثہ گاہے نہان و گہ پیدا ست
سبک بصورتِ خیاں گران بقوتِ طبع — کہ پشتِ طاقتم از بار او ہمیشہ دو تاست

نظر بحیلہ از اعضا جدا نمی کندش | کہ راست بند بر اعضا کہ آنہم از اعضاست
عصاست پایم و در وضع آفرینش خلق | شنیدہ کہ کسے را بجائے پائے عصاست (ص ۳۹)

درد نقرس کی تکلیف بھی اُس کو ہو جایا کرتی تھی ؎

بزرگوارا دانی کز آفتِ نقرس | زہر چہ ترشی من بندہ می پرہیزم (ص ۶۹۰)

سفر میں ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ انوری اور اُس کے ہمراہیوں کو، جو تعداد میں تیرہ تھے، جن میں تین شاعر، چھ خیاط، اور چار منشی تھے، دو سواروں نے آکر گھیر لیا، اور بہت پریشان کیا قطعہ بدقسمتی سے ناتمام ہے ؎

من و سہ شاعر و شش درزی و چہار دبیر | اسیر و خوار بماندیم در کفِ دو سوار
دبیر و درزی و شاعر چگونہ جنگ کنند | اگرچہ چاردہ باشند ور چہار ہزار (ص ۶۸۱)

بہرحال، ہمیں اس قدر سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ قزاق تھے، اور جب تک کہ اُنھوں نے اس جماعت کو اچھی طرح نہ لوٹ لیا ہوگا، نچھوڑا ہوگا۔

وہ ایک بڑے کنبہ والا آدمی تھا، جس کے افراد کی تعداد پچاس کے قریب تھی ؎

بپذیرش کہ بندۂ تو سزد
او و پیوستگان او پنجاہ (ص ۳۵۶)

مصارف زیادہ تھے اور خود بھی اسراف کی حد تک فیاض تھا، اس لیے قرضہ کی مصیبت میں گرفتار رہتا تھا۔

وہ طبیعت کا شریف، حوصلہ کا بلند اور خوش اخلاق تھا، لیکن بلند نظری، بے پروائی اس کے خصائل کا امتیازی جوہر ہے صاف گوئی اس کی ایک اور خصوصیت ہے۔

خطرے اور مصیبت کے وقت وہ زیادہ دلیر اور جری تھا، خطرہ جس قدر زیادہ ہوتا اس کی ہمت اتنی ہی زیادہ بلند اور حوصلہ زیادہ مضبوط ہو جاتا تھا، دوسروں کی آفت میں سینہ سپر ہونے سے دریغ نہیں کرتا تھا اور عام طور پر بے خوف اور نڈر تھا۔

وہ قدرتاً خوش طبع بذلہ سنج اور ظریف تھا، ایسا شخص ہمیشہ کثیر الاحباب اور ہر دل عزیز ہوتا ہے، اسی لیئے اِس کے دوستوں کا دائرہ بہت وسیع تھا، اس کی صاف گوئی کی عادت نے بہتوں کو اس کا دشمن بھی بنا دیا تھا لیکن دشمنی کے اظہار میں وہ پہل نہیں کیا کرتا تھا، اِسی طرح ہجو میں بھی ابتدا نہیں کرتا تھا، بلکہ پہلے حریف کو جتا دیتا تھا کہ اپنا رویہ درست کرے ورنہ ہجو سے تواضع کی جائیگی، اس کے ساتھ ہی وہ رحم دل اور بُردبار تھا، اور دشمنوں تک کو معاف کر دیتا تھا ۔

غرور جو تلامیذ الرحمان کا طغرائے امتیاز ہے، انوری میں بہت کم پایا جاتا ہے، تفاخر اس کا شیوہ نہیں۔

اگرچہ اس کی عمر درباروں میں اور قصیدہ خوانی میں گزری، جہاں خوشامد کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا، تاہم خوشامد سے اُس کو دلی نفرت ہے۔ انسان، انسان، سب اس کی نظر میں مساوی تھا ہیں، اور اپنے جیسے انسان کی منت پذیری اس کے نزدیک بدترین فعل ہے۔

شراب وہ پیتا تھا، اُسے خود اقرار ہے۔ کلیّات میں بیسیوں قطعات موجود ہیں جو صرف دوستوں سے شراب منگوانے کی خاطر لکھے گئے ہیں۔

شعرا میں وہ ابوالفرج کا زیادہ مداح ہے اور اِسی کی تقلید بھی کرتا ہے، معاصرین میں عمعق، ادیب صابرؔ اور معزی کا ذکر احترام سے کرتا ہے۔ باوجودیکہ خود مُسلّم الثبوت اُستادِ فن بلکہ پیغمبرِ فن ہے، لیکن شعر گوئی اس کے نزدیک ایک ذلیل اور قابلِ نفرت پیشہ ہے۔ شاعر اور حلال خور اس کی رائے میں مساوی حیثیت رکھتے ہیں، نہیں بلکہ شاعر حلال خور سے بھی زیادہ کثیف ہے۔

علوم کا دل سے شیدائی ہے، اور حکمت پر تو جان قربان کرتا ہے۔ قسمت کی بوالعجبی دیکھیئے کہ بوعلی سینا کا متعلم رودکی کا جانشین بنا دیا جاتا ہے۔ لیکن قلبی رجحان کا کیا کرتا، وہ قدم قدم پر نمایاں ہے، زرق برق درباروں اور گرم نشاط محفلوں میں یکایک وہ ایک آہ سرد کھینچتا ہے۔ ارسطو اور بوعلی اُس کو یاد آتے ہیں، اور دل پکڑ کر رہ جاتا ہے۔

انوری اگرچہ کنشت میں دیر نشینوں کا سرتاج بنا لیا گیا ہے، لیکن کعبہ کی محبت اُس کے دل سے نہیں گئی۔ شاعری میں، اس عزت کے باوجود وہ فردوسی سے مرتد ہے۔ اور بوعلی کا کلمہ پڑھتا ہے، وہ شاہ نامہ کو رد کرتا ہے اور شفا کے آگے سر خم کرتا ہے، کہتا ہے ؎

در کمالِ بوعلی نقصان فردوسی مگیر
ہر کجا آمد شفا شہنامہ گو ہرگز مباش

بوعلی کے لیئے یہ احترام اُس کو سنائی کے خلاف اعتراض کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ حکیم سنائی نے ایک مقام پر لکھا تھا ؎

کہ یارب مر سنائی را سنائی دہ تو در حکمت
چناں کز وے بر شک آیدوانِ بوعلی سینا

انوری نے جواب میں کہا ؎

سنائی گرچہ از وجہ مناجاتے ہمی گوید | بشعر اندر ز حرص آں کہ یابد دیدہ بینا
ولیکن از طریقِ آرزو بخشن خرد داند | کہ با بختِ زمرد بس نیاید کوششِ مینا
بر و جانے مکن تن در مشیّت دہ کہ دیر افتد | ز یاجوج تمنّا رخنہ در سدِّ و لو شینا (ص۵۵۰)

اہلِ تصوف کو وہ پسند بھی نہیں کرتا، اس دلیل کی بنا پر میں خیال کرتا ہوں کہ مصرع مشہور ع
چوں سنائی ہستم آخر گرنہ ہم چوں صابرم
میں انوری نے اپنے آپ کو حکیم سنائی کا مثیل نہیں کہا ہے بلکہ حکیم سمائی کا۔ ایک قلمی نسخہ نوشتہ ۸۴۳ھ میں یہی مصرع یوں درج ہے ع

از سمائی بشیم آخر گرچہ کم از صابرم

بقول محمد عوفی، سمائی کا پورا نام "الحکیم محمود ابن علی السمائی المروزی ہے" اور طلحہ مروزی نے اس کا مرثیہ لکھا ہے۔

اِس کی شاعری پر مخالف معاصرین نے کفر نگاری کا الزام لگایا ہے، فتوحی مروزی کہتا ہے ؎

گدیہ و کفر در اشعار شعار ست ترا | کفر در مدحی و در گدیہ ہمہ کفرانی
صنعتِ کفر شعر از تو در افزود چنانک | بق بق از فاضلی و طنطنہ از خاقانی (ص۲۱۴)

قاضی نور اللہ شستری شیعہ شعرا کی فہرست میں اس کا شمار کرتے ہیں، لیکن کلیات میں کافی سے زیادہ

شہادت موجود ہی کہ وہ مذہب سنت و الجماعت کا ایک رُکن تھا، اور غالبًا شافعی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ مسئلہ جبر و قدر میں وہ اشاعرہ کا ہم زبان ہی، رویتِ باری کا وہ قائل ہی، "عدل عمر" قدم قدم پر اس کے قصائد میں پایا جاتا ہی۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

نہ در خلافتِ بوبکردم زنم بہ خلاف — نہ در امامتِ فاروق در مجال ونطق
نہ در نشستن عثمان چو رافضی بد گو — نہ در شجاعتِ حیدر چو خارجی احمق
سرخوارج خواہم شگافتہ چو انار — دلِ روافض خواہم کفیدہ چون خزق (ص ۲۴۰)

اِن اشعار پر بھی لحاظ کیا جائے ؎

بسرِ مصطفےٰ شریفِ قریش — کہ ز جمعِ رُسل عزیز ترست
بوفا و صفائے صدقِ عتیق — کہ دل وجاں فروش وشرع خرست
بدلیرے و ہیبتِ عمری — کہ ظہورِ شریعت از عمرست
بحیا و حیاتِ ذو النورین — کہ حقیقت مؤلفِ سورست
بکفِ ذو الفقار مرتضوی — کہ بحرب اندرون چو شیر نرست (ص ۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے کہتا ہی ؎

دین بعمر شد قوی گرچہ پس از عہدِ او — باقیِ ناموسِ کفر خنجرِ حیدر شکست
معرکۂ کردیو طفلِ عمر بشکند، — چرخ کے نظّارہ بود دید کہ منکر شکست (ص ۵)

ناظرین کو وہ قصّہ یاد ہوگا جس میں عنصری، عسجدی، فرخی، اور فردوسی ایک ایک مصرع بہم پہنچاکر رباعی تیار کرتے ہیں، اِسی قسم کا ایک قصّہ انوری، رشید الدین وطواط، ادیب صابر، اور خود سلطان سنجر کی بابت ایک غیر مطبوعہ تاریخ خلاصۃ التواریخ؟ میں میری نظر سے گزرا ہی۔ موقع یہ ہی کہ عید کا چاند، جس کا بیتابی سے انتظار کیا جارہا تھا، نظر آچکا ہی، ہلال کو دیکھ انوری کہتا ہی ع

این نیم قدح کہ در لب این طاس ست

رشید کہتا ہی ع — گوئی ہمہ ست پارۂ الماس ست

ادیب صابر کہتا ہے ع — شکلِ مہ نور است چو کج کار دبود

سلطان سنجر کہتا ہے ع — نے نے غلطے گشت بقار اد است

انوری کی وفات پر اس کے کسی دوست نے ذیل کا قطعہ لکھا ہے ؎

(۱) انوری رفت و آرمید و گزید — بر سرائے پلید عالم پاک

(۲) دوستاں زغمش ہمی گویند — بارخ زرد و دیدۂ نمناک

(۳) کاے دریغا کہ چرخِ سفلہ نہفت — عالِم علم را بمشتِ خاک

انوری کی شاعری

انوری اگرچہ طبعاً علم دوست واقع ہوا تھا، لیکن زمانہ کے میلانِ عام اور اپنے عہد کی عیش پرستی اور ہرزہ پسندی علوم کی بے قدری، معاش کی مجبوریاں اور زندگی کی تلخیاں محسوس کرکے علمی مشاغل کو خیرباد کہتا ہے اور شاعری اختیار کرتا ہے، تاہم وہ غالبؔ کا ہمزبان ہو کر بلاخوف تردید کہہ سکتا ہے ؎

مانبودیم بدیں مرتبہ راضی غالبؔ
شعرِ خود خواہشِ آں کرد کہ گردد فنِ ما

اگرچہ شعر نے اس کی روحانی اولوالعزمیوں اور طبعی رجحان کو کوئی تسکین نہیں بخشی کیونکہ وہ اس سے ہمیشہ ملول اور دل گیر نظر آتا ہے۔ اس کے شریف جذبات، اس پیشے کے خلاف ہمیشہ سرگرم پیکار رہیں، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ انوری نے اپنے سرسبز دماغ، عالمانہ روشِ تحریر، اور نکتہ آفرینی سے شعر کے درجہ کو کئی پایہ بلند اور رفیع کر دیا ہے۔

انوری کا اعجاز اس کے قصائد مانے گئے ہیں۔ متقدمین کے نزدیک محاسن قصیدہ گوئی زیادہ تر شان و شکوہ الفاظ، نادر تشبیہات اور صنائع و بدائع پر ختم تھیں۔ لیکن انوری کی جدت پسند طبیعت نے اس میں مضمون داخل کیا۔ خیال بندی کا شوخ رنگ چڑھایا اور صنائع کا زور توڑ کر اس کو علمیت کے رنگ میں رنگ دیا۔ فارسی زبان اس کے ہاں ایک نئی کروٹ لیتی ہے، جدید خیالات اور نئے اسلوب وافر مقدار میں پائے جاتے

ہیں، وہ سینکڑوں بندشوں کا مبدع ہے۔ اور اس کے جھوٹے نوالوں کو متاخرین مزے لے لے کر چباتے ہیں۔ قریب قریب ہر شاعر نے اس کے اثرات میں اپنے قندیلِ سخن کو روشن کیا ہے جن میں ظہیر، ابن یمین، عرفی اور قاآنی قابل ذکر ہیں۔ ہمارے لغات کا ایک بڑا جزو اس کی جدت طرازی کا مرہونِ منت ہے۔

صنائع میں وہ لف و نشر اور تجنیس کی طرف زیادہ مائل ہے، اور کلام حشو یا جملۂ معترضہ کے استعمال میں ید طولیٰ رکھتا ہے، وہ ادائے خیال کے لیئے نازک اور خوبصورت لباس کی بجائے سنجیدہ اور متین پیرایہ تلاش کرتا ہے۔

انوری ایران میں ثالث ثلاثہ رسل شعر مانا گیا ہے، اور یہ فیصلہ ابھی تک مُسلّم ہے۔ متاخرین ہند میں اس کے خلاف بغاوت پھیلانے والوں میں سب سے پہلے ابوالفضل علامی کا نام لیا جا سکتا ہے۔ ابوالفضل کے بعد میرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی قابل ذکر ہیں، اُن کے مقلد آزاد بلگرامی ہیں اور مولانا شبلی کی رائے حقیقت میں آزاد سے ماخوذ ہے۔ مگر ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان بزرگوں کے دور میں قصیدہ گوئی کی حقیقی عظمت مردہ ہو چلی تھی، اور تغزل نے عالمگیر قبولیت حاصل کر لی تھی۔ اِس لیئے مذاق میں عام انقلاب جاگزیں ہو چکا تھا۔ عرفی جیسا مسیح نفس بھی مردہ قصیدہ کے جسم میں روح پھونک کر اس کا دَور احیا نہ لا سکا۔

انوری کے دور میں غزل نے کوئی حقیقی اہمیت حاصل نہیں کی تھی، منچلے شعرا کے سامنے جو میدان تھا وہ قصیدہ کا تھا، اور اسی سرزمین میں وہ اپنے جوشِ طبیعت کی جولانیاں دکھاتے تھے۔ یہ عہد قصیدہ کی تاریخ کا زریں دَور مانا جانا چاہیئے۔ شعرا کثرت سے موجود تھے، جن میں اکثر مشہور و معروف ہیں، مثلاً امیر معزی، ادیب صابر، عبدالواسع جبلی، حکیم روحانی، حکیم سوزنی، فتوحی، سنجری، حکیم سنائی اور رشید الدین وطواط وغیرہ وغیرہ لیکن سب نے اپنے تفنن طبع کے لیئے قصیدہ نگاری ہی کو اختیار کیا تھا۔

اِن میں جو انوری کے ہم چشم مانے گئے تھے، وہ فتوحی اور سنجری تھے ؎

این کہ پرسد ہر زمان این .. خران گاو ریش

کانوری بہ یا فتوحی در سخن یا سنجری

(ص ۴۰۵)

گویا معاصرین کی نظرِ انتخاب میں انوری، فتوحی، اور سنجری پر قرعۂ فال ڈالا گیا تھا۔ کوئی انوری کو ترجیح دیتا تھا، کوئی فتوحی کا معتقد تھا، اور کوئی سنجری کی افضیلت کا قائل تھا۔ گویا سعدی، امامی، اور مجد ہمگر کی ترجیح کی بحث بہ تبدیل اسماء

ایک صدی پیشتر چھیڑ دی گئی تھی۔ لیکن غور کرو آج فتوحی اور سنجری کو کون جانتا ہے، زمانہ نے اُن کے کلام کی طرح اُن کے ناموں کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا ہے۔ اور جو تھوڑا بہت اِن کے متعلق ہم جانتے ہیں، انوری کے طفیل میں جانتے ہیں۔ وہاں دنیا نے سعدی کے حق میں فیصلہ دیا، یہاں انوری کے حق میں۔

متاخرین میں بعض نے ظہیر فاریابی کو انوری پر ترجیح دینا چاہی لیکن اُن کی کوشش بار آور نہیں ہوئی۔ خود مولانا شبلی ظہیر کی افضلیت کے قائل ہیں، لیکن انوری اور ظہیر میں کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ ظہیر کی شاعری اُس وقت شروع ہوتی ہے، جب انوری کا زمانہ ختم ہوتا ہے۔ ظہیر کے قصائد دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہیر انوری کا مقلد بھی ہے اور انوری کے جواب میں جو چند قصائد اُس نے لکھے ہیں اُن میں کوئی ترقی نہیں دکھائی ہے۔ میں بخوفِ طوالت صرف چند امثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

انوری کا ایک قصیدہ ہے ؎

صبا بہ سبزہ بیاراست باغِ دنیی را
نمونہ گشت زمین مرغزارِ عقبی را (ص ۱۴)

ظہیر نے اِسی زمین میں یہ مطلع بہم پہنچایا ہے ؎

سفر گزیدم و بشکست[1] عہد قربیٰ را
مگر بہ حیلہ بہ بنیم جمالِ سلمیٰ را

(ص ۳۷ قصائد ظہیر طبع نولکشور ۱۲۹۷ھ)

---

[1] معطوف و معطوف علیہ کی حالت میں یہ تفاوت جو "سفر گزیدم و بشکست" کی ترکیب میں بجائے "سفر گزیدم و بشکستم" دیکھا جاتا ہے ایک ایسا اسلوب ہے جو سب سے پہلے قرن ششم میں دیکھا جاتا ہے۔ انوری کے کلام میں یہ تغیر سب سے پہلی مرتبہ مشاہدہ کیا جاتا ہے چنانچہ امثال ذیل ؎

(۱)	جستم ز جا و پیش دویدم و سلام کرد	و آوردمش چو تنگ شکر تنگ در کنار	ص ۱۹۶
(۲)	القصہ باز گشتم و آمد بخانہ زود	در باز کرد و باز بہ بست از پس استوار	ص ۱۹۴
(۳)	ہمچناں کردم و این شعر ادا کردم و رفت	جاں ازاں رجعت فی الفور بر ازو اشوقاہ	ص ۳۵۹
(۴)	رفتی و با تو جہانے کہ جہاں داشت ببرد	گر جہاں را پس ازیں ناقص خوانیم سزاست	ص ۵۶
(۵)	آوردمش بجائے و نشاندم و نشست پیش	بر دست بوسہ دادم و بر روئے او گلاب	ص ۲۸

میں اُن میں انوری کے مطلع کو ہر اعتبار سے بہتر مانتا ہوں۔ لیکن اس قسم کا مقابلہ شاید بعض ناظرین کی رائے میں نامناسب ٹھرے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ دونوں اُستادوں نے جہاں ایک ہی قافیہ باندھا ہو، ان اشعار کا مقابلہ کر لیا جائے، اس نقطۂ نظر سے ذیل کے اشعار پر ناظرین ایک نظر ڈال لیں ؎

انوری	ظہیر
روائحِ کرمت باستیزہ رشۓ طبع خواص نیشکر آرد مزاجِ کسےٰ را	مزاجِ کودکی از رشۓ خاصیت بمذاق ہنوز طعم شکر می نہاد کسےٰ را
ہر چہ مفتیِ رایت قلم بدست گرفت قضا برات نویسد جوابِ فتویٰ را	بدستِ خویش قلم درکشیدہ مفتیِ عقل بیک اشارتِ رایت ہزار فتویٰ را
نسیم باد در اعجاز زندہ کردن خاک ببرد آب ہمہ معجزاتِ عیسےٰ را	سخن چہ عرض کنم بر جماعتے کہ زجہل زبانگِ خر نہ شناسند نطق عیسےٰ را
زکنہ رتبتِ تو قاصرست قوتِ عقل بلے زر و زِ خبرا نیست چشمِ اعمیٰ را	وجودِ او کہ جہاں را ز ابتدائے ظہور بجائے نورِ بصر بود چشم اعمےٰ را
وجود جود تو رائجُ فتاد اگرنہ وجود بہ نیم ناں زقضا می فروخت اجریٰ را	ہزار بار بدیوان رزق رد کردن جہاں زبہرِ نشانت برات اجریٰ را

انوری

شکوهِ مصطفویت آخر از طریقِ نفاذ
ز طاقهاش برافگند لات و عزّیٰ را

ظهیر

اگر صلابتِ او بانگ بر فلک بزند
بخالقی دهد اقرار لات و عزّیٰ را

خدائے عزّ و جل گوئی از طریقِ نفاذ
به اعتدالِ هوا داده جانِ معنیٰ را

برائے تحفهٔ نظّارگاں بیارائیم
به حُلیه هائے عبارت عروسِ معنیٰ را

ص ۱۰۷

خیزید که هنگامِ صَبوحِ دگر آمد
شب رفت و ز مشرق علمِ صُبح بر آمد

ص ۲۲۳ کلیاتِ ظهیر

صُبحِ دگر از مشرقِ اقبال بر آمد
در گلشنِ ایّام نسیمِ سحر آمد

خورشیدِ مے اندر اُفقِ جامِ نکوتر
چوں لشکرِ خورشید به آفاق بر آمد

آں وعده که تقدیر همی داد وفا شد
واں کار که ایّام همی خواست بر آمد

نامِ تو بسے تربیتِ نامِ عمر کرد
زاں رتبے که عدلِ تو چو عدلِ عمر آمد

شاهنشه ابی بکرِ محمد که جهاں را
از حضرتِ او مژدهٔ عدلِ عمر آمد

نزدیک خروس از پئے بیداریِ مستاں
دیریست که پیغامِ نسیمِ سحر آمد

شمشیرِ تو در ظُلمتِ شبهائے حوادث
چوں پرتوِ خورشید و طلوعِ سحر آمد

در امرِ تو امکانِ تغیّر نه نهفتند
گوئی که مثالے ز قضا و قدر آمد

سر بر خطِ حُکمِ تو نهد هر که یکے روز
در دائرهٔ حُکمِ قضا و قدر آمد

انوری

اوصافِ تو در نسبتِ آوازۂ ایشاں
وصفِ نفسِ عیسی و آوازِ خر آمد

ظہیر

خصمت کہ پرستندۂ سمِ خرِ عیسی ست
انداز نظر عقل چو دنبال خر آمد

انوری

بر بوک و مگر عمر گرامی مگزارید
خود محنت ما جملہ ز بوک و مگر آمد

ظہیر

آں مایہ ندانست کہ بر ہیچ نیاید
ہر کار کہ در معرضِ بوک و مگر آمد

ظہیر، انوری کی متانت اور دقتِ نظر کو نہیں پہنچ سکتا۔ زبان کی صفائی جو ظہیر کا امتیازی جوہر ہے، انوری سے مقابلہ کے وقت اس کا صریح تفوق ثابت نہیں کرتی۔ لیکن جب ہم اِن گوناگوں اور مختلف الموضوع مضامین کا خیال کرتے ہیں جو انوری نے اپنے اشعار اور نظموں میں روشناس کیئے ہیں تو ظہیر کی شکست ایک بدیہی واقعہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

ذیل کے اشعار پر بھی غور کیا جائے جو بلحاظ اتحاد ترکیب بندش دونوں استادوں کے ہاں متحد المضمون مانے جا سکتے ہیں، صرف اِس فرق کے ساتھ کہ ایک صبح کا ذکر کرتا ہے اور ایک شام کا۔ اور نگاہ انتخاب کا فیصلہ پھر انوری کے حق میں ہے ؎

انوری

چوں وقتِ صبح چشمِ جہاں سیر شد ز خواب
بگسستہ شد ز خیمۂ مشکینِ شب طناب
بنمود روئے صورتِ صبح از کنارِ شب
چوں جوئے سیم بر طرفِ نیلگوں سراب
ص ۲۷

ظہیر

چوں بر زمیں طلیعۂ شب گشت آشکار
آفاق ساخت کسوتِ عباسیاں شعار
پیدا شد از کرانۂ میدان آسماں
شکلِ ہلال چوں سرِ چوگانِ شہریار
ص ۱۵

انوری کی شاعری میں گوناگوں واقعات اور معاملات پر بحث کی گئی ہے، اس کی تشبیب میں مختلف النوع

موضوع پر قلم اُٹھایا گیا ہے، بہار و باغ، گل و ریاحین کے علاوہ جو ہر ایرانی شاعر کا ایک مقبول مضمون ہے انوری کے ہاں کہیں ذکر معشوق ہے، اُس کے فراق کا بیان ہے یا آمد کا ذکر اور مکالمہ ہے، کہیں صبح کا نقشہ کھینچا گیا ہے، کہیں شام کا منظر دکھایا گیا ہے۔ کبھی سرگرم سفر ہے، دشت و بیابان کوہ و صحرا کے مناظر پیش کرتا ہے، کہیں شب عید کے نظارے ہیں اور عیدگاہ پہنچنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں، کہیں فلکیات کے ذکر میں مصروف ہے، بروج اور سبعہ سیارہ پر قلم اٹھاتا ہے، اور ہر ستارہ کا جدا جدا حلیہ لکھ رہا ہے۔ یہ موضوع اُس کے ہاں بہت پسندیدہ ہے۔ کہیں زمانہ کی ناقدری، علم و ہنر کی کساد بازاری کا دکھڑا بیان ہوتا ہے، تقدیر اور آسمان کی بوالعجبیاں دکھائی گئی ہیں، صحن بستان و غدیر، قصر و ایوان اُن کی نقاشی اور مختلف منظروں شکارگاہوں، اور رزم گاہوں کا خاکہ اُتارتا ہے۔

صبح کا وقت ہے، صبوحی کی تلاش ہے، اور شراب سے لو لگ رہی ہے، نخّاس میں ایک ہندی کنیز دکھی جاتی ہے، شاعر اس پر عاشق ہو جاتا ہے، بات چیت کا موقع بھی مل جاتا ہے، عشق جتایا جاتا ہے، وہ مسکراتی ہے اور کہتی ہے، تمھارے کیسہ میں روپیہ بھی ہے، روپیہ سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ آسمان تک کے ستارے توڑے جا سکتے ہیں۔ یہ جواب دیتے ہیں ع چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں

وہ کہتی ہے تو میرا کہا مانو اور میرے خیال سے درگزرو، یہ سن کر آپ بیتاب ہو جاتے ہیں اور گریہ و بکا شروع کر دیتے ہیں، وہ رحم کھاتی ہے اور جلال الوزرا کے پاس جانے، قصیدہ سنانے اور روپیہ حاصل کرنے کا مشورہ دیتی ہے۔ یہ اس رائے کو پسند تو کرتے ہیں لیکن کہتے ہیں، میں جلال الوزرا کے سامنے جانے کی جرأت نہیں کر سکتا، کنیز یہ بزدلی دیکھ کر ناراض ہوتی ہے اور لاحول پڑھتی ہوئی چلی جاتی ہے۔

حضرت اپنی بے زری پر تاسّف کرتے ہوئے گھر آتے ہیں، اندر کی طرف سے دروازہ کی دونوں زنجیریں چڑھالی جاتی ہیں۔ کمرہ میں اطمینان سے بیٹھ جاتے ہیں، دروازہ کی طرف پیٹھ کر لی جاتی ہے اور دیوار کی طرف منھ، اور کہتے ہیں کہ آج تمام رات مجھے اپنی بے زری پر رونا چاہیئے۔ آنسوؤں کا ایسا دریا بہا یا جائے جس میں سفینۂ نوح تک غرق ہو جائے، نالے ایسے شرربار ہوں کہ فلک پر جاکر انجم رخشاں کی طرح چمکیں۔

قصۂ مختصر حضرت سرگرمی کے ساتھ اس معرکہ خیز کام میں مصروف ہو جاتے ہیں، اتنے میں سپیدۂ سحری چمکتا ہے اور سیمرغِ سحر جو ٔے شیر میں اپنی چونچ ڈال دیتا ہے، آپ کی آنکھ لگ جاتی ہے، خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ خود بدولت جلال الوزرا کے دربار میں کھڑے ہیں، وہ مسندِ زرتار پر بیٹھا ہے اور اُن سے دریافت کرتا ہے کہ حضرت خیر ہے آپ آج کس فکر میں ہو تیمار کی طرح خاموش ہیں، حضرت جرأت کرکے پیش قدمی کرتے ہیں اور کنیز کے ساتھ اپنے عشق اور بیتابی کا سارا ماجرا سنا دیتے ہیں، جلال الوزرا اسی وقت اپنے آدمی کو حکم دیتا ہے کہ جاؤ کنیز کو خرید لاؤ، اور لاکر ان کے حوالہ کردو، آدمی جاتا ہے، کنیز کو خرید لاتا ہے، اور ان کے حوالہ کر دیتا ہے۔

عین اس موقع پر ان کی آنکھ کھل جاتی ہے، کیا دیکھتے ہیں کہ نہ جلال الوزرا کا دربار ہے، اور نہ وہ کنیز ہے آپ تنہا پڑے ہیں۔ خواب کی تعبیر کے لئے معبر کے پاس جاتے ہیں، وہ تعبیر بیان کرتا ہے، اور اُجرت میں ان کی پگڑی پر قبضہ کر لیتا ہے۔

اِس تشبیب میں انوری نے ظریفانہ پیرایہ اختیار کیا ہے، اور شروع سے آخر تک اُس کو خوب نباہا ہے۔ یہی کیفیت ذیل کی تشبیب میں مشاہدہ کی جاتی ہے۔

عید کی صبح ہے، آپ چند دوستوں کے ساتھ عید دیکھنے کی غرض سے صحرا کا رُخ کرتے ہیں، چونکہ سواری کا شوق ہے اس لئے زیر ران ایک گھوڑا بھی ہے، لیکن کمزور دُبلا اور مریل۔ قدم قدم پر گرتا ہے، اس کے ساتھ یہ بھی گرتے ہیں، اور اُٹھ کر اُسے اُٹھاتے ہیں اور پھر سوار ہوتے ہیں، مختصر یہ کہ کبھی یہ اُسے اُٹھاتے ہیں اور کبھی وہ انھیں اُٹھاتا ہے۔ اور اس طرح راستہ طے ہو رہا ہے، یار لوگ چھیڑنا شروع کرتے ہیں، ایک کہتا ہے میاں ذرا رکابیں ڈھیلی کرلو تمھاری ٹانگیں لمبی ہیں، دوسرا کہتا ہے ذرا ایڑ تو لگاؤ، دیکھیں تمھارے گھوڑے کی رفتار کیسی ہے، یہ چپ ہیں، شرمندہ بھی ہیں اور پریشان بھی، کبھی ادھر دیکھتے ہیں، کبھی اُدھر جھانکتے ہیں کہ دیکھیں یہ کیا پھبتی سناتا ہے، اور وہ کیا آوازہ کستا ہے۔

اتنے میں ملازم دوڑا ہوا آتا ہے، یہ پوچھتے ہیں، بھئی گھر میں خیریت تو ہے، وہ کہتا ہے، کیسی خیریت، تم تو گھوڑا اُڑائے عیدگاہ جا رہے ہو اور اس طرف اصلی عید (معشوق) گھر پر آئی ہے۔ یہ سنتے ہی ان پر ایک گھبراہٹ سی طاری ہو جاتی ہے، اُس سے کہتے ہیں، لا، گھر کی کنجیاں تو مجھے دے میں جاتا ہوں، اور تو اس مردار پر سوار

ہو جا اور آہستہ آہستہ گھر لے آ۔

قصائد میں بالخصوص اوصاف نگاری میں اس کی طرز زیادہ تر دقیق اور مشکل ہے میں چند اشعار جو نہ زیادہ مشکل ہیں اور نہ آسان، اس کی ایک تشبیب سے نقل کرتا ہوں ؎

اے تُرک! مے بیار کہ عید ست و بہمن ست — ہنگام بادہ خوردن و شادی بر زن ست

ایام خز و خرگہ گرم ست ازیں سبب — خرگاہ آسمان ہمہ در خز ادکن ست

خالی مدار خرمن آتش ز دود عود — تا در چمن زبیضۂ کافور خرمن ست

آں عہد نیست ایں کہ ز الوانِ گل چمن — گوئی کہ کارگاہِ حریر ملوّن ست

سلطان دے بہ لشکرِ صرصر جہاں بکند — بینی کہ جو رِ صرصرِ دے چوں جہاں کن ست

در خفیہ گر نہ عزم خروج ست باغ را — چوں آب گیر ہا ہمہ پر تیغ و جوشن ست

نفس نباتی ار بہ غزب خانہ باز شد — عیش مکن کہ مادرِ بستاں سترون ست

بادِ صبا کہ فحل بنات نبات بود — مردم گیاہ شد کہ نہ مرد ست و نہ زن ست

از جوش نشو، دیگ نبات تا فرو نشست — از دود تیرہ بر سرِ گیتی بہمن ست

انوری اس روشِ خاص کے لیے مشہور ہے، ان حالتوں میں وہ اکثر سنجیدہ اور متین نظر آتا ہے اور اسی عالم میں اس کی جدّت طرازی کا اصلی جوہر نمایاں ہوتا ہے۔ میں ایک تشبیب سے اور مثال دیتا ہوں ؎

جرم خورشید چو از حوت در آید بحمل — اشہب روز کند ادہم شب را ارجل

کوہ را از مدد سایۂ ابر و نم شب — پر ظرائف شود اطراف چہ ہامون چہ تل

ساعد و ساق عروسان چمن را بینی — ہمہ بربستہ حلی و ہمہ پوشیدہ حُلل

پیش پیکانِ گل و خنجرِ برق از پئے آنک — تا نہ سازند کمین و نسگالند جدل

بر محیط فلک از ہالہ سپر سازد ماہ — بر بسیط کرہ از خوید زرہ پوشد طل

در پئے آں کہ مزاجش نہ کند فاسد خوں — سُرخ بید از ہمہ اعضا بگشاید اکحل

باد با آب شمر آں کند اندر بستاں — کہ کند با رُخ آئینہ بسوہاں صیقل

ہر کہ را فصلِ دے از شغل نما غلے داد | شحنۂ نفس نباتیش در آرد بعمل
مرغزارے شود اکنوں فلکِ ابر درد | راست چونانکہ تو گوئی ہمہ ناقہ است و جمل
میلِ اطفالِ نبات از جہت قوت و قوت | کرن یک روے بہ اعلیٰ و دگر در اسفل

لیکن جوش و ہیجان، صدمہ اور ارتعاش کی کیفیت میں اس کی روش ملائم، سریع، اور سہل ہو جاتی ہے۔ کسی وزیر کی وفات کے موقع پر دیکھا جاتا ہے کہ شاعر فرط غم میں تکلّف اور تصنع کے پردوں کو یک قلم اُٹھا دیتا ہے، اور ایک سادہ مگر شیریں طرز اختیار کرتا ہے۔ خیالات وہی ہیں جو قدرتی طور پر انسان کے دل میں موجیں مارتے ہیں، جذبات کا ارتعاش اور کیفیت قلب کا اضطراب جو بالکل حقیقی ہے، ہر شعر سے ظاہر ہے۔ تمہید کے چند اشعار پر قناعت کی جاتی ہے ؎

شہر پُر فتنہ و پر مشغلہ و پر غوغاست | سید و صدر جہاں بار نہ داد ست، کجاست
دیر شد دیر کہ خورشید فلک روے نمود | چیست امروز کہ خورشید جہاں ناپیداست
بارگاہش ز بزرگان و ز اعیاں پر شد | او نہ بر عادت خود روے نہاں کردہ چراست
دوش گفتند کہ رنجور ترک بود آرے | بار ناداد نش امروز بر آں قول گواست
پردہ دارا تو یکے در شو و احوال ببیں | تا چگونہ است بہش ہست کہ دلہا در واست
ور ترا بار بود خدمت ما ہم برساں | مردمی کن بکن ایں کار کہ ایں کار شماست
ور توانی کہ رہِ بار دہی بہ باشد | تا در آئیم و سلامے بکنیم ار تنہاست
ور چنانست کہ حالیست نہ بر وفق مراد | خود مگو برگ نیوشیدن ایں حال کراست
کہ تواند کہ بہ اندیشہ بر آرد ز جہاں | کز جہاں آں کہ جہاں صد یک از ان بود جداست
واں کہ برخاست از و رسم بدی تا بنشست | دامنِ عمر بیفشاند و بیک رہ برخاست
آفریدہ چہ کند گر نہ کشد بارِ قضا | کافرینش ہمہ در سلسلۂ بند قضاست
اجل از بارِ خدائے اجل اندر نہ گزشت | گر تو گوئی کہ زمن در گزر داین سوداست

ص ۵۵

اسی طرح جب بحث و استدلال کی کیفیت اس پر طاری ہوتی ہے، وہ اسی سادہ روش سے کام لیتا ہے۔

ذیل میں تقدیر ایزدی کی ہمہ گیری اور انسانی مجبوری کے مسئلہ پر گرمِ سخن ہیں ؎

اگر محوّلِ حالِ جہانیاں نہ قضاست   چرا مجاریِ احوال برخلافِ رضاست

بلے قضاست بہر نیک و بد عناں کشِ خلق   بداں دلیل کہ تدبیر ہائے جملہ خطاست

ہزار نقش برآرد زمانہ و نہ بود   یکے چناں کہ در آئینۂ تصوّرِ ماست

کسے ز چون و چرا دم ہمی تواند زد   کہ نقشبندِ حوادث ورائے چون و چراست

بدستِ ما چو ازیں حل و عقد چیزے نیست   بعیشِ ناخوش و خوش گر رضا دہیم سزاست   ص ۳۸

آیندہ ابیات میں آفتاب غروب ہونے، رات آنے اور ستارے نکلنے کا ذکر ہے، اور خلاف معمول تشبیہات سے زیادہ کام لیا گیا ہے ؎

نماز شام ز صحنِ فلک نمود مرا   عروس چرخ کہ بنہفت روئے در چادر

بداں صفت کہ شود غرق کشتیِ زریں   بطرفِ دریا چو بگسستہ شد ازو لنگر

بگردِ گنبدِ خضرا چناں نمود شفق   کہ گرد خیمۂ مینا کشیدہ شعشعۂ زر

ستارگاں ہمہ چوں لعبتانِ سیم اندام   بسوگ مہر برافگندہ نیلگوں معجر

بناتِ نعش ہمی گشت گرد قطب چناں   کہ گرد حقّۂ پیروزہ گوہریں زیور

بداں مثال ہمی تافت راہِ کاہ کشاں   کہ بر بنفشہ ستاں برکشیدہ صفِ عبہر

ز تیغ کوہ بتابید نیم شب پرویں   چناں کہ در قدح لاجورد ہفت درر

سپہر گفتی نقاشِ نقشِ مانی گشت   کہ ہر زماں بنگارد ہزار گونہ صور

ز برجِ جدی بتابید پیکر کیواں   بشکل شمع فروزندہ در میانِ شمر

ہمی نمود درخشندہ مشتری در حوت   چناں کہ دیدۂ خوباں ز عنبریں معجر

ز طرفِ میزاں می تافت صورتِ مرّیخ   بداں صفت کہ مے لعل رنگ در ساغر

چناں کہ عاشق و معشوق در نقاب کماں   بتافت تیر درخشاں و زہرۂ ازہر

برسم لعبت بازاں سپہر آئینہ رنگ   زماں زماں بنمودے عجائبِ دیگر   ص ۱۸۱

سفر کے محاسن ؎

سفر مربی مرد ست و آستانۂ جاہ	سفر خزانۂ مالست و اوستادِ ہنر
دراں زمیں کہ تو در چشم خلق خوار شوی	سبک سفر کن ازاں جا برو بجائے دگر
درخت اگر متحرک شدے ز جائے بجائے	نہ جور ارہ کشیدے و نے جفائے تبر
بشہر خویش دروں بے خطر بود مردم	بکانِ خویش دروں بے بہا بود گوہر
بجرم خاک و فلک بر نگاہ باید کرد	کہ ایں کجاست ز آرام و آں کجا ز سفر ص ۲۱۴

دوستوں کی جدائی ؎

بدامنِ مژہ رفتن ز طرف خارے خس	بہ پلکِ چشم ستردن ز روئے خارا خار
ہزار لقمہ بدنداں بودن از دم شیر	ہزار عقدہ بدنداں کشودن از سر مار
بقعر چاہ فتادن ز آسمانِ بلند	بفرق بر شدن از دشت جانبِ کہسار
ازیں مخاطرہ گر صد ہزار آید پیش	بہ از جدائی یاراں ہزار بار ہزار ص ۲۲۳

غزل

انوری کے ہاں تغزل کا ذخیرہ سنائی سے بہتر حالت میں پایا جاتا ہے اگرچہ موخر الذکر کے ہاں تصوف کی چاشنی نے بعض حالات میں غزل کو زیادہ بامزہ بنا دیا ہے، انوری کے ہاں عشق محض ہے جس میں سوز و گداز کی تاثیر غالب ہے، اور ہم یہ جانتے ہیں کہ ایرانی ذہنیات کے نزدیک عشق کا اصلی سرمایہ سوز و گداز ہے، خمریات اور رندی کے مضامین صرف چند غزلوں میں نمودار ہیں۔ وہ تصوّف کے کوچہ سے قطعاً نابلد ہے۔ اس میں شک نہیں کہ غزل کے نہال کو سعدی پروان چڑھاتے ہیں لیکن ان سے پیشتر سنائی، انوری، خاقانی، عطار اور مولانا روم کی کوششوں نے اس کی آبیاری میں بڑا کام کیا ہے۔

میں انوری کی غزلوں کے بعض نمونے صرف تاریخی دلچسپی کی خاطر دیتا ہوں، کیونکہ عرصہ ہوا ہم اس پایہ کے مذاق کو خیرباد کہہ چکے ہیں ؎

گر جان و دل بدست غم تو نہ دادمے — پائے نشاط بر سر کیواں نہادمے
گر بیم زلف پُر خمِ تو نیستی مرا — من کار ہائے بستۂ خود بکشادمے
در بر سرم نوشتہ نبودے قضائے تو — شہرے پُر از زباں بتو چوں اوفتادمے
گر بے تو خواست بود مرا عمر کاشکے — ہرگز نہ بودمے و ز مادر نہ زادمے

ص ۵۳۸

بداں عزمم کہ دیگر رہ بہ بت خانہ کمر بندم — دل اندر وصل و ہجرانِ بتے بیداد گر بندم
بر بندی سر برافرازم بہ بادہ رُخ برافروزم — رہِ میخانہ برگیرم درِ طامات بر بندم
گرم یارِ خراباتی بکیش خویش بفریبد — بزنارش کہ در ساعت چوا و زنّار بر بندم

ص ۴۹۶

تا رختِ دل اندر خم زلفِ تو نہادیم — بر رخ ز غمِ عشق تو خونابہ کشادیم
در آرزوئے روئے تو از دست برفتیم — و اندر طلبِ وصلِ تو از پائے فتادیم
تو سر بخداوندیِ ما نیز فرو آر — در بندگی رخئے تو چوں داد بدادیم
تا بستۂ بندِ اجلِ خویش نہ گردیم — از بندِ غمِ عشقِ تو آزاد مبادیم
نے نے بہ اجل ہم نرہیم از غمِ عشقت — با عشقِ تو میریم کہ با عشقِ تو زادیم

ص ۴۹۲

بازدوش آں صنم عشوہ فروش — شہرے از ولولہ آوردہ بجوش
صُبح دم بود کہ می شد بوثاق — چوں پراندوش نہ بیہُش نہ بہوش
دست برکردہ بشوخی از جیب — چادر افگندہ ز شنگی بر دوش
لالہ از تابش مے پرویں پاش — زہرہ از بادِ سحر سنبل پوش
دامن از خواب کشاں در نرگس — دام دلہا زدہ از مرزنگوش
پیش کارش قدحے بادہ بدست — او یکے چنگ خوش اندر آغوش

اے بسا شربت خوں کز غمِ او | دوش گشتست برآوازش نوش
روستائی بچۂ شہر بسوخت | کس دریں فتنہ نہ باشد خاموش ص ۴۸۳

مست از درم درآمد دوش آں مہ تمام | در بر گرفتہ چنگ و بکف برنہادہ جام
گوئی کہ لعلِ ناب و عقیق گداختہ است | در جام او ز عکس رخ او شراب جام
بہ نشست بر کنار من و بادہ نوش کرد | آں ماہ سرو قامت و آں سرکش خرام
با چنگ در کنار بد اندر کنارِ من | مخمور تا بصبح سپید از نماز شام
در گوشۂ کہ کس نہ بُد آگہ ز حالِ ما | زاں عشرتِ بغایت و زاں مستیِ تمام
نے مطرب و نہ ساقی و نے یار و نے حریف | او بود، انوری و مئے لعل و السّلام ص ۵۰۶

شعراغزل کے مقطع میں بالعموم اپنا تخلص لایا کرتے ہیں، یہ طریقہ سنائی اور انوری کے دور سے شروع ہوتا ہے۔

بدیہہ گوئی اور بذلہ سنجی

انوری کی شہرت کا دارومدار زیادہ تر اس کی بدیہہ گوئی کے راز میں مضمر ہے، اس پر اگر اس کی لطیفہ خوانی اور بذلہ سنجی جس کے لئے اس کی موزوں طبیعت ہر وقت حاضر اور آمادہ تھی، اضافہ کی جائے تو اس کی غیر معمولی شخصیت کا جو علوم کے اضافی جواہرات سے آفتاب نصف النہار کی طرح ضیا ریز تھی کسی قدر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

یورپ میں، موجودہ زمانہ میں scrap books کا رواج ہے، جنھیں سفینہ یا بیاض کے نام سے پکارا جا سکتا ہے۔ شائقین اپنے احباب اور ملنے والوں سے کوئی نظم یا لطیفہ بطور یادگار اس میں لکھواتے ہیں۔ خواتین میں یہ شوق زیادہ ہوتا ہے، وہ ہر واقف ناواقف سے فرمائش کرتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انوری کے عہد میں بھی یہ دستور کسی حد تک جاری تھا۔ ایک دن وہ خواجہ فخری سے ملنے جاتا ہے، خواجہ اپنا سفینہ دے کر

اس سے نظم کی فرمایش کرتا ہے، انوری وہیں بیٹھا بیٹھا بیس ابیات کا ایک قطعہ لکھ دیتا ہے۔ میں یہاں بخوف طوالت قطعہ کے پہلے شعر اور آخری دو بیتوں پر قناعت کرتا ہوں ؎

اے برادر گر مزاج از فضلہ بیروں آمدے — آدمی پس یا ملک یا دیو بودے یا پری

خواجہ فخری اے مشامت بوے حکمت یافتہ — گر حکیمی زیں معانی زنگ ہاں تا ناوری

آں چہ حالے در خیال آمد ہمیں ابیات بود — کاندریں محضر بخط خویش بنوشت انوری ص ۵۱۷

یورپ میں کسی سے ملنے جاتے ہیں تو اطلاع کی غرض سے کارڈ بھیجدیا جاتا ہے۔ انوری ایسے موقعوں پر اشعار سے کام لیتا تھا۔ میں ایک آدھ مثال یہاں درج کرتا ہوں ؎

اے خداوندے کہ از ایام اگر خواہی بیابی — جز نظیر خویش دیگر ہر چہ از خاطر برآید

کمترین بندگانت انوری بر در ستادہ — چوں حوادث باز گردد یا چو اقبال اندر آید ص ۶۷۶

اے خاک درت سرمہ شدہ چشم دلی را — از بس کہ کف پائے تو بر خاک در آید

بر درگہ تو بندہ ستادہ است بخدمت — دستوری تو چیست رود یا کہ در آید ص ۶۶۱

اس کی لطیفہ خوانی کی بعض مثالیں اس سے قبل دی جاچکی ہیں یہاں چند اور اضافہ کی جاتی ہیں۔

کمال الزماں، سنجر کے عہد کا نہایت مشہور مغنی ہے۔ انوری نئے ڈھنگ سے اس کا مرثیہ لکھتا ہے ؎

ہرگز گماں مبر کہ کمال الزماں بمرد — کو روح محض بود بجسم فنا پذیر

میداں کہ ساکنانِ فلک سیر گشتہ اند — از مطربی زہرہ بریں چرخ گندہ پیر

خواہش گری بنزد کمال الزماں شدند — کو بود در زمانہ دریں علم بے نظیر

گفتند زہرہ را ز فلک دور کردہ ایم — اے رشک جانِ زہرہ بیا جائے او بگیر ص ۶۸۰

ممالک اسلام میں محتسب کا فرض ہوتا ہے کہ عوام میں ظاہری بد اخلاقی اور کھلم کھلا بے حیائی کے جرائم

کا انسداد کرے۔ اس قسم کے قانون شکنوں کو بغرض عبرت کسی چوک یا بازار میں سزا دی جاتی تھی۔ شعرا کے طبقہ میں محتسب ہمیشہ غیر ہر دل عزیز رہا ہے اور وجہ ظاہر ہے کہ شعرا مذہب سے آزاد ہوتے ہیں اور محتسب مذہب کا حامی۔

انوری بازار میں ایک حسین عورت کو دیکھتا ہے، جس کو محتسب کسی جرم کی پاداش میں سزا دے رہا تھا۔ یہ واقعہ ذیل کے قطعہ میں منظوم ہوتا ہے ؎

دے محتسبے براہ دیدم	در دست گرفتہ چوب بارزن
مہ روز نکے گرفتہ مے زد	نظّارہ بروز بام و برزن
پرسیدم ازآں میاں یکے را	ق ۔ کاں چوب چرا زند براں زن
گفتا زنکے ست روسپی تن	ویں محتسبے ست روسپی زن ص ۷۱۹

پنج ارکان اسلام اور مسئلہ ابتہاج ؎

یکے پنج وسی و ز بیست نیمے	و گر قدرت بود فرسنگکے چند
چو زیں بگزشت ما و مطرب و مے	گنہ از بندہ و عفو از خداوند ص ۶۶۹

تقاضائے صلہ ؎

شعرے بسان دیبۂ زربفت یافتم	وآں گہ بسوئے صدر مجیری شتافتم
گر پرسدم کسے کہ زجودش چہ یافتی	اے آفتاب خواجہ چہ گویم چہ یافتم ص ۷۰۶

صلہ نہ ملنے پر گلہ ؎

شعرِ تر و خوب بندہ گوید	انعام نصیب غیر باشد
این رسمِ نو آمدہ است امسال	انشاء اللہ کہ خیر باشد

حسنِ طلب ؎

شد مدّتے کہ عہد زمیں بوس تازہ کرد	در خدمتِ مبارکِ میمونت انوری
واکنوں بر آستانۂ میمونت روز و شب	کش آستانہ باد پرا زماہ و مشتری

از لطفِ شاملِ تو طمع دارد ایں قدر — کاخر چہ می کنی و کجائی، چہ می خوری ص۳۹؎

شراب یا سرکہ؎

بزرگوارا دانی کزآفتِ نقرس — زہر چہ ترشی منِ بندہ می بپرہیزم
شراب خواستم و سرکۂ کہن دادی — کہ گر خورم بقیامت مصوص برخیزم
شراب دارِ تو آخر کجاست تا قدحے — بگوش و بینیِ آں قلتباں فرو ریزم ص۶۹۸؎

ایک خشک جواب؎

مرا پیام فرستی کہ من بہ پرسشِ تو — چو چشم دارم بر من سلام چوں نہ کنی
کشند پائے بدامن درون بلے شعرا — چو دستِ بخشش از آستیں بروں نہ کنی

اخلاقیات

اخلاقی تعلیم کا ذخیرہ اس میں شک نہیں، انوری کے ہاں کم ہے، لیکن جو کچھ ہے اُس پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دائرہ میں بھی اس نے زبردست شخصیت کی مُہر لگا دی ہے، اور نئی روح پھونکنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا درس جو مذہبیت کے اثرات سے معریٰ ہے اور نہ دوسرے شعرا کی طرح قومی یا ملکی رسوم و قیود کی روایات کا پابجولاں ہے، صرف انسانی آزادی، حرمت نفس اور خود داری کا نصب العین پیش کرتا ہے۔

انوری اس دبستانِ فکر کا موسس ہے جسے ابن یمین نے اپنی نظموں میں بہت کچھ نشوو نما اور ترقی دی ہے، لیکن جس کو ہماری مشرقی آب وہوا نے کبھی فروغ اور اشاعت کا موقع نہیں دیا۔ ابن یمین اس میں شک نہیں، اس موضوع کی نشر و اشاعت میں ایک بڑی حد تک انوری کا مرہون منت ہے۔

انوری کہتا ہے کہ انسان کا اصلی لباس آزادی ہے، لیکن اُمید وبیم نے خلق کو خلق کا مسخر اور مقید کر دیا ہے۔ اپنے جیسے انسان کے پاس اُمید لے کر جانا اپنی عزتِ نفس کو خوار کرنا ہے، یاد رکھو احسان اُٹھانا کانٹش روح ہے۔ عذاب برداشت کرنا یا جہنم میں پھینک دیا جانا سوال کی ذلت اُٹھانے اور کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے

سے ہزار بار قابل ترجیح ہے۔

اپنی آنکھوں کے خون میں روٹی ڈبو کر کھانا دوسرے کے گھر سے سرکہ مانگ کر کھانے سے بہتر ہے۔ آدمی کو چاہیئے، دوسرے کا متوسل اور دست نگر نہ ہو، جو شخص کسی کا دست نگر نہیں وہی آدمی ہے ورنہ کس اور خس میں کچھ فرق نہیں۔ تم میں اگر دینے کی طاقت نہیں تو کچھ پروا نہیں لیکن کوشش کرو کہ نہ لینے کی طاقت برقرار رہے دوسرے کا احسان اُٹھا کر اگر تم مالدار بھی ہوگئے تو کیا اس سے تمھیں روحانی نقصان نہیں پہنچیگا۔

آئینِ حکومت ہر قوم کا ذہنی و عقلی نصب العین رہا ہے اور ہر قوم نے اپنے اپنے ذہنیات کے مطابق اس کی حرمت اور تائید میں آرا کا اظہار کیا ہے، لیکن انوری نے انسانی آزادی اور استغنا کے اُصول کو اس کی انتہائی مدارج تک پہنچاتے ہوئے اس آئین کو گدائی کے اقسام میں شامل کیا ہے۔ وہ گویا ہے کہ " بادشاہی کیا ہے؟ گدائی ہے، بادشاہ ہر شخص کا محتاج ہے۔ اس کا سامانِ سلطنت، کیا تمھیں معلوم نہیں، کہاں سے آیا ہے؟ سنو! اُس کے گلے کے موتی ہمارے بچوں کے آنسو ہیں اور لعل و یاقوت ہمارے یتامیٰ کا خون ہے، وہ ہمارا پانی پیتا ہے اور ہماری روٹی کھاتا ہے، عشر اور خراج کیا ہے؟ گدائی ہے! کیا ایک چیز کے دس نام نہیں ہوتے مختصر یہ کہ ہر قسم کی ضرورت گدائی ہے اور مانگنے والا عام اس سے کہ حضرت سلیمانؑ ہوں یا قارون، فقیر ہے۔

کسی کو دینا بے شک طرقِ احسان ہے، لیکن نہ لینا اس سے بھی بڑا احسان ہے، اور مشکل بھی ہے۔ دینے میں جس قدر مروّت ہے نہ لینے میں ہزار درجہ زیادہ مروت ہے۔ خدا پر بھروسہ رکھو اور کسبِ حلال سے روزی پیدا کرو، جاہل صوفیوں کی طرح روزینہ دار نہ بنو۔

آدمی کو بے نیاز اور آزاد بنانے کے لیئے انوری کی یہ تلقین ہے، اور اُس کا آخری قول ہے

آزادگی ست حلۂ مردان و انوری

آں دست گاہ کو کہ من آزاد مردمے

ص ۴۱۱

اور معاملات میں کہتا ہے کہ صبر و شکر ایسی نعمتیں ہیں جو سلاطین کو بھی نصیب نہیں۔ جب ہمیں اسقدر مل رہا ہے، جو ہماری ضروریات کو اکتفا کرتا ہے تو اس پر قانع رہنا چاہیئے، قناعت بہترین کیمیا ہے۔ تمھارے

پاس اوصاف اضافی مثلاً دولت و مال نہوں تو کوئی مضائقہ نہیں، کوشش کرو کہ تمھارے طبعی اوصاف یعنی اخلاق درست ہوں۔ تمھارا سلوک بنی نوع کے ساتھ ایسا ہو کہ وقت پر سب تمھارے رنج کو اپنا رنج سمجھیں۔ دو باتوں میں سے ہمیں ایک کام کرنا چاہیئے یا دوسروں کو فائدہ پہنچائیں یا اُن سے فائدہ اُٹھائیں۔

لیکن اب وقت آگیا ہو کہ میں اس کی اخلاقی شاعری کا نمونہ ناظرین کے سامنے پیش کردوں۔

صفائی اخلاق ؎

صفۂ را نقش می بستند استادانِ چین — بشنو این معنے اگر این خوشتر حدیثی بشنوی
اوستادے نیمۂ را کرد ہمچوں آئینہ — اوستادے نیمۂ را کرد نقشِ مانوی
اے برادر خویشتن را صفۂ داں ہمچناں — ہم بہ سقفِ نیک عالی ہم بہ بنیادِ قوی
بارے ار آں نیمۂ پر نقش نہ توانی شدن — جہد آں کن تا مگر آں نیمۂ دیگر شوی

ص ۵۴۷

شاہی و گدائی ؎

آں شنیدستی کہ روزے زیرکے با ابلہی — گفت کیں والی شہر ما گدائے بیحیاست
گفت چوں باشد گدا آں کز کلاہش تکمۂ — صد چو ما را روزہا بل سالہا برگ و نواست
گفت اے ناداں غلط اینک از ینجا کردۂ — آں ہمہ برگ و نوا دانی کہ آنہا از کجاست؟
دُرّ و مروارید طوقش اشکِ اطفالِ منست — لعل و یاقوتِ ستامش خون ایتام شماست
آں کہ تا آب سبو پیوستہ از ما خواستہ است — گر بجوئی تا بمغز استخوانش نانِ ماست
خواستن گدیہ است خواہی عشر خواں خواہی خراج — زاں کہ گر دہ نام باشد یک حقیقت را رواست
چوں گدائی چیز دیگر نیست جز خواہندگی — ہر کہ خواہد گر سلیمان ست و گر قاروں گداست

ص ۶۲۳

رنج و راحت کی بے ثباتی ؎

در حدودِ رَے یکے دیوانہ بود — روز و شب گردے بسوئے دشت گشت
در تموز و در بہار و در خزاں — سوئے بازار آمدے از سوئے دشت
گفتے اے آنانکہ عیش آمادہ اید — ہر زمانے زیر این زرّینہ طشت

قاقم و سنجاب در سرما چہ چار
توزی و کتاں بگرما ہفت و ہشت

گر شما را با نوائی بد چہ شد
در چہ ما را بے نوائی بد چہ گشت

راحت و ہستی و رنج و نیستی
بر شما بگزشت و بر ما ہم گزشت
ص ۶۰۳

حُسنِ معاشرت سے

در جہاں با مردمان ای کہ چوں پا بد گزاشت
آں قدر عمرے کہ باید مردم آزاد مرد

کاتینہا در غم او تر کنند از آبِ گرم
فی المثل گر بگزرد بر دامنِ او باد سرد

سوال و طمع کی ذلّت سے

بودن اندر عذاب چوں جرجیس
یا شدن در جحیم چوں ابلیس

بہتر ست از سوال کردن و طمع
وا ایستادن بہ پیش مردِ خسیس
ص ۶۸۵

قناعت سب سے بہتر کیمیا ہے

کیمیائے ترا کنم تعلیم
کہ در اکسیر در صناعت نیست

رو قناعت گزیں کہ در عالم
کیمیائے با ز قناعت نیست

منّت پذیری کے خلاف تلقین سے

آلودۂ منّتِ کساں کم شو
تا یکشبہ در وثاق تو ناں ست

اے نفس برستۂ قناعت شو
کانجا ہمہ چیز نیک ارزاں ست

تا بتوانی حذر کن از منت
کیں منتِ خلق کاہشِ جاں ست

زیں سود چہ سود اگر شود اکنوں
در مایۂ نفس عین نقصاں ست

در عالم تن چہ میکنی ہستی
چوں مرجع تو بعالم جاں ست

چنداں کہ مروت ست در دادن
در ناستدن ہزار چنداں ست
ص ۶۲۴

وقت کی قدر سے

روز را رائگاں ز دست مدہ
نیست امکانِ آنکہ باز رسد
ص ۶۲۳

راحت میں شکر نہ کرنا اور تکلیف میں شکایت کرنا انصاف پسندی نہیں ؎

روزے کہ فلک جبۂ درویش گرفتے ۔۔۔ از فضلۂ زنبور برد دستمے جیب
اکنوں ہمہ شب منتظرم تا بفروزند ۔۔۔ شمعے کہ بہر خانہ چراغے ہند از غیب
آں روز فلک را چو دراں شکر نہ گفتم ۔۔۔ امروز دریں زشت بود گر کنمش عیب ص ۵۸۹

یعنی پہلے میں اس قدر مالدار تھا کہ جب دھوپ نہ ہوتی اور آفتاب غائب رہتا تو مومی شمعیں جلا لیتا اب اس قدر غریب ہوں کہ گھر میں روشنی کے لیے چاند کا منتظر رہتا ہوں۔

خدا پر بھروسہ ؎

خدائے کار چو بر بندۂ فرو گیرد ۔۔۔ ہر چہ دست زند رنج دل بیفزاید
وگر بطمع شود زود نزد ہیچ خودے ۔۔۔ ز ہر چیزے خوار و نژند باز آید
چو اعتقاد کند کز کسش نیاید خیر ۔۔۔ خدائے قدرت والائے خویش بنماید
بدست بندہ زحل وز عقد چیزے نیست ۔۔۔ خدائے بندد کار و خدائے بکشاید ص ۶۴۴

کوئی واقعہ بیان کر کے اس کی استدلالی قوت کے اعتماد پر اخلاقی نتیجہ ترتیب دینا معلمین اخلاق کا پرانا دستور رہا ہے۔ اس طریق میں وصف یہ ہے کہ مستمع پر اس قسم کی نصیحت کا، محض سرسری موعظت کے مقابلہ میں زیادہ اثر ہوتا ہے، جس طرح ڈاکٹر کڑوی گولیوں کو شکر میں ملبوس کر کے ہمیں آسانی سے کھلا دیتا ہے، اسی طرح معالج اخلاق ان فرضی قصوں کے ذریعہ سے پند و موعظت کی تلخی کو قند و نبات بنا دیتا ہے، انوری کی تلقین میں یہ وصف زیادہ نمایاں ہے جیسا کہ گزشتہ امثال سے ظاہر ہے۔ یہاں ایک اور مثال دی جاتی ہے جو شاعری کی مذمت سے علاقہ رکھتی ہے۔

انوری کا شمار شعر کے اقانیم ثلاثہ میں کیا جاتا ہے لیکن باوصف اس کے وہ شاعری کا زبردست مخالف ہے۔ اس کی رائے میں شاعر کا پیشہ خاکروب کے پیشے سے بھی زیادہ ذلیل اور کثیف ہے وہ کہتا ہے، میں نے ایک حلال خور سے دریافت کیا کہ بھائی ہمارا تمہارا پیشہ جیسا کچھ ہے معلوم ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے پیشہ میں کامیاب ہو اور میں ناکام ہوں۔ خاکروب کہتا ہے کہ اس ناکامی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں تمھارے مقابلہ

میں زیادہ باکمال ہوں، یا تم میرے مقابلہ میں بے ہنر ہو، اصلی وجہ قدردانی ہے، میرے آقا کو میرے ہنر کی قدر ہے، اس لیئے میرے کام کو رونق ہے، لیکن تمھارے آقا کو تمھارے کام کی کوئی قدر نہیں، وہ یہی سمجھتا ہے کہ تمھارا کام وہی معمولی ہے جو سدا سے ہوتا آیا ہے، پھر وہ یہ بھی خیال کرتا ہے کہ ان عام لوگوں کے کارنامے بازاری جنس کی طرح بالکل عام ہیں، اس لیئے وہ کیوں قدر کرنے لگا۔ اس کو تمھاری کاوش جگر کی کیا خبر ہے۔

با یکے مردک کتاس ہمی گفتم دوش	تو چہ دانی کہ زغبن تو دلم چوں خستہ است
صنعت و پیشۂ ما ہر دو ہمی دانی چیست	آں چرا تیز رود، دیں چہ رو آہستہ است
گفت از عیب خود و از ہنر ما مشناس	زیں کہ ما را ز خیار آتش و از نے جستہ است
کارفرمائے دہد رونق کارِ من و تو	داند آں کس کہ دمے با من و تو بنشستہ است
کارفرمائے مرا پایۂ من معلوم ست	لاجرم کار من از بند تقاضہ رستہ است
باز چوں گاذ خراس از تو و از پایۂ تو	کارفرمائے ترا دیدہ چناں بربستہ است
کہ چناں ظن برد او کانچہ تو ترتیب کنی	کردۂ دایم و دیرداختۂ پیوستہ است
یا چناں داند کایں عمر عزیز علما	ہمچو روز و شب جہاں متاع رستہ است
او چہ داند کہ دراں شیوہ چہ خوں باید خورد	کہ ترا از سر سیداد در آں پے خستہ است
انوری ہم ز تو برتست کہ بر شاخِ درخت	عقل داند کہ ستمہائے تبر از دستہ است

ص ۶۰۹

بوعلی اور فردوسی سے

انوری ہر قبول خلق تا کے ننگ شعر	راہ حکمت رو قبول عامہ گو ہرگز مباش
رفت ہنگام غزل گفتن دگر سر دی مکن	راد یاں را گرمیِ ہنگام گو ہرگز مباش
تاج حکمت بالباسِ عافیت باشد بہوش	جاں چو کامل شد طراز جامہ گو ہرگز مباش
در کمال بوعلی نقصان فردوسی مگیر	ہر کجا آمد شفا شہنامہ گو ہرگز مباش

(کلیات قلمی)

شعر اور شرع سے

کسے کہ مدّتِ سی سال شعر باطل گفت	فدائے برہمہ کامیش دادیہ روزی

کنوں کہ روئے نہد جملہ در حقیقت شرع — چہ اعتقاد کنی باز گیر دش روزی
برو کہ عاقل ازیں اختیار آں ببیند — کہ کشتِ تشنہ نہ بیند ز ابر نوروزی
ز شعر نقش تو آں بار ہائے عار کشید — کہ چوں ہلال بطفلی در آمدش کوزی
ز شرع جانِ تو آں شعلہائے نور زند — کہ تو بہر فلکے آفتابے افروزی
تو رائے شرع بہ آخر بری ہمی بخطاست — چو عین شعر بہ آخر بری بیاموزی ص ۳۷

جس وقت انوری کا آفتابِ شاعری طلوع ہوا ہے، خراسان کا سیاسی مطلع انتہائی تاریکی میں تھا۔ اس دور انقلاب میں انسانی قسمت کا ساغر آلام و آزار اور شداید کی شراب سے لبریز تھا۔ عنانِ حکومت غیر متمدن اور وحشی اقوام کے ہاتھ میں چلی گئی تھی، جن کے اوضاع و اطوار سباع کے اوضاع و اطوار سے کم نہ تھے۔ پرانے درباروں کے چراغ گُل کر دیئے گئے تھے، اُن کے بجائے ایسے دربار قایم ہوئے تھے جن کے راس الرؤسا اکثر نو کاسہ اور نو کیسہ تھے۔ اُن کے مشاغل اور مذاق نہایت پستی کی حالت میں تھے۔ ندیمی کا قابل عزت پیشہ اجلاف اور اراذل کے ہاتھ میں چلا گیا تھا، جن کے نزدیک ندیم اور مسخرہ ایک ہی معنی رکھتا تھا۔ اہلِ علم و اربابِ کمال ہر طرف خوار پھرتے تھے اور کوئی پوچھتا تک نہیں تھا، ہزّال، رُنود اور مطربوں کی گرم بازاری تھی، انوری ان واقعات اور جذبات عصری کا مرقع اپنی مختلف نظموں میں کافی وضاحت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ چنانچہ

اہلِ عصر کی بدتمیزی ؎

ربع مسکوں آدمی را بود دام و دد گرفت — کس نمی داند کہ در آفاق انسانی کجاست
دَور دورِ خشک سال و قحطِ دین و دانش است — چند گوئی فتح بابے کو و بارانی کجاست
من ترا بنمایم اندر حال صد بوجہل جہل — گر مسلمانی، تو تعیین کن مسلمانے کجاست
آسماں بیخِ کمال از خاکِ عالم بر کشید — تو زنخ می زن کہ در من گنج نقصانے کجاست
خاک را طوفاں اگر غسلے دہد وقت آمدہ است — اے دریغا داعی چوں نوح طوفانی کجاست ص ۶۱۷

۶-۷-۸۳

منصبِ ندیمی کی توہین ؎

نشاید بہرِ آدابِ ندیمی دگر بر جان و دل زحمت نہادن
زباں کردن بنظم و نثر جاری زخاطر نکتہ ہائے بکر زادن
کہ باز آمد ہمہ کارِ ندیماں بسیلے خوردن و دشنام دادن ص ۱۱۷

مسخروں اور مطربوں کی قدر اور علوم کی بے قدری ؎

ای خواجہ مکن تا بتوانی طلبِ علم تا در طلبِ اتب ہر روزہ نمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز تا داد خود از ہر کس و ناکس بستانی

کمال کی کساد بازاری ؎

ہر کس کہ جگر خورد و بہر دی ہنر آموخت در دور قمر گو بنشیں خونِ جگر خور
نزدیک کسانے کہ بصورت چو کسے اند باصورتِ ایشاں نفسے بر زن و بر خور
پیغام زنے آر و ہمہ اطلس و خز پوش یا مسخرہ باش و ہمہ حلوائے شکر خور ص ۶۷۹

شعر کی بے قدری ؎

خاطرے چو آتشم ہست و زبانے ہمچو آب فکرت تیز و ذکا رنگ و شعرے بے خلل
اے دریغا نیست ممدوحے سزاوارِ مدیح وے دریغا نیست معشوقے سزاوارِ غزل ص ۶۹۴

مذکورۂ بالا اشعار کی روشنی میں ہم اُن ایام کی اخلاقی پستی اور ابتذال کا کسی قدر اندازہ لگا سکتے ہیں، ساتھ ہی انوری کے دلی جذبات کا حال بھی معلوم کر سکتے ہیں، ایسے خیالات کے مالک کو ہم کسی حالت میں دنی الطبع سفلہ مزاج اور تنگ ظرف نہیں کہہ سکتے۔ یہ میں اس لیئے کہتا ہوں کہ مولانا شبلی کی نگاہ میں انوری کے اخلاق کا معیار نہایت پست ہے، اس کی ہجاجات کی بنا پر مولانا نے اس کی نسبت ایک نہایت مذموم رائے قایم کی ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ ہجو اس کے ہاں ایک اتفاق ہے، اس کا اخلاقی معیار معاصرین سے نہایت بلند تھا، بیس سال تک وہ ایک ثقہ، متین، اور سنجیدہ شاعر کی زندگی بسر کرتا ہے، لیکن معاش کی طرف سے ناکام رہتا ہے، اس لیئے کہ اس کے اخلاقی تفوق نے اس کے اور اُس کے معاصرین کے درمیان

ایک وسیع خلیج پیدا کردی تھی آخر وہ یہ راز معلوم کر لیتا ہے، اور آئندہ کے لیے اپنے نصب العین میں تبدیلی کا عازم ہوتا ہے، چنانچہ کہتا ہے ؎

چہ آبروے بیفزایدم ز مدح و غزل | چرا بآتش فکرت ہمی بکاہم روح
بیاد بوک و مگر بست سال برداد م | مرا خدائے نہ داد ست زندگانی نوح
عنانِ طبع ازیں پس کشیدہ خواہم داشت | اگر کشاں نہ بینم درِ قبول و فتوح
دگر عطا نہ دہندم برآرم ازیں مدح | بلفظ ہجو دمار از سرِ چنیں ممدوح

ص ۶۳۰

یہ قرار داد اس کی اخلاقی بندشوں کی بہت سی گرہیں کھول دیتی ہے، اور مستقبل اس میں وہی تغیر دکھیا ہے جو عبید زاکانی بہ اقتضائے وقت و زمانہ انوری سے دو قرن بعد اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اس میں شک نہیں کہ یہ اخلاقی انقلاب آئندہ زندگی میں اس کو کامیابی کی شاہراہ پر لگا دیتا ہے۔

کلیات انوری طبع نول کشور

یہ ہمارے ملک کی بدنصیبی ہے کہ باوجود فارسی زبان کی قدر اور رواج کے فارسی کتب کی طبع کا انتظام ہمارے ہاں نہایت ناقص ہے۔ اس کے لیے ہم یورپ اور ایران میں کافی بدنامی اٹھا چکے ہیں، اور اٹھا رہے ہیں، لیکن اب تک ہمیں فارسی کتابوں کا صحیح چھاپنا نہیں آیا۔ گزشتہ قرن میں کلکتہ، لکھنؤ، کانپور اور دہلی سے بلحاظ طباعت و صحت اعلیٰ معیار کی کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں۔ مگر ہم نے ایک صدی بعد ترقی معکوس کی ہے اور یہ کہنا مبالغہ میں داخل نہیں کہ موجودہ صدی میں کتاب اسی قدر زیادہ غلط چھپتی ہے جس قدر قرن ماسبق میں صحیح چھپتی تھی۔

کلیات انوری سب سے پہلی مرتبہ تبریز میں ۱۲۶۶ھ میں چھپا تھا، دوسری مرتبہ لکھنؤ سے ۱۲۹۷ھ میں نولکشور پریس سے شائع ہوا، اسی اشاعت کی دوبارہ تجدید اسی مطبع سے ۱۲۹۰ھ میں ہوئی۔

منشی نولکشور کی پہلی اشاعت تبریزی نسخہ سے منقول ہے، نیز اس میں منشی بیج موہن لال خلف

بابو بہاری لال متوطن دہلی کے ایک قلمی نسخہ سے بھی امداد لی گئی ہے۔ اس کلّیات میں اہلِ مطبع ایک عجیب غلطی کے شکار ہو گئے ہیں۔ اِس میں بعض ایسے قصائد بھی شامل کر لیئے گئے ہیں جو انوری سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے اور نہ انوری کے وطن اور عہد میں لکھے گئے بلکہ ہندوستان میں۔

یہ قصائد جن کی تعداد آٹھ دس سے زیادہ نہیں ہے، سلطان شمس الدین التمش ۶۰۷ھ و ۶۳۳ھ اور اس کے فرزند سلطان رکن الدین فیروز کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی قدیم ہندی شاعر کی یادگار ہیں جو بلحاظ زمانہ امیر خسرو دہلوی سے متقدم ہے۔ اس عہد کے ہندی نژاد شعرا کا سراغ، اگرچہ کافی تعداد میں موجود تھے، بہت کم ملتا ہے، اس لیئے میں اس غلطی کا جس نے ہمیں ہمارے وطن کے ایک نامعلوم الاسم مگر قدیم شاعر کا پتہ دیا، بڑی خوشی کے ساتھ خیر مقدم کرتا ہوں۔

اس قسم کی غلطی متاخرین کے ہاتوں نہیں ہو سکتی، بلکہ قدیم زمانہ میں عمل میں آئی ہوگی فہرست (کتب قلمی فارسی) برٹش میوزیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بھی انوری کے ایک کلّیات میں یہی غلطی موجود ہے۔

ذیل میں ان قصائد کی ایک فہرست دے دی جاتی ہے، جو اس قدیم شاعر کی یادگار ہیں ؎

(۱) مژدۂ عالم را ز عالم آفریں آوردہ اند ‌ ‌ ‌ زانکہ شہ را از خلیفہ آفریں آوردہ اند

ناصر الاسلام مستنصر کہ طوقِ طاعتش ‌ ‌ ‌ ز آسمان در گردن اہل زمین آوردہ اند ص ۱۳۳

قصیدۂ ہذا شاعر نے اُس وقت لکھا ہے، جب سلطان شمس الدین التمش کے پاس خلیفہ المستنصر باللہ ۶۲۳ھ و ۶۴۰ھ کا سفیر دہلی آتا ہے، اور اس کی آمد کی خوشی میں، تمام شہر میں آئین بندی کی جاتی ہے۔ طبقاتِ ناصری سے معلوم ہوتا ہے کہ سفیر دوم ربیع الاول ۶۲۶ھ کو دہلی پہنچتا ہے۔

قصیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تحائف میں بادشاہ کے لیئے خلعت اور ایک تازی گھوڑا بھی تھا، طبقات میں گھوڑے کا ذکر نہیں ہے ؎

شادیِ عام ست در شہر ایں کہ بہر شہریار ‌ ‌ ‌ خلعتِ خاص امیر المومنیں آوردہ اند

خلعتے یا رب چگونہ چوں عروس آراستہ ‌ ‌ ‌ راست بر بالائے شاہ راستیں آوردہ اند

مرکبے کاندر روانی آب اماندرواں — تا مگر بادِ صبا را زیر زین آوردہ اند
مرکبے زیں ساں مبارک خلعتے میموں چنیں — از برائے ظلِ یزداں شمس دیں آوردہ اند
حامیِ آفاق التتمش کہ عزم و حزمِ او — گرد بر گرد جہاں حصنِ حصیں آوردہ اند ص ۱۳۳

آئیں تبدی کا ذکر ذیل کے اشعار میں آتا ہے ؂

(۱) خسروا از رشک صورتہا کہ برایوان تست — چیں و را بروے نکورویانِ چیں آوردہ اند
صحن درگاہت بنزہت گلستانے شد کزو — خار خارے در دل خلد بریں آوردہ اند
شہر را از شش جہت در زر و زیور بستہ اند — قبہا سر بر سپہر ہفتمیں آوردہ اند ص ۱۳۴

---

(۲) ساقی بیا کہ وقت مئے لعل روشن ست — میدان خاک تیرہ کنوں سبز گلشن ست ص ۸۵

یہ قصیدہ غیاث الدین محمد شاہ کی تعریف میں ہے، چنانچہ ؂

عادل غیاث دیں کہ بیک تن گہہ وفا — از بہر قصد جان عدو صد تہمتن ست
فرماندہ زمانہ محمد شہ آں کہ ملک — از رائے او چو روئے عروساں مزین ست ص ۸۶

انوری کے عہد میں دو غیاث الدین گزرے ہیں، پہلا غیاث الدین محمد سلجوقی المتوفی ۵۵۴ھ دوسرا غیاث الدین محمد غوری برادر معظم شہاب الدین غوری لیکن میں ان دونوں سے اعراض کرکے التتمش کے فرزند غیاث الدین کے نام یہ قصیدہ مانتا ہوں - ذیل کے شعر میں سیر اور من ہندی الفاظ ہیں اور انہی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں - چنانچہ ؂

خیز از مئے قدیم مرا سیر کن بر طل — بگزر ازیں حدیث کہ یک سیر یک من ست ص ۸۶

انوری کا ان الفاظ سے واقف ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے -

۱؎ صحیح تلفظ التتمش ہی جیسا کہ شعر ہذا میں مذکور ہے نہ التمش جیسا عام طور پر مشہور ہے ۲؎ مکانات پر نقاشی کا رواج ایران میں غزنوی اور سلجوقی دور میں عام تھا، اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ یہ رسم ہندوستان میں بھی آگئی تھی -

(۳) ساقی بیار بادہ کہ نور وز عالم ست
روز خجستہ چوں رُخ شاہ معظم ست ص ۸۳

قصیدۂ ہذا رکن الدین فیروز بن سلطان شمس الدین التتمش کی تعریف میں ہے چنانچہ شعر

فیروز شاہ کعبۂ اقبال رکن دین
کز خاک پائے او اثر آب زمزم ست ص ۸۴

---

(۴) افزود باز رونق ہر مرغزار گل
چوں زیر بافت نالۂ ہر مرغزار گل ص ۲۶۴

یہ قصیدہ بھی التتمش کے فرزند غیاث الدین محمد کی مدح میں ہے، اور اس کا نام موجود ہے۔

---

(۵) اے راستی کہ در دل لیل و نہار یافت
مانا کہ ز اعتدال مزاجِ بہار یافت ص ۸۱

یہ بھی رُکن الدین فیروز مذکور الصدر کی ستایش میں ہے اور اس کا نام مذکور ہے۔

---

(۶) ایں منم کز دیدہ یا قوتِ رواں آوردہ ام
بیدلاں را ار سخن قوتِ رواں آوردہ ام ص ۳۰۷

یہ بھی رکن الدین فیروز کے نام ہے۔

---

(۷) بیدلاں از روئے تو آئینۂ جاں آمدہ است
وز لب و دندان تو لولو مرجاں آمدہ است ص ۸۷

یہ قصیدہ نظام الملک قوام الدین محمد جنیدی کی تعریف میں ہے، جو شمس الدین التتمش اور رکن الدین

فیروز شاہ کا وزیر رہا ہے۔ اس کا نام ان ابیات میں آتا ہے ؎

آصفِ ثانی نظام الملک دستورِ جہاں — کز کمالِ کامگاری چوں سلیماں آمدہ است

صاحبِ عادل قوام الدین محمد کز شرف — چوں محمد زبدۂ ترکیبِ ارکاں آمدہ است ص ۵۸

اِس کا جنیدی ہونا اس شعر سے ظاہر ہے ؎

گوہرِ آلِ جنیدی وز کرامتہائے تو — مالک دینار شد ہر کو سخن دان آمدہ است ص ۵۸

شاعر اپنی ہندی نژادی کا ذکر یوں کرتا ہے ؎

مولد و منشا میں در خاک ہندوستاں مرا — نظم و نثرم بیں کہ بر آبِ خراساں آمدہ است ص ۵۹

---

(۸) صبح خیزاں کہ وصفِ آں خط و خد کردہ اند
درره فکرت نوشتن جہد بجد کردہ اند ص ۱۳۶

یہ قصیدہ بھی نظام الملک جنیدی کی تعریف میں ہے، اور قصیدے کے ذیل میں اس کا نام بھی موجود ہے ؎

(۹) بفریاد آمدم ایں جا بفریاد
مگر شاہِ جہاں دادم دہد داد ص ۱۳۵

یہ قصیدہ کسی شخص کی شکایت میں لکھا گیا ہے، جس سے شاعر کا جھگڑا ہوتا ہے اور مار پیٹ تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ شاعر نہایت غیظ کی حالت میں ہے، اور کہتا ہے کہ اگر بادشاہ نے میری فریاد نہیں سنی تو میں بغداد جاکر امیر المومنین کے دربار میں شاکی ہونگا، اور اپنے آنسوؤں سے بغداد میں ایک نیا دجلہ جاری کرونگا وہاں بھی سماعت نہیں ہوئی تو خانۂ کعبہ جاکر اور پردہ کعبہ پکڑ کر خدا کے جناب میں فریاد وزاری کرونگا۔ بعد میں گویا ہے کہ غالباً مجھے اس انتہائی کارروائی پر عمل درآمد کی ضرورت نہیں ہوگی، کیونکہ ہمارا بادشاہ خود عادل و منصف ہے، اور وہ رکن الدین والدنیا ہے، یعنی رکن الدین فیروز۔

---

(۱۰) اے فخرِ ہمہ نژادِ آدم — وے سیدۂ زنانِ عالم ص ۲۸

قصیدۂ ہذا کسی شہزادی کی تعریف میں ہے جس کا خطاب کریمۃ النسا اور نام رضیۃ الدین ہے چنانچہ ؎

سلطانت کریمۃ النسا خواند　　شد ذاتِ شریفِ تو مکرّم

راضی ز تو اے رضیۃ الدین　　حق قادر و ذوالجلالِ اکرم　ص ۲۸۱

بادشاہ سے اِس کے تعلقات یوں بیان کیے گئے ہیں۔ ابیات

اقبالِ تو بر فزونست ہر روز　　از دولتِ خسروِ معظم

آں بادشہے کہ خسرواں را　　از ہیبتِ او فرو شود دم

از وردِ دعائے تو سحرگاہ (کذا)　　بنیاد بقائے اوست محکم　ص ۲۸۲

رضیۃ الدین کی سرکار میں شعرا کی آمد و رفت بھی تھی ؎

در مدح و ثناتِ شاعراں را　　تشریف و صلات و خز معلّم　ص ۲۸۲

میرا ایک مدت تک اس قصیدہ کو سلطان رضیۃ الدین بنت سلطان شمس الدین التمش کی مدح میں ماننا رہا، لیکن انوری کے ایک قلمی کلیات میں، جس سے گزشتہ بالا الحاقی قصائد ترک کر دیے گئے ہیں، یہ قصیدہ داخل ہے۔ اس شہادت کی بنا پر میں اپنے نظریہ سے دست کش ہو گیا ہوں اگرچہ مطمئن نہیں ہوں۔

شاعری

(از جناب محمد عظمت اللہ خاں صاحب بی اے)

۳- اُردو عروض

موسیو ژوردین - تو سوائے نظم اور نثر کے کوئی تیسری صورت ہی نہیں ؟

پروفیسر - جی ہاں جو چیز نظم نہیں وہ نثر ہے، جو نثر نہیں وہ نظم ہے -

م - ژ ـــــ اچھا آدمی جو بولتا ہے وہ کیا چیز ہے ؟

پرو ـــــ نثر -

م - ژ ـــــ ہائیں۔ میں جب اپنے آدمی سے کہتا ہوں - انکول ! ذرا سلیپر لانا اور میرا کنٹوپ دینا تو کیا یہ نثر ہوئی ؟

پرو ـــــ جی ہاں -

م - ژ ـــــ ارے میاں سچ کہو یہ جو میں کچھ اوپر چالیس برس سے بولتا آیا ہوں یہ سب نثر تھی اور مجھے کانوں کان خبر نہیں۔[1] . . . . . .

---

[1] Moliere : Le Bourgeois gentilhomme Act - II . Sc . 4 .

اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا یہ بات ہی اچنبھے کی لیکن اس سے زیادہ اچنبھے کی ایک اور بات ہی جسے سن کر لوگ موسوڑ ور دین سے کچھ کم حیران نہ ہونگے۔ وہ بات صرف اتنی ہی کہ جب سے انسان کا گلا اپنے سانچے میں اس طرح کی آوازیں ڈھالنے لگتا ہی جن کو زبان کہتے ہیں انسان نظم بولنے لگتا ہی اور جب تک سانس کے لنگر کی ٹِک ٹِک کا تانا بندھا رہتا ہی آدمی نظم ہی بولتا رہتا ہی۔ لفظ وہ آواز ہی جو جچی تلی ہو جس کا اُتار چڑھاؤ ہمارے گلے کے سانچے نے سماج کی پسندیدگی کے بعد مقرر کر دیا ہو۔ اس قسم کی گلے کی ڈھالی کان کی تولی اور سماج کی کان پڑی آوازوں کے شیرازے کا نام زبان ہی۔ لیکن زبان محض الفاظ کا مجموعہ ہی نہیں ہی۔ اس میں ترتیب تنظیم اور عضو بندی ہوتی ہی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ زبان ایک صَوتی جسد ہی۔ آواز الفاظ کی صورت جملوں کے پیکر میں ڈھلتی ہی۔ یہ ڈھلے ڈھلائے زندہ پُرزے ایک دوسرے سے جوڑ کھاتے ہیں اور ان کے آپس میں گتھ جانے کے بعد طرح طرح کی ترکیبیں پیدا ہوتی ہیں اور اعضا کا کام دیتی ہیں۔ اس طرح زبان ایک جسم بن جاتی ہی۔ خیال کا بہاؤ اس جسد میں بجلی کی طرح دوڑ جاتا ہی۔ اُس میں جان ڈالتا اور مجموعی یگانگت اور یک جہتی پیدا کر دیتا ہی۔

خیال ایک پانی کا سا بہاؤ ہی۔ اس بہاؤ کو زبان من وعن ادا نہیں کر سکتی۔ اس کی ہو بہو تصویر نہیں بن سکتی آواز کے گلے میں انسانی گلے کا پھندا پڑا ہوا ہی اور یہ پھندا ایسا اٹل ہی کہ اس سے گلوخلاصی بظاہر ممکن نہیں۔ اس کا لازمی کرشمہ یہ ہی کہ خیال کا بہاؤ جب زبان کی صورت اختیار کرتا ہی تو وہ بڑے سمندروں کا ناپیدا کنار آسمانوں سے باتیں کرتا، لہراؤ نہیں رہتا بلکہ ندیوں کی طرح کنارے ٹیلے اور چٹانیں اسے گھیر گھار لیتے ہیں، اُس کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں اور خیال کی ندی کی سیج کا نشیب و فراز، کج مج پن ، روڑوں اور کوڑے کرکٹ میں اس کو مبتلا کر دیتا ہی ادبیات اور موسیقی کا یہ کام ہی کہ جہاں تک ہو سکے زبان کی صورت میں خیال کے بہاؤ کو پھس پھسی اور ادنیٰ عضو بندی —— کم منتظم اور بن منجھی ترکیبوں —— سے نجات دے اور جوں جوں کلچر (culture) کی ارتقا ہوتی جائے زبان بھی اسی مناسبت سے اُگتی پھیلتی - اور پھولتی پھلتی - خیال کے اصلی بہاؤ کی سچّی تصویر بنتی جائے۔

مادّے کے ذرّات میں روح کی بجلی دوڑی ہوئی ہی اور اس وقت تک اُس کی کرنیں مادّے میں سے پھوٹ کر نکل نہیں سکتیں جب تک مادّے کو مانجھا اور صاف نہ کیا جائے۔ مادّے کو قوانین کے عملی شکنجے میں بھان او طبیع خداداد کی بھٹی میں ڈالا نہ جائے۔ خیال کی شعاعیں بھی اسی وقت آواز کے شعبوں میں سے پھوٹ سکتی

ہیں کہ آواز پر ناپنے والی قیود عائد کی جائیں۔ آرٹ (Art) کی ایسی خراد تیار کر دی جائے کہ صاف ستھرے اور چکنے چکنائے الفاظ اور منجھی منجھائی شفاف ترکیبیں آسانی کے ساتھ ڈھل جائیں۔ صرف طبع خدا داد کی آنچ کی کسر رہے۔ جہاں تک الفاظ کے ترنّم کا تعلق ہے عروض کا یہ فریضہ ہے کہ بہ حیثیت ایک آرٹ کے ترنم کے اصلی فطری گُر دریافت کرے اور ان کی روشنی میں اور ہدایت کے بہ موجب ترنّم کے وہ سانچے تیار کرے اور تیار کرنے کے طریقے بتلا دے جن سے خیال کے بہاؤ کے اصلی نغمے عین بہ عین نہیں، تو لگ بھگ ہی ادا ہو سکیں۔

ہر حرف موزونیت کا کم سے کم جُز ہے ۔ ترنّم کی ایک پنکھڑی ہے۔ الفاظ دو یا دو سے زیادہ حروف کی پنکھڑیوں کے پھول ہیں اور اسی لئے جسے نثر کہتے ہیں وہ بھی ایک موزوں کلام ہے۔ البتہ نثر کی موزونی پر زیادہ قیدیں لگائی نہیں جاتیں۔ تاہم یہ ایک واقعہ ہے کہ خیال کے بہاؤ کو جب نثر والی شتر بے مہار موزونیت کے ساتھ ہی عمدگی اور لطافت سے ادا کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ نثر میں بھی الفاظ کی زیادہ جانچ پڑتال اور بندک بندا ہوتی ہے تو نثر کا نغمہ بلند ہوتا جاتا ہے اور بعض خدا داد قلم اس کو نظم کے لگ بھگ کر دیتے ہیں۔ اگر اور بندشیں چست کر دی جائیں۔ زیادہ قیود لگا دی جائیں تو پھر کلام کا ترنّم اور بلند ہو جاتا ہے اور کلام کی وہ قسم نمودار ہوتی ہے جس کو عام اصطلاح میں نظم کہا جاتا ہے۔

خیال کے بہاؤ کو نظم کی صورت میں لانے کے لئے پہلی زبردست حد بندی تو یہ ہے کہ نثر میں بے تحاشا یا سوچ سمجھ کر جو بلا روک ٹوک الفاظ کا پل باندھا جاتا ہے ۔ الفاظ کی ریل پیل کر دی جاتی ہے اس کو ممنوع قرار دیا جائے۔ دوسری حد بندی یہ کی جاتی ہے کہ گرامر (قواعد) کی قیود کے علاوہ تلفظ کے لحاظ سے کلام کے پارے پارے کئے جائیں اور کلام کا ہر ایسا ٹکڑا ایک خاص صوتی قیمت پر جچا تلا اترے۔ ہر پارے میں حروف کی تعداد بندھی بندھائی ہو۔ ہر ٹکڑے میں آوازیں، یا ہندی عروضی اصطلاح میں ماترائیں گنی گنائی ہوں۔ یہ عروض کا اساسی اصول ہے اور اس قید کے لگاتے ہی نثر نظم ہو جاتی ہے یا یوں کہئے کہ نثر اور نظم میں امتیاز پیدا ہو جاتا ہے۔

نظم کی موزونیت کا پہلا اصول یہ ٹھیرا کہ الفاظ کی ایسی لڑیں تیار کی جائیں جو بطور خود علیحدہ علیحدہ ہوں۔ اور جن میں حروف کی تعداد معیّن ہو۔ ہر حرف جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے صوت کی ایک پنکھڑی ہے۔ الف بے کا ہر حرف ننھی سے ننھی سُریلی آواز ہے۔ حرف کو اگر آپ چاہیں تو عروضی اکائی کہہ سکتے ہیں۔ عروض میں ہر حرف ایک آواز۔ ایک ماترا مانا جائے گا اور اس ایک ماترا۔ ایک حرف کو ہندی اصطلاح میں لگھ کہا جائے گا۔ لگھ کے معنی عروضی

نقطۂ نظر سے ہمیشہ سب سے چھوٹی آواز یا ایک ماترا کے لئے جائیں گے۔ جب دو حرف دو لگھ مل کر آواز دیں تو ایسی دو حرفوں کی گتھی ہوئی آواز کو گرو پکاریں گے اور اس کو دو ماترا کے برابر سمجھا جائے گا۔ اور یہ دو حرفوں کی ملی جلی۔ ایک جان اور دو قالب والی آواز عروضی میدان میں سب سے بڑی آواز سمجھی جائے گی اس کی قیمت دو لگھ کے برابر تصور ہو گی۔

اُردو میں چاہے ایک لفظ میں کتنے ہی حروف ہوں اس کے لگھ اور گرو میں ٹکڑے ہو سکتے ہیں اس لگھ اور گرو کی نفیس دھار سے ہر لفظ کا جوڑ جوڑ اور بند بند بلا کسی استثنیٰ کے جدا ہو جاتا ہے۔ اس گر کو ذہن نشین کر لینا نہایت ضروری ہے کہ حروف ہجا میں سے جہاں ایک حرف تنہا آواز دے وہ ایک ماترا۔ ایک لگھ ہے اور جہاں دو حرف مل کر آواز دیں وہ دو لگھ دو ماترا کے برابر سمجھے جائیں اور ان کی گھُلی ملی آواز کا نام گرو ہے۔

مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ الف۔ بے کے حروف پر زبر لگا دیا جائے تو اَ ۔ بَ ۔ تَ سے لے کر یَ تک سب حرف بول اُٹھیں گے اور چوں کہ ہر حرف تنہا آواز دے گا لہٰذا ہر ایک لگھ ہے اور ایک ماترا کے مساوی ہے۔ اچھا اب ایک قدم آگے بڑھائیے اور الف (ا) اور بے (ب) کو ملا کر اَبْ کا لفظ بنائیے۔ یہاں دو حرف مل کر آواز دے رہے ہیں لہٰذا یہ لفظ دو ماترا کے برابر ہے اور اس آواز کو گرو کہیں گے۔ اور آگے چلئے اور ایک سہ حرفی لفظ۔ اَبْرْ۔ یہ لیجئے۔ اس کا صحیح تلفظ کیجئے تو اَبْ ۔ ایک ملی جلی آواز نکلے گی اور۔ ر۔ ایک تنہا علیحدہ آواز ہو جائے گی۔ اس طرح اس کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے پہلا گرو اور پچھلا لگھ۔ ایک اور سہ حرفی لفظ ہے رُبَا اس کا تلفظ کرنے کے بعد (رِ) اور بَاْ دو جدا جدا آوازیں پیدا ہوں گی۔ پہلی لگھ ہے اور دوسری گرو۔ اس طرح اُردو کے بڑے سے بڑے لفظ کے ٹکڑے جس میں کتنے ہی حروف ہوں لگھ اور گرو میں ہو جائیں گے۔ سمجھدار۔ س لگھ۔ مجھ گرو۔ دَا گرو۔ ر لگھ۔ سمجھوتا۔ سم۔ جھو۔ تا تینوں کے تینوں گرو۔

اس وضاحت کے بعد عروض کا پہلا موزونیت کا اصول اب یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ کلام کے ہر ٹکڑے یا بہ اصطلاح عروض مصرع میں حروف گنے ہوئے۔ نپے تلے ہونے چاہئیں۔ مگر یہ موزونیت کا ایسا عام اصول ہے کہ اس کے ڈانڈے نثر سے ملے ہوئے ہیں۔ اور لطف اس اصول میں یہ ہی ہے کہ اس سے نثر اور نظم کے ترنم میں فطری تعلق ثابت ہوتا ہے اور نثر اور نظم میں بہت کم فرق رہ جاتا ہے۔ ایک واقعی سریلا شاعر ہی محض اس اصول کے تحت مصرعوں

کو نثر ہونے سے بچا سکتا ہے۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ کچھ اور قیدیں ایسی لگائی جائیں جن کی وجہ سے نظم اور نثر میں زیادہ امتیاز ہو جائے اور شاعر کو نظم والا ترنم پیدا کرنے میں مدد ملے۔ اس میں ایک تو بشرام یعنی ٹھہراؤ کی شرط اضافہ کی گئی دوسرے قافیہ کو بھی نظم کی ایک علامت گردانا گیا۔ بشرام اور قافیہ دونوں ترنم کو زیادہ کرتے ہیں اور اس ماترک موزونیت کے طریقے سے نظم میں جو ترنم پیدا ہوتا ہے اس کو محض نثر کے سُریلے پن سے کہیں زیادہ بالاتر اور دل فریب تر بنا دیتے ہیں۔

اب اس ماترک عروضی طریقے کے متعلق ایک دو مثالیں اوپر کے بیان کو واضح کر دیں گی۔

ذیل کی مثال کبیر کے ایک دوہے کا مصرع ہے۔

جا کے سر پر تو دھنی لاکھوں مول کرائے

اس کو لگھ اور گرو کے لحاظ سے یوں لکھ سکتے ہیں۔

ہر گرو اور لگھ کے نیچے ماترا کی تعداد دکھانے کے لئے دو یا ایک کا ہندسہ لگا دیا گیا ہے "نی" کے بعد دو لکیریں دی گئی ہیں یہ بشرام۔ ٹھہراؤ کی علامت ہے۔ جہاں جہاں نیچے دو کا ہندسہ ہے وہ آواز گرو ہے۔ جہاں ایک کا ہندسہ ہے وہ لگھ ہے۔ اب اس مصرعے کے پہلے حصے کی ماترائیں بشرام تک گنئے۔ ان کی تعداد (۱۳) ہے۔ بشرام کے بعد کے ہندسے جوڑیئے تو (۱۱) ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ مصرع (۲۴) ماترا کا ہے اور اس میں تیرھویں ماترا پر بشرام ہے۔ اسی کے ساتھ کا مصرع ہے۔

بسائیں تجھ سے باہرا || کوڑی بھی نہ بکائے
جا کے سر پر تو دھنی || لاکھوں مول کرائے

اگر اس شعر کو ایک سطر میں لکھ دیا جائے تو بھی بشرام اور قافیوں سے جن کے نیچے دو دو لکیریں کر دی گئی

ہیں، فوراً معلوم ہو جائے گا کہ یہ نظم ہے اس شعر کے سریلے پن کا تعلق پڑھنے سے ہے اور پڑھا بھی جائے تو اس طرح کہ اپنی روح کا نغمہ اس میں ڈال دیا جائے۔

ایک اور مثال میر کی ایک مشہور غزل سے لیجئے جو ماترک چھند (بحر) میں ہے۔ اس مصرع کی ماترک تقطیع بھی ساتھ ہی ساتھ کر دی گئی ہے۔

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں // کچھ نہ دوا نے کام کیا

ال	ٹی	ہو	گ	ئیں	سب	تد	بی	ریں	//	کچھ	نہ	د	وا	نے	کا	م	ک	یا
۲	۲	۲	۱	۱	۲	۲	۲	۲		۲	۱	۱	۲	۲	۲	۱	۱	۲
۱۶										۱۴								
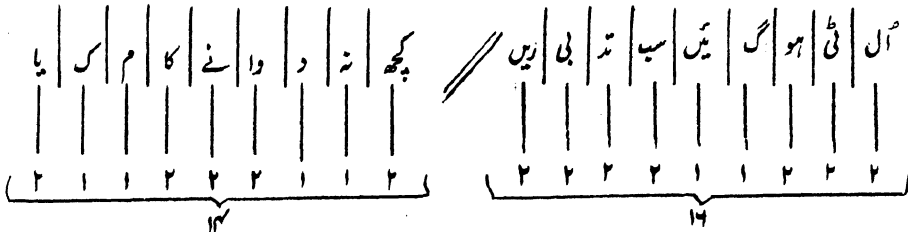
ریں کے بعد بشرام ہے۔ پہلے حصے کے ہندسے جوڑے ۱۶ - اور دوسرے حصے کے ۱۴۔ جملہ ۳۰ ماترائیں ہوئیں یہ مصرع ۳۰ ماترا کا ہے اور سولھویں ماترا پر بشرام ہے۔

یہ عروض کا ماترک طریقہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک شاعر ماترک بحر میں نظم لکھنی چاہتا ہے تو اس کو یہ کہاں سے اور کس طرح معلوم ہو کہ ماترک طریقے کی کتنی بحریں ہیں؟ اور پھر ان بحروں میں بشرام کہاں کہاں ہونا چاہیے؟ اول تو شاعر کو اس قسم کی فکر لاحق نہ ہوگی کیوں کہ اس کو کامل اختیار رہوگا کہ وہ ایک ماترا والی بحر سے لے کر جتنی چاہے اتنی ماتراؤں کی بحر اپنے لئے قرار دے لے اور ساتھ ہی اسے اس کا بھی پورا حق ہوگا کہ اپنے کان کی ترنم والی ترازو کے لحاظ سے جس ماترا پر چاہے بشرام رکھے۔ صرف اتنا یاد رہے کہ اگر شاعر کے کان نے اس کی پسند کی ہوئی ماتراؤں والی بحر میں فطری صحیح بشرام کی قرارداد میں مدد نہیں دی تو اس کی نظم کا ترنم دل کش نہیں ہوگا اور اس کی محنت غالباً اکارت جائے گی۔ ایسے کان والے شاعر کے لئے مناسب ہوگا کہ وہ مسلّمہ اور آزمودہ ماترک چھندوں (بحروں) کی کوئی فہرست دیکھ لے[۵۱]۔ تاکہ اس کو ان بحروں کی ماتراؤں کی تعداد، بشرام کا مقام اور ان بحروں کے نام وضاحت سے

---

۵۱ اردو میں قدر بلگرامی مرحوم کی قواعد العروض کے پنگل والے حصے میں اور ہندی کی متعدد کتابوں میں ان ماترک چھندوں کی تفصیل مل جائے گی جو اب تک مسلمہ اور آزمودہ چلے آئے ہیں۔

معلوم ہوجائیں۔ ان فہرستوں میں وہی چھند ملیں گے جو اب تک ہندی شعرا کے ہاں سریلے ثابت ہوئے ہیں۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ ایک ہی ماترک بحر بشرام کے بدل دینے سے جداگانہ شے ہو جاتی ہے اور بادی النظر میں بغیر ماترا گنے یہ کہنا مشکل ہو جاتا ہے کہ دونوں بحریں ماتراؤں کی تعداد کے لحاظ سے ایک ہی ہیں۔

میر کا مصرع ہے:۔

اِک ہو ک سی دل میں اُٹھتی ہے // اک در د جگر میں ہوتا ہے

۲	۲	۱	۱	۲	۲	۲	۲	۲	//	۲	۲	۱	۱	۲	۲	۲	۲	۲

۱۶ ۱۶

یہ ایک مصرع لیجئے۔

دِھن تا ک دِ ھنا دھن // تا ک دِ ھنا دھن // تا ک دھنا دھن // تا ک د ھنا

۲	۲	۱	۱	۲	۲	۲	۱	۱	۲	۲	۲	۱	۱	۲	۲	۱	۱	۲

۱۰ ۸ ۸ ۶

دونوں ۳۲ ماتراؤں کی بحریں ہیں۔ پہلے میں سولھویں پر بشرام ہے دوسرے میں دسویں اٹھارہویں اور چھبیسویں ماتراؤں پر بشرام ہے اور بشرام کی اس تبدیلی سے یہ دوسری قسم ایک لطیف ماترک بحر بن گئی ہے اور تربھنگی چھند کے نام سے مشہور ہے۔

ماترک طریقے پر جو کچھ اوپر گزرا ہے اس سے یہ چند باتیں واضح ہوتی ہیں:۔

(۱) عروضی موزونیت کا پہلا اصول یہ ہے کہ نظم کے ہر مصرع میں ماتراؤں کی ایک مقررہ تعداد ہو۔

(۲) محض ماتراؤں کی تعداد سے نظم اور نثر میں امتیاز کم ہوتا ہے لہذا بشرام اور قافیہ کی قیدیں نہ صرف ضروری بلکہ فطری ہیں۔

(۳) الف بے کا ہر حرف تنہا ایک ماترا سمجھا جائے گا اور اس کا نام لگھ ہوگا۔ اور دو حروف جہاں مل کر آواز

دیں گے وہ دو ماترائیں سمجھے جائیں گے اور اس طرح کی جڑواں آواز کو گرو پکارا جائے گا۔

(۴) اُردو میں خواہ کتنے ہی حروف والے الفاظ ہوں اُن کے لگھ اور گرو میں آسانی سے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور یہ ٹکڑے تلفظ کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔

ان امور کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد ماترک طریقے میں کوئی دقت باقی نہیں رہتی اور قارئین کرام عروض کے دوسرے طریقے کی جانب متوجہ ہو سکتے ہیں۔

ماترک طریقے میں ہر مصرع کے لئے حروف یا ماتراؤں کی تعداد بندھی بندھائی ہوتی ہے۔ اور بسترام اور قافیہ سے کام لیا جاتا ہے۔ ماترک طریقے کی ان بندشوں پر اگر ایک اور قید زیادہ کر دی جائے تو عروض کا ایک دوسرا طریقہ ہاتھ آتا ہے اور ترنم کا ایک اور غیر محدود میدان کھل جاتا ہے۔

فرض کیجئے ایک اٹھارہ ماترا کا مصرع ہے اس میں ہم نے یہ قید لگا دی کہ ہم نری ماتراؤں کو ہی نہیں گنیں گے بلکہ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ پہلی، چھٹی، گیارہویں اور سولہویں ماترا لگھ ہو۔

یہ مصرع لیجئے۔

کرڑے سے کرڑے کو بجاتی چلی

اس کی ماترک تقطیع یہ ہے:-

لی	چ	تی	جا	ب	کو	ڑے	ک	سے	ڑے	ک
۲	۱	۲	۲	۱	۲	۲	۱	۲	۲	۱
	سولہویں			گیارہویں			چھٹی			پہلی

۱۸
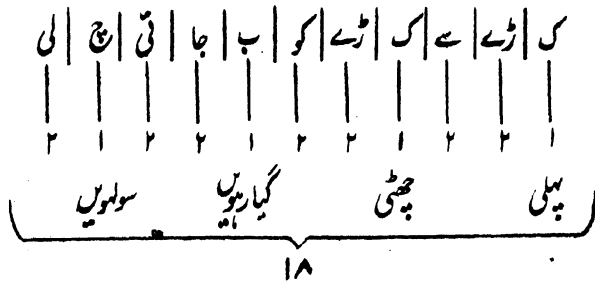
کل اٹھارہ ماترائیں ہیں اور پہلی چھٹی گیارہویں اور سولہویں ماترائیں لگھ ہیں۔ اس طریقے سے نظم کی قیود اور بندشوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ترنم بھی نیا رنگ ڈھنگ اختیار کر لیتا ہے اور نثر اور نظم میں اور بیّن امتیاز پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طریقے کو ہندی کی عروضی اصطلاح میں وَرنِک کہا جائے گا۔

عروضی موزونیت کے جانچنے کے دو طریقے ہیں ماترک اور ورنک اور یہ دونوں موزونیت کے عام اصول کے تحت ہیں صرف فرق اتنا ہی کہ ورنک طریقے میں ایک مزید قید عاید کی جاتی ہی اور اس محض ایک شرط کے زیادہ کردینے کے بعد ورنک تقطیع اگر ماترک طریقے ہی سے کی جائے تو بہت جھمیلا رہتا اور ہر بحر کے لئے یہ بتانا پڑتا کہ فلاں فلاں ماترا لگھ چاہیے اس لئے ورنک طریقے کی تقطیع کی اور سہل صورت نکالی گئی۔

قبل اس کے کہ ورنک تقطیع سمجھائی جائے چند ابتدائی امور کا واضح کردینا ضروری ہی لگھ اور گرو کی تفصیلی بحث قارئین کے گوش گزار کردی گئی ہی۔ اب صرف اتنا جتادینا ہی کہ سہولت کی غرض سے لگھ اور گرو کی ہندی اور انگریزی میں ذیل کی علامتیں مقرر کرلی گئی ہیں۔ انگریزی میں لگھ کو (unaccented) اور گرو کو (Accented) کہتے ہیں۔

	ہندی	انگریزی
(۱) لگھ (unaccented)	।	⏑
(۲) گرو (Accented)	ऽ	—

اس مضمون میں انگریزی علامتیں کام میں لائی جائیں گی اس لئے کہ یہ بہت ہی مختصر ہیں۔ دوسری بات یہ یاد رکھنی ہی کہ لگھ اور گرو کو الفاظ کے اجزا یا محض اجزا کہا جائے گا اور جز کے معنی وہی ہونگے جو انگریزی میں Syllable کے ہیں۔

ہر زبان میں لفظ مختلف اجزا کے ہوتے ہیں اور یہی حال اردو کے الفاظ کا ہی۔ بعض الفاظ اکہرے ہوتے ہیں اُن میں ایک ہی جز ہوتا ہی عموماً گرو شاذ و نادر لگھ۔ بعض الفاظ دہرے بدن کے ہوتے ہیں ان میں بیشتر ایک لگھ اور ایک گرو یا ۲دو گرو ہوتے ہیں۔ اسی طرح تین چار اور بعض بھاری بھرکم الفاظ پانچ اور چھ اجزا کے ہوتے ہیں۔ اچھا اب دو اجزا والے الفاظ لیجئے اور یہ دیکھئے کہ ان میں لگھ اور گرو کی کتنی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ اس کا آسان اور سائنٹی فک طریقہ یہ ہی۔

دو اجزا والے الفاظ میں پہلی قسم یہ فرض کرلیجئے (— —) دونوں جز گرو۔ اب دوسری قسم معلوم کرنے کے لئے ان دونوں گروں میں کے پہلے گرو کے نیچے لگھ لکھئے (⏑ —) اور دوسرے گرو کو بجنسہ نقل کردیجئے (⏑ =) یہ دوسری قسم ہاتھ لگ گئی۔ تیسری قسم دریافت کرنے کے لئے دوسری قسم میں جو گرو ہی اس کے نیچے

لگھ لکھئے (‿ ‿) اب سیدھے ہاتھ کی جانب جو اوپر والے لگھ کے نیچے جگہ ہے وہاں گرو کی علامت بنا دیجئے۔ (‿ ‿) یہ تیسری قسم مل گئی۔ اب چوتھی قسم معلوم کرنی ہے تیسری قسم میں جو گرو ہے اس کے نیچے لگھ لکھا (‿ ‿) اور اوپر والے لگھ کو جوں کا توں نقل کیا تو چوتھی قسم (‿ ‿) ہاتھ آئی۔ اب چوں کہ دونوں جز لگھ آگئے ہیں یہ عمل ختم ہوگیا اور ان چار قسموں کے سوا اب کسی قسم کی اور ترکیب دو اجزا والے الفاظ میں ہو ہی نہیں سکتی۔ اس عمل میں یہ بات یاد رکھنی ہے کہ سیدھے ہاتھ کی جانب جو جگہ خالی ہے اس میں ہمیشہ گرو لکھا جائے گا اور اُلٹے ہاتھ پر سدا اوپر والا لگھ یا گرو نقل کیا جائے گا۔

حافظہ کو بغیر کسی قسم کی زحمت دیے ہر شخص آسانی کے ساتھ جب چاہے دو اجزا والے الفاظ کی لگھ اور گرو کی ترکیبیں معلوم کر سکتا ہے۔ دو اجزا والے الفاظ کی لگھ اور گرو کی یہ آمیزشیں حسب ذیل ہیں:-

(۱) — — ... فع لن Spondee

(۲) ‿ — ... فَ عل Iamb

(۳) — ‿ ... فاع Trochee

(۴) ‿‿ ... فَ عِ Pyrrhic

ہندی میں ان دو اجزا والی ترکیبوں کے لئے نہ تو کوئی انگریزی کی طرح نام ہیں اور نہ عربی کی طرح حروفِ علامت پہلی قسم کو ہندی عروض میں دوگرو اور دوسری قسم کو لگھ گرو، تیسری کو گرو لگ اور چوتھی کو دو لگھ کہیں گے۔

دو اجزائی الفاظ کی ترکیبوں کے ذہن نشین ہونے کے بعد۔ اور یہ کوئی دشوار امر نہیں۔ اب تین اجزا والے الفاظ کی لگھ گرو والی ترکیبیں معلوم کرنے کے لئے یہی عمل کیجئے۔

پہلے ایسے تین اجزا والے الفاظ سے شروع کیجئے جن میں تینوں اجزا گرو ہوں (— — —) — اب پہلے گرو کے نیچے لگھ لکھئے (‿ — —) اور باقی کے دونوں گرو بجنسہ نقل کر دیجئے (‿ — —) اس دوسری قسم میں جو پہلا گرو ہے اس کے نیچے گرو لکھا (‿ ‿ —) اور بقیہ گرو کو جوں کا توں اُتار لیا (‿ ‿ —) سیدھی جانب جو ایک جز کی جگہ خالی ہے وہاں گرو لکھ دیا کیوں کہ جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے سیدھے ہاتھ کی طرف جو ایک یا زیادہ جگہیں خالی رہ جائیں وہاں ہمیشہ گرو لکھے جائیں گے تو اس طرح تیسری قسم یہ ہوئی (‿ ‿ —) اب چوتھی قسم

معلوم کرنے کے لئے تیسری قسم کے پہلے گرو (Accented) کے نیچے لگھ آئے گا (ـ ⌄ ـ) اور باقی کے اوپر والے اجزا کی نقل کی جائے گی (ـ ⌄ ـ) تو چوتھی قسم مل جائے گی۔ اتنی وضاحت کے بعد قارئینِ کرام ایک آدھ منٹ میں اس عمل کو خود پورا کر سکتے ہیں۔ یہ عمل اس وقت ختم ہو جائے گا جب تینوں اجزا لگھ (⌄ ⌄ ⌄) حاصل ہو جائیں۔ اس طرح تین اجزا والے الفاظ کی لگھ اور گرو کی آٹھ ترکیبیں ہو جاتی ہیں۔

		ہندی	
(۱) ـ ـ ـ	مفعولن	ماگانا	Molossus
(۲) ⌄ ـ ـ	فعولن	یگانا	Anti-Bachic
(۳) ـ ⌄ ـ	فاعلن	راگنا	Cretic
(۴) ⌄ ⌄ ـ	ف ع لن	سَ گَ نا	Anapoest
(۵) ـ ـ ⌄	مفعول	تاگانَ	Bachic
(۶) ⌄ ـ ⌄	مفاع	جَگانَ	Amphibrach
(۷) ـ ⌄ ⌄	فاع ل	بھاگَ نَ	Dactyl
(۸) ⌄ ⌄ ⌄	ف ع ل	ن گ ن	Inibrach

اس سارے جھمیلے کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ ایک جز والے الفاظ کی دو قسمیں ہونگی محض ایک لگھ والی یا ایک گرو والی۔ دو جز والے الفاظ میں چار اور تین جز والوں میں آٹھ۔ جملہ آٹھ چار اور دو چودہ۔ تین دو اور ایک جز والے الفاظ کی ترکیبیں۔ لگھ اور گرو کے میل جول سے ہوتی ہیں۔

ان چودہ قسموں کو عروضی اصطلاح میں ارکان کہیں گے اور انھیں سے ورنک طریقے کی تقطیع میں کام لیا جائے گا۔ چار اور پانچ اور ان سے بھی زیادہ ارکان والے الفاظ بھی انھیں چودہ ارکان سے مرکب ہوتے ہیں۔ کثیر الاجزا ارکان بے ضرورت ہیں اس لئے کہ ان کی ساخت انھیں چودہ ارکان سے ہوتی ہے۔ مثلاً :

(۱) مفاعیلن ⌄ ـ ـ ـ (۲) مستفعلن ـ ـ ⌄ ـ

ان کی ساخت ان دو اجزا والے ارکان سے ہوئی ہے۔

(۱)	ف عل	فع لن	(۲)	فع لن	ف عل
	v –	– –		– –	v –

چار یا پانچ یا ان سے زیادہ اجزا والے ارکان کی تعداد اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ عروض ایک بھول بھلیاں بن جاتی ہے۔ چوں کہ کثیر الاجزا ارکان یعنی تین سے زیادہ اجزا والے ارکان سب کے سب ان چودہ ارکان سے ہی بنتے ہیں اور ان کی زیادتی خواہ مخواہ اُلجھن اور پیچیدگی میں ڈال دیتی ہے لہٰذا ورنک تقطیع کا ہندی عروض کے مطابق یہ پہلا اصول ہوگا کہ تقطیع کے وقت کوئی رکن تین اجزا سے زیادہ کا نہیں لیا جائے گا۔ چار اور پانچ یا اور زیادہ اجزا والے الفاظ میں سے صرف تین اجزا کو لے کر ایک رکن سمجھا جائے گا اور باقی کے جز یا اجزا کو دوسرے رکن کا جز قرار دیا جائے گا۔ دوسرا اصول یہ ہوگا کہ تقطیع میں رکن محض ایک یا دو اجزا کا بھی قابل قبول ہوگا۔ تیسرا اصول یہ ہوگا کہ ایک ہی مصرع کی تقطیع میں ایک یا دو یا تین اجزا والے ارکان بے تکلف لئے جائیں گے۔ چوتھا اصول یہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ ان چودہ ارکان کی روشنی میں تقطیع جن جن صورتوں میں ہو سکے وہ سب صورتیں درست ہوں گی۔

مثالوں کے بغیر یہ اصول سمجھ میں نہیں آئیں گے۔ مسدس حالی کا مصرع ہے۔

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا

پہلے اصول کے مطابق اس کی سہ اجزائی تقطیع کرنی چاہئے۔

ک سی نے	یہ بق را	ط سے جا	کے پو چھا
v – –	v – –	v – –	v – –
ف عو لن	ف عو لن	ف عو لن	ف عو لن

اس کی دو اجزائی تقطیع یہ ہے۔

ک سی	نے یہ	بق را	ط سے	جا کے	پو چھا
v –	– v	– –	v –	– v	– –
ف عل	فا ع	فع لن	ف عل	فا ع	فع لن

اسی کی ایک جزوالی تقطیع یہ ہوگی

لگھ | گرو | گرو | لگھ | گرو | گرو | لگھ | گرو | گرو | لگھ | گرو | گرو

ف فع فع ف فع فع ف فع فع ف فع فع

یہ تقطیع تینوں طرح سے درست ہی جس کا جس ڈھنگ سے جی چاہے تقطیع کرے البتہ عام طور پر وہی طریقہ مستحسن ہوگا جس میں زیادہ سہولت ہو اور یہ طریقہ عموماً سہ اجزائی ہی۔ اس لئے پہلے تقطیع اصولاً سہ اجزائی ہونی چاہیئے۔ بعض صورتوں میں دو جزوالی میں سہولت زیادہ ہوگی ایسی صورتوں میں دو اجزائی تقطیع مناسب ہوگی ذیل کی دو مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔

غالب کا مصرع ہی :-

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی

سہ اجزائی تقطیع :-

دل سے ت	ری ن گا	ہ ج گر	تک ا تر	گ ئی
مفعول	فاعلن	ف ع لن	فاعلن	ف عل

دو اجزائی تقطیع :-

فع لن	ف عل	ف عل	ف ع	فع لن	ف عل	ف عل

دونوں تقطیعوں کا نتیجہ ایک ہی ہی اس لئے دونوں صحیح۔ عملی سہولت اور تقطیع کو ایک عام اور بیشتر کارآمد اصول کے تحت لانے کے خیال سے سہ اجزائی کو ترجیح دی جانی مناسب ہی۔

جیساکہ ابھی کہا گیا ہی بعض بحریں ایسی موجود ہیں یا ان چودہ ارکان سے آئندہ وضع ہوں گی جن کی تقطیع دو اجزائی زیادہ سہل ہوگی۔

نسیم خلدمی وزد مگر ز جوئبار ما

سہ اجزائی تقطیع

ن سی م	خل د می	و نزد م	گر ز جو	ئے با ر	ہا
۷ - ۷	- ۷ -	۷ - ۷	- ۷ -	۷ - ۷	-
مفاع	فاعلن	مفاع	فاعلن	مفاع	فع

یا سہ اجزائی تقطیع دوسرے اصول کے مطابق یہ بھی ہوسکتی ہے :-

۷ - ۷	- ۷ -	۷ -	۷ - ۷	- ۷ -	۷ -
مفاع	فاعلن	فَ عِل	مفاع	فاعلن	فَ عِل

دو اجزائی تقطیع :-

ن سی	م خَل	د می	و زد	م گر	ز جو	ئے با	ر ہا
۷ -	۷ -	۷ -	۷ -	۷ -	۷ -	۷ -	۷ -
فَ عِل	فَ عِل	فَ عِل	فَ عِل	فَ عِل	فَ عِل	فَ عِل	فَ عِل

یہاں دوسری قسم کی سہ اجزائی اور دو اجزائی تقطیع مناسب ہے اس لئے کہ اس مصرع میں چوتھے رکن پر بشرام ہے اور ان دونوں تقطیعوں میں اس کا لحاظ رہتا ہے

نسیم خلد می وزد || مگر ز جوئبار ہا

بشرام آواز کا ایک قدرتی پھیلاؤ سا ہوتا ہے اور اس سے بڑی بحروں میں خواہ ماترک ہوں خواہ ورنک نہایت سُریلا پن پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ ٹھیراؤ ماترک اور ورنک دونوں عروضی طریقوں میں ایک دل فریب شے ہے اور اس پر آئندہ تفصیلی بحث کی جائے گی اس وقت اتنا جتا دینا کافی ہے کہ موزوں کان بشرام کو فوراً معلوم کرلیتے ہیں اور یہ کہ ورنک بحروں میں بشرام ہمیشہ اس طرح آتا ہے کہ عموماً مصرعوں کے دو یا دو سے زیادہ برابر کے ٹکڑے کردیتا ہے لیکن ماترک بحروں میں مصرع کو مساوی یا غیر مساوی۔ چھوٹے بڑے ٹکڑوں میں بھی جدا کردیتا ہے ماترک بحروں کی جو مثالیں گزر چکی ہیں وہ اس کی شاہد ہیں۔ اب ورنک طریقے میں بشرام کی کارستانی ملاحظہ ہو۔

دیر نہیں حرم نہیں   در نہیں آستاں نہیں

اس کی تقطیع سہ اجزائی جس میں دو یا ایک جزو والے ارکان دوسرے اور تیسرے اصول کے تحت بے تکلف لئے جا سکتے ہیں یہ ہو گی۔

دے ر ن	ہیں ح رم	ن ہیں	در ن ہیں	آ س تا	ن ہیں
فا ع ل	فا علن	ف عل	فا ع ل	فا علن	فعل

بشرام کی تلوار نے دو برابر کے ٹکڑے کر دیئے ہیں

دو اجزائی تقطیع بھی ملاحظہ ہو۔

فا ع	ف عل	ف عل	ف عل	فا ع	ف عل	ف عل	ف عل

آئندہ مثالوں میں دو دو طرح کی تقطیع نہیں کی جائے گی۔ صرف وہی تقطیع پیش کی جائے گی جو راقم کے نزدیک زیادہ سہولت رکھتی ہے۔ لیکن اس اساسی اصول کو فراموش نہ کیا جائے کہ تقطیع ایک جزو والی ہو یا دو یا سہ اجزائی تینوں طرح صحیح ہے۔ عروضی یا شاعر سہولت اور بشرام کی مناسبت سے جونسی جی چاہے اختیار کرے
غالب کی ایک مقبول غزل کا مصرع ہے:۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا

تقطیع:۔

یہ نہ تھی	ہ ما ری	قس مت	کہ و صا	ل یا ر	ہو تا
ف ع لن	مفاع	فع لن	ف ع لن	مفاع	فع لن

یہ سہ اجزائی تقطیع ہے اور بشرام کے لحاظ سے یہ کیا گیا ہے کہ دو ارکان سہ اجزائی اور ایک رکن دو اجزا والا رکھا ہے۔ بشرام نے یہاں بھی تسمہ تک لگا نہیں رکھا۔ برابر کے بیچ تلے دو ٹکڑے کر دیئے ہیں۔

مرگِ مجنوں سے عقل گم ہے میرؔ

مر گ مج	نوں سے عق	ل گم ہے	میر
فاعلن	فاعلن	فعولن	فاع

یہ سہ اجزائی تقطیع ہے اور آخر کا رکن صرف ایک جزو والا ہے اور چوں کہ مصرع چھوٹا ہے بشرام کی قطعاً ضرورت نہیں۔

اقبال کے جدید لی رِک 'نغمۂ ساربان حجاز' کا ترجیعی مصرع ہے۔

تیز ترک گام زن منزلِ ما دُور نیست

تِی زَ ت	رک گا	م زن	من زِ لِ	ما دُو	ر نیست[1]
– ˇ ˇ	– –	ˇ –	– ˇ ˇ	– –	ˇ –
فا ع ل	فع لن	ف عل	فا ع ل	فع لن	ف عل

اس مصرع کے نصف اوّل میں پہلا رکن سہ اجزائی اور باقی کے دو دو اجزائی ہیں اور بشرام کے بعد کا ٹکڑا بعینہٖ اس پہلے ٹکڑے کا جواب ہے۔

مومن کی مشہور غزل کا مصرع ہے۔

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو ہم	ہیں تم	ہیں ق را	ر تھا	ت ہں یا	د ہو	کہ نہ یا	د ہو
ˇ ˇ –	ˇ –	ˇ ˇ –	ˇ –	ˇ ˇ –	ˇ –	ˇ ˇ –	ˇ –
فَ ع لن	ف عل	ف ع لن	ف عل	ف ع لن	ف عل	ف ع لن	ف عل

اس مصرع کو بشرام نے چوْرنگ کر دیا ہے۔

اتنی مثالیں کافی ہیں اور اب قارئین کرام خود آسانی سے تقطیع کر سکتے ہیں۔ مزید احتیاط کی غرض سے اس قدر

---

[1] (۱) جزی رکن میں طرح ایک لگھ زیادہ ہو جائے تو اس کو ساقط تصور کیا جائے گا۔

(۲) نون غنہ بھی تقطیع میں حرف غلط تصور کیا جاتا ہے اور شاعر چاہے تو اسے ساقط قرار دے لے

(۳) ہائے ہوز، واو اور 'یا' جن الفاظ کے آخر میں ہوتے ہیں ان کے متعلق شاعر مجاز ہے کہ ان کو لگھ یا گرو مثلاً 'کو' لگھ بھی ہو سکتا ہے اور گرو بھی۔

(۴) اس مضمون میں قارئین کرام کے متعلق اتنا مان لیا گیا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ تقطیع سے واقفیت رکھتے ہیں اس لئے ان امور کا احتیاطاً فٹ نوٹ کے طور پر دیدینا کافی سمجھا گیا۔

دہرا دینا بے جا نہ ہوگا کہ تقطیع محض لگھ اور گرو کا تجزیہ ہے۔ ایک مصرع کے الفاظ کو خواہ ایک جز یا دو یا تین اجزا والے ارکان میں الگ الگ کیا جائے تقطیع ہر صورت میں درست ہوگی۔ لیکن عام طور پر سہولت اس میں ہوگی کہ تقطیع ہمیشہ سہ اجزائی ارکان میں کی جائے اور اگر ضرورت ہو۔ بشرام اس بات پر مجبور کرے۔ یا سہولت اس بات کی متقاضی ہو تو ایک ہی مصرع کے سہ اجزائی دو اجزائی اور ایک جز والے ارکان میں ٹکڑے ٹکڑے کرنا زیادہ سہل، واضح اور کارآمد ہوگا اور اصولاً یہی تقطیع زیادہ مستحسن تصور کی جائے گی۔ اوپر جو مثالیں گزری ہیں ان سے یہ بات بھی ظاہر ہو چکی ہے کہ جو بحریں مروجہ عروض کے مطابق اُردو شعرا کے ہاں پائی جاتی ہیں ان سب کی تقطیع ورنک طریقے سے سہل اور سائنٹفک طور پر ہو جاتی ہے۔ موجودہ عروض کے دائروں کی بھول بھلیاں سے چھٹکارا مل جاتا ہے اور خصوصاً زحافات کی ریوڑی کے پھیر سے مطلق نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ اس بات کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی کہ کسی بحر کا کوئی خاص نام رکھا جائے شاعر یا عروضی کو۔ اگر ماترک بحر ہو تو ماتراؤں کا گن لینا اور بشرام کا قائم کر لینا کافی ہے اور اگر ورنک بحر ہو تو چودہ ارکان کی مدد سے اس بحر کی ایک جز والی یا دو یا سہ اجزائی تقطیع کر لینا اور ہر رکن کی لگھ اور گرو کی ترکیب کا جانچ لینا کوئی دشوار امر نہیں۔ کیوں کہ ان چودہ ارکان کا حفظ کرنا بھی ضروری نہیں۔ ضرورت کے موقعے پر اگر کسی رکن کا دھیان نہ رہے تو دم بھر میں ان ارکان کا نکال لینا اُس طریقے سے جس کو تفصیل کے ساتھ ذہن نشین کر دیا گیا ہے ایک معمولی سی بات ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ نوخیز شاعر یا مبتدی عروضی کو ورنک بحریں کس طرح معلوم ہو سکیں گی۔ اس کا ایک تو اسی قسم کا جواب ہے جو پہلے ماترک بحروں کے متعلق دیا گیا ہے ان چودہ ارکان کو سامنے رکھ کر ہر شاعر کو اختیار ہوگا کہ جن جن ارکان کو پسند کرے ان میں سے محض ایک رکن کو ایک بار دو بار یا جتنے بار چاہے دہرا کر یا ان ہی میں سے مختلف ارکان کے میل جول سے بے شمار بحریں اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے خود وضع کرے جو لوگ اس قدر ہمت کو نامناسب سمجھیں ان کو موجودہ عروض اور پنگل کی کتابوں میں مسلّمہ ماترک اور ورنک بحروں کی فہرستیں مل سکتی ہیں۔ ان میں سے شاعر اپنی مرضی کے مطابق بحریں چن سکتے ہیں۔ علاوہ اس کے شعرا کے کلیات طرح طرح کی بحروں سے بھرے پڑے ہیں ان کے ہاں کی کسی عمدہ بحر کو لے کر طبع آزمائی کر سکتے ہیں۔ بحروں میں خود ترنم کا فرق ہوتا ہے بعض بحریں کان کو لبھا اور دل کو موہ لیتی ہیں بعض بحریں چند آدمیوں کو سہاونی اور چند کو کم دل کش معلوم ہوتی ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ ان چودہ ارکان سے جو بحریں پیدا ہو سکتی ہیں وہ سب موزوں اور ترنم والی ہوں گی یہ اور بات ہے کہ سبھوں کا ترنم یکساں طور پر ہر شخص

کے لئے دل آویز نہ ہو۔ اس مغالطہ میں بھی نہ پڑنا چاہیئے کہ عربی عروض کی بحریں یا پنگل کے ماترک اور ورنک چھند ان چودہ ارکان سے نہیں بن سکتے۔ نہیں یہ سب چیزیں انھیں ورنک ارکان اور ماترک اصول کے مطابق ہیں۔ انگریزی نظموں کی تقطیع بھی انھیں ارکان سے ہوتی ہے۔ نوع انسان کی کسی زبان کی نظم ان اصول سے باہر نہیں۔

ہماری موجودہ عروض اور پنگل کی بحریں اگلے شعرا کی آزمودہ ہیں اور بعد کے شعرا نے ان بحروں اور چھندوں کو بزرگوں سے ورثہ میں پایا اور اپنے تجربے سے بھی ان کو سُریلا اور کام کا سمجھا لہذا ہر دور میں ان بحروں کا ہی چرچا رہا اور انھیں میں شعر گوئی ہوتی رہی۔ زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ عربی اور ہندی عروض کی پیچیدگیوں کے سلجھانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ شعرا اور عروضی پرانی لکیر کو ہی پیٹتے رہے۔ خدا بھلا کرے قدامت پسندی کے رجحان کا اس جانب توجہ نہیں ہونے پائی کہ عربی عروض کو غیر فطری زحافات کی خرافات اور پنگل کو لایعنی حسابی جھمیلوں اور چکّروں سے پاک کیا جائے اور عروض کو سادہ اور سائنٹی فک بنایا جائے۔ اس بات کو پھر جتلا دینا ضروری ہے کہ جتنی بحریں عربی عروض میں اور جتنے چھند ماترک یا ورنک پنگل میں موجود ہیں وہ سب ان چودہ ارکان سے ہی وضع ہوئے ہیں اور بے گنتی بحریں ان سے نکل سکتی ہیں اور توقع ہے کہ عروض کے سلجھ جانے کے بعد ضرور نکلیں گی۔ ایسی سادہ اور سلجھی ہوئی عروض کے میدان میں شاعر آزاد ہوگا کہ چاہے مروجہ بحروں اور چھندوں میں سے اپنی نظموں کے لئے بحریں انتخاب کرے چاہے موزونیت کے اساسی اصول اور ان چودہ ارکان کے مطابق نئی نئی بحریں اپنی سرشت کے سریلے پن کی مناسبت سے خود اپنے لئے وضع کرلے۔ اگر شاعر کامیاب ہوا اور اس کی وضع کی ہوئی بحروں نے دلوں کو فریفتہ کرلیا تو یہ بحریں بھی اردو عروض میں مسلّمہ اور مستند قرار دی جائیں گی۔

عروض کی پرلطف چیز بشرام ہے۔ پنگل والوں نے اس کے سریلے پن کو خوب سمجھا اور ماترک اور ورنک دونوں طریقوں میں بشرام کو ترنم کی لازمی شرط گردانا۔ اس میں شک نہیں عربی عروض کی بحروں میں فطرتاً بشرام موجود ہے کیونکہ جہاں بحر نے زیادہ پیر پھیلائے جہاں مصرع طویل ہوا وہاں بشرام بغیر ترنم پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن ہماری مروجہ عروض میں یہ اتفاق طور پر گھس آیا اور موجود رہا۔ عروضیوں نے اس خصوصیت کو محسوس ضرور کیا ہوگا لیکن اس پر کسی قسم کا غور نہیں کیا۔ عروض کے موزونیت والے اصول میں اسے شمار نہیں کیا۔ یہ عرض کیا جاچکا ہے اور مثالوں سے واضح کردیا گیا ہے کہ ماترک اور ورنک دونوں طریقوں میں بشرام ایک ترنم افزا قید ہے۔ بشرام

بڑی بحروں میں ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس موزونیت کی خصوصیت پر غور کرنے سے اس بات کا یقین پیدا ہوتا ہے کہ ایک مصرع کی ترنم کی لہر مصرع میں ایک یا ایک سے زیادہ نقطے ایسے ڈھونڈتی ہے جہاں وہ اونچی ہو اور پھر نیچی ہو اور اس طرح اپنے میں لہراؤ پیدا کرے۔ اس مصرع کو پڑھئے۔

نا گھر میرا نا گھر تیرا چڑیا رین بسیرا ہے

۲ ۲ ۲ ۱ ۱ ۲ ۲ ۲ ۲ ۲ ۲ ۲ ۲ ۲ ۲ ۲ ۲ ۲

۱۴ ۱۶
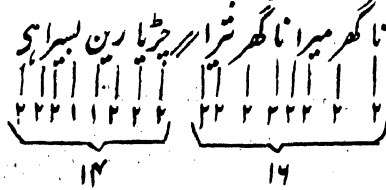
یہ تیس ماترا کی بحر ہے سولہویں پر بشرام ہے۔ اسے اس طرح پڑھئے جس طرح نظم کو پڑھنا چاہیئے۔ لَے سے پڑھئے اپنی آواز کو اس بحر کے ترنم کے قالب میں ڈالئے تو معلوم ہو گا کہ بشرام پر پہنچ کر آواز بلند ہوتی ہے جوں جوں بلند ہوتی جاتی ہے لطیف ہوتی اور سمٹتی جاتی ہے اور آخر انتہائی نقطہ پر جا کر 'چڑیا' کی آواز میں گھل مل جاتی ہے اور پھر نئے سرے سے ابھرتی اور پھیلتی ہے، پھر انتہائی بلندی کو پہنچتی ہے اور اپنے ترنم کی جھنکار کی کانوں کے پردوں کو لطیف چوٹ دے کر ہوا کے ذرّوں میں جذب ہو جاتی ہے یا جیسا کہ اب امید ہے کہ اردو میں مسلسل نظمیں لکھی جانے لگیں گی۔ یہ ترنم کی جھنکار دوسرے مصرع میں جا پڑے گی اور اس کے نغمے کے ساتھ اس طرح ضم ہو جائے گی جس طرح ایک لہر دوسری لہر سے ہم آغوش ہو کر دوسری سے ایک جان ہو جاتی ہے۔

انگریزی عروض میں بشرام کو محسوس کیا گیا اور اس کو عروض کا جز قرار دیا گیا۔ چوں کہ بشرام مصرع کے مساوی یا غیر مساوی ٹکڑے کر دیتا ہے۔ لہذا اس کا اصطلاحی نام سے زورا (Caesura) قاطع رکھا گیا۔ لیکن عام طور پر اسے پاز (Pause) یا ٹھیراؤ کہتے ہیں۔ ہر اچھے شاعر کے ہاں اس کی مثالیں ملتی ہیں شے لی (Shelly) نے اپنی نظم 'بادل' میں جہاں بشرام ہے وہاں قافیہ رکھا ہے۔

I bring light shade // for the
leaves /
when laid /

اردو میں سیدھے جانب سے لکھنے پر اس کی تقطیع یہ ہے۔

ف عل | ف عل || ف ع لن | ف عل

اُردوداں حضرات کے واسطے واضح کرنے کی غرض سے اس پر یوں الفاظ بٹھا سکتے ہیں۔

صنم چلا || مرا دل | چلا

ہمارے شعرا کے ہاں بشرام پر قافیہ لانے کی بہت سی مثالیں ملیں گی۔ انگریزی کے شعرا میں سوِن برن Swinburne عروضی حیثیت سے اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اس کی طویل بحروں والی نظمیں ہماری ماترک بحروں سے مل جاتی ہیں۔ اس کی نظم (Hesperia) کا مصرع ہے۔

but of the golden remote wild west || where the sea without shore is

۲ ۱ ۱ ۲ ۱ ۱ ۲ ۱ ۲ ۱ ۱ ۲ — ۱۳ ; ۱ ۱ ۲ ۲

اس وزن پر اُردو میں الفاظ یوں بیٹھ سکتے ہیں۔

آؤ تو جان یہاں کبھی || ہمیں تم سے گلا ہے

۱۳ ; ۱۰

بشرام ترنم کا ایک اساسی اصول ہے اور اس کو اُردو عروض کا ایک اہم اصول سمجھنا چاہیے۔

قافیے کے متعلق اس سے قبل کے مضمون میں بہت کچھ عرض کیا جا چکا ہے۔ یہاں اس بات کو جتا دینا ہے کہ قافیہ ترنم کا ایک فطری جز ہے لیکن ایسا بھی جز نہیں کہ جس کے بغیر نظم ہو ہی نہ سکے۔ شاعر کا کام چل ہی نہ سکے۔ قافیہ شاعر کا آقا نہیں بلکہ شاعر کے ہاتھ میں ایک لطیف موسیقی کا آلہ ہے۔ نظم بے قافیہ بھی ہوتی ہے اور اگر شاعر قادر الکلام

ہی تو بشرام اور دیگر عروضی نکات کی مدد سے بے قافیہ نظم کو پھیکا، بد مزہ اور بے ترنم نہیں ہونے دیتا۔ انگریزی میں بے قافیہ نظم کے متعلق یہ ایک قاعدہ سا ہو گیا ہی کہ بے قافیہ نظم عموماً انگریزی عروض کی ایک لطیف اور مقبول عام بحر (Iambicpen lametere) میں لکھی جاتی ہی۔ اس بحر کو اردو میں فعل پانچ بار کہا جائے گا۔

بشرام اور مصرعوں کے مختلف ارکان میں بشرام کی ردوبدل ضروری ہی اور یہ بھی مستحسن قرار دیا گیا ہی کہ جہاں مصرع ختم ہو وہاں جملہ کا ختم ہونا ضروری نہیں بلکہ جملہ دوسرے مصرع میں گتھ جائے اور ایک طرح کا نثر کا سا تسلسل پیدا ہو جائے۔ ان قیود کے ساتھ کوئی واقعی شاعر بے قافیہ نظم سے بھی حیرت ناک ترنم پیدا کر سکتا ہی۔ ملٹن کے یہ پونے دو مصرعے ملاحظہ ہوں۔

Him the / Almighty Power

Hurled head/long fla/ming through/the ethe/real sky.

شیکسپیر کی بے قافیہ والی نظم کی یہ مثال بلحاظ بشرام غور کے قابل ہی۔

The po/ets eye // in a fine / frenzy / rolling //

Doth glance / from Earth / to Heaven // from Heav en/to Earth,

And as/ ima/gina/tion bo/dies forth //

The forms/of things/unk nown // the po/ets pen //

Turns them / to shapes // and gives / to airy no things //

A lo/cal ha/bita/tion and / a name.

موقع موقع سے التزام کے آنے نے ترنم کو دوبالا کر دیا ہے اور یہاں اس جانب بھی توجہ دلا دینی ہے کہ فعل (Iamb) کی بجائے (فاع (Trochee) اور (فَ ع لن - Anapaest) کے بدل دینے سے ترنم میں گوناگونی پیدا ہو گئی ہے۔ انگریزی عروض کا سب سے بڑا قانون اور ترنم کا راز یہ ہے کہ ایک مصرع میں شاعر جہاں چاہے ایک جزوالے رکن کی جگہ دو اجزائی یا سہ اجزائی رکن بدل سکتا ہے اور اسی طرح دو اجزائی یا سہ اجزائی رکن کی جگہ ایک جزوالے سے کام لے سکتا ہے۔ اوپر کی شیکسپیر کے ہاں کی مثال میں ہر مصرع پانچ رکن کا ہے اور ہر رکن (فَ عل) ہونا چاہیئے لیکن پہلے مصرع میں تیسرا رکن (فَ ع لن) اور چوتھا اور پانچواں (فاع) ہے۔ اسی طرح پانچویں مصرع میں پانچواں رکن (فَ ع لن) ہے۔ اُردو عروض میں بھی یہ اصول نظرتاً موجود ہے اور اسی کے تحت جیسا کہ ایک جگہ بتلایا گیا ہے شاعر جو دہ ارکان میں سے چند ارکان کو چن کر بحریں بنا سکے گا اور اس بحر میں نظم کے دوران میں خیال کے بہاؤ کی ضرورتوں کے لحاظ سے جس مصرع میں چاہے ارکان میں رد و بدل کرلے۔

بے قافیہ نظم کے ضمن میں اتنا عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ اس قسم کی نظم سے ڈراما میں کام لیا جاتا ہے۔ جہاں اس کی سخت ضرورت ہوتی ہے کہ مکالمہ نثر والی موزونیت سے دُور نہ جا پڑے اور زیادہ لطیف ترنم آدمیوں کی اصلی بول چال سے اس کو بہت مغایر نہ کردے۔ انگریزی شاعری میں بے قافیہ نظم سے لے یک میں بھی کام لیا گیا ہے اور ملٹن اور ٹے نی سن جیسے شعرا نے اس پر سریلے پن اور کامیابی کی مہر ثبت کردی ہے اس راقم کا خیال ہے کہ یوں تو ہر شاعر آزاد ہے کہ جہاں اور جس قسم کی چاہے بے قافیہ نظم میں گیت الاپنے لگے لیکن سوائے ڈراما کے اور صورتوں میں بے قافیہ نظم مستحسن نہیں۔ اُردو میں اول تو اب ڈراما نثر میں ہونا چاہیئے کیوں کہ ڈراما اصلیت کا زبردست چربا ہے اور اب ڈراما کا بڑا کام یہی ہے کہ انسانی سماج کے نہایت اُلجھے ہوئے مسائل کو سلجھائے۔ اور اس کام کے لئے صرف نثر اور وہ بھی ادبی نفاست اور ترنم والی نثر ہی موزوں ہے۔ یوں اگر بے قافیہ نظم کی جانب توجہ ہو اور کوئی وجہ نہیں کہ اُردو ادب میں بے قافیہ نظم کے نمونے نہ ہوں۔ تو بہتر یہ ہوگا کہ اس کے لئے کوئی خاص بحر مخصوص کرلی جائے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ اُردو میں فعولن پانچ بار بعینہ وہی کام دے گی جو انگریزی میں فَ عل پانچ بار سے لیا جاتا ہے اس خصوص میں بحث زیادہ سودمند نہ ہوگی۔ یہ محض ایک مشورہ ہے اور اس سلسلے کے پہلے مضمون کے عنوان پر شیکسپیر کی اوپر والی مثال کا ترجمہ اسی بحر میں۔ فعولن کو پانچ بار لے کر تجربے کے طور پر بے قافیہ کیا گیا ہے۔ زیادہ سودمند بات یہ ہوگی

کہ موزوں طبیعت والے حضرات اس قبیل کے تجربے کریں اور کیا عجب ہی کہ کسی قابل دماغ کا سریلا پن بے قافیہ نظم کے لئے اس بحر پر مقبولیت کا سکہ بٹھا دے۔

اُردو عروض کے سلسلے میں ' اصناف سخن ' کا ذکر ناگزیر ہی۔ اُردو شاعری والے مضمون میں شاعری کی موجودہ اصناف کے متعلق کافی طور پر عرض کیا جا چکا ہی اور اس بات کا مشورہ دیا گیا ہی کہ مروجہ اصنافِ سخن کو بدردی کے ساتھ اُردو شاعری سے خارج کرنا مناسب ہی ان اصنافِ سخن کے ساتھ قافیہ کا استبداد پریشان گوئی کی ہلکت ایسی گتھ سی گئی ہی کہ ان سانچوں میں نظم کا لکھنا اور پھر قافیے کی مطلق العنانی مقررہ پتھرائے الفاظ اور ترکیبوں کے جبر اور بے سلسلہ گفتار کے خواب پریشان سے شاعری کی لطیف اور حسین دنیا کو پاک وصاف رکھنا ناممکن نہ سہی تو بھی سخت دشوار ضرور ہی۔

اُردو میں لی رک شاعری کی بڑی کمی ہی اور لی رک جانِ شاعری ہی۔ لی رک کی دو زبردست خصوصیتیں ہیں۔ لی رک کا ترنم انتہائی ہونا چاہیئے۔ یہاں تک کہ موسیقی سے جا بھڑے۔ دوسری خصوصیت یہ ہی کہ لی رک نظم کا لفظ لفظ احساس میں ڈوبا ہوا ہو اور جذبات کی بجلی سے تھراتا تھراتا ہو۔ ترنم میں ڈوبے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ لی رک میں عروضی قیدیں زیادہ لگائی جائیں۔ لی رک کی بحر میں التزام ضروری ہی اور قافیہ بھی اٹل ہی۔ اس پر ایک قید اور اضافہ کی جاتی ہی وہ یہ کہ لی رک کو بندوں میں تقسیم کیا جائے۔ ہر بند میں قوافی کی خاص ترتیب ہو اور مصرعے یا برابر کے ہوں یا چھوٹے بڑے مگر مستحسن یہی ہی کہ ہوں ترتیب سے اور التزام ہر مصرع میں اپنے اپنے موقعے سے ہو۔ اسے خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ بند میں ہر مصرع کا مساوی ہونا ضروری نہیں ہی۔ بند کو بہ حیثیت مجموعی ایک ترنمی جسد تصور کیجئے۔ مصرعے چھوٹے ہوں یا بڑے قوافی کی ترتیب ہو یا نہ ہو بڑی شرط یہ ہی کہ کل مصرعوں اور قوافی میں ایسی عضو بندی ہو کہ بند کا بند گٹھا ہوا چست ورزشی سڈول جسم بن جائے جس کے ہر عضو میں تناسب اور نغمے کی امنگ ہو۔ اس طرح ہر بند اپنی اپنی جگہ ایک مکمل جسد ہو کر خود اور بندوں سے یوں جوڑ کھاتا جائے کہ پورا لی رک ایک جیتی جاگتی ترنم ریز بجلی بھری ہستی بن جائے جس کے مُنھ سے پھول جھڑیں اور ہر پھول۔ نہیں۔ ہر پھول کی ایک ایک پنکھڑی جذبات کے قوس وقزح والے رنگوں کی بہار دکھاتی ہو اور صداقت اور اصلیت کی باس میں اس قدر بسی ہوئی ہو کہ لوگ ان پھولوں کا گہنا اپنی عقل کے لئے بنائیں اور ان کو اپنی روح کے حافظ والے گلدان میں سجائیں۔

انگریزی شعرا کے ہاں طرح طرح کے بندوں کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ اگر اُردو کے شعرا خود بند وضع کرنے سے جی چرائیں تو انگریزی شعرا کے کلیات میں سے اپنے مذاق کے مطابق بند چُن سکتے ہیں۔ انگریزی شاعری میں نفیس نفیس اور آزمودہ بند آسانی سے ملتے ہیں اس لئے کہ انگریزی عروض نے اس بارے میں اپنے شعرا کو صدیوں سے آزادی دے رکھی ہے۔ لیکن بند کا وضع کرنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ بند دو مصرعوں کا ہو تو ظاہر ہے کہ اس میں کوئی دقت ہی نہیں ہوگی۔ قافیہ کا وجود بوسہ کی طرح دو مصرعوں سے ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا سب میں چھوٹا بند بیت ہے اور مثنوی گویا ابیات کی ایک لڑ ہوتی ہے۔ مثنوی بڑے کام کی چیز ہے اور اگر بکھری بکھری لڑیں نہ ہوں مصرعے اور ابیات خیال کے بہاؤ کے ساتھ ایک دوسرے میں ضم ہوتے جائیں تو مثنوی شاعری کی ایک کارآمد صنف بن جاتی ہے اور نظم میں قصّے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی سانچا نہیں۔ مثنوی کی بیتوں میں اگر مصرعے چھوٹے بڑے رکھے جائیں تو ترنم تو غالباً زیادہ ہو جائے لیکن قصّے کے لئے جس قدر ترنم کی ضرورت ہے اس سے زیادہ یا کم ہوتے ہی بیان کے تسلسل کو صدمہ پہنچے گا۔

تین مصرعوں کے بند میں میدان ذرا وسیع ہو جاتا ہے اور اس میں قوافی کی ترتیب ایک تو یہ ہو سکتی ہے کہ تینوں مصرعے ہم قافیہ ہوں یا یہ کہ کوئی سے دو ہم قافیہ ہوں پہلا اور دوسرا یا پہلا اور تیسرا یا دوسرا اور تیسرا۔ چار مصرع والے بند یا اپنی پُرانی اصطلاح کے مطابق رباعی میں بھی ترتیب قوافی گوناگوں ہو سکتی ہے ایک تو یہی ترتیب ہے کہ چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں یا یہ کہ پہلا دوسرا اور چوتھا ہم قافیہ ہوں رباعی کی ترتیب قوافی اس طرح سہولت سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

(۱)	(۲)	(۳)	(۴)	(۵)
الف	الف	الف	الف	—
الف	الف	ب	—	الف
الف	—	ب	—	الف
الف	الف	الف	الف	—

نمبر ۲ فارسی اور اُردو کی رباعی کی عام ترتیب قوافی ہے۔ نمبر ۳ میں ٹے نی سن (Tennyson) کی

بہترین نظم ان مے موریم (*In memoriam*) ہی

اس وقت رباعی کا ذکر آ گیا ہی۔ اس لئے اس کے بارے میں یہ عرض کر دینا ضروری ہی کہ اس کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آئی کہ رباعی کے لئے خاص بحریں معین کی جائیں یا یہ کہ بحریں مقرر کر لینے کے بعد ان کے سوا کسی بحر میں رباعی نہ لکھی جائے۔ رباعی کی چوبیس بحروں میں سے بیشتر نہایت بھونڈی اور ثقیل ترنم کی ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیئے کہ شاعر یہاں بھی آزاد رہے اور جس بحر میں چاہے رباعی لکھے۔ بے قافیہ نظم میں چوں کہ قافیہ جو ترنم کے لئے ایک ضروری شئے ہی نہیں ہوتا وہاں کسی ایک خوش آیند بحر کا تعین کرنا اس لئے لازم ہو جاتا ہی کہ بے قافیہ نظم پھیکی نہ پڑ جائے لیکن انگریزی عروض پھر بھی شاعر کو آزادی رکھتی ہی کہ جس بحر میں چاہے لکھے جب رباعی میں قافیہ ضروری ہی تو پھر کسی بحر یا بحروں کا تعین ضروری نہیں رہتا۔

ہر رباعی کو ہمارے ہاں کے پریشاں گوئی کے رجحان نے جداگانہ چیز بنا دیا ہی۔ کسی شاعر کی رباعیات کا مجموعہ لیجیے۔ ہر رباعی ایک علٰحدہ شئے ہوگی۔ ایک رباعی کو دوسری سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ سون برن نے لاس وی نریس *Laus Veneris* میں دو رباعیوں کو ملا کر آٹھ مصرع والا لطیف بند اس طرح بنایا ہی۔

. . . . الف
. . . . الف
. . . . ب
. . . . الف
. . . . ج
. . . . ج
. . . . ب
. . . . ج

ہمارے ہاں رباعی میں عام طور پر جو تیسرا مصرع جداگانہ ہوتا ہی اس کو دوسری رباعی کے تیسرے مصرعے کے ساتھ ہم قافیہ کر کے دو رباعیوں کو گونتھ سا دیا ہی۔

شاعر جب چو مصرعی بند سے آگے بڑھے گا تو ترتیب قوافی اور مصرعوں کو ترتیب وار یا بلا ترتیب چھوٹا بڑا رکھنے سے عجیب عجیب سریلی چیزیں پیدا کی جا سکتی ہیں۔ مگر شرط یہ ہی کہ لوگ نڈر ہو کر تجربے کے میدان میں قدم رکھیں

آزمائش کے طور پر نظمیں لکھیں۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ پہلے پہل رطب و یابس بھونڈی بدمزہ نظموں کا ایک طوفان بے تمیزی برپا ہو جائے لیکن رفتہ رفتہ خداداد دماغ بعض بندوں کو اپنی شاعری اور ترنم کے جواہرات سے انمول بنا دیں گے نئی راہوں کو شاہ راہ عام کر دیں گے۔

جی تو بہت چاہتا ہے کہ بعض قسم کے بندوں کا کچھ ذکر کیا جائے لیکن ان کی اُردو مثالیں دنیا قریب قریب ناممکن ہے۔ جو اصول پیش نظر رہنا چاہیئے وہ یہی ہے کہ شاعر اپنے خیالات اور اپنی روح کے نغمے کے مطابق بند وضع کرے جس وقت شاعر کے انجان کی گہرائیوں میں سے خیالات اور جذبات کنول کی کلیوں کی طرح لہراتے دماغ کے شعوری بہاؤ کی سطح پر آتے ہیں تخیل کے جان ڈالنے والے سانس سے کھلنے لگتے ہیں تو شاعر کے دل میں ایک موہوم سا ترنم کسی بھولی ہوئی شے کی طرح پھرنے لگتا ہے اور شاعر اس کھوج میں پڑجاتا ہے کہ ایک موزوں عروضی سانچے میں اُس ترنم کو پوری طرح مقید کرلے جو دُور سے اپنے دل فریب سہانے راگ سے روح کو بے چین ضرور کرتا ہے لیکن قابو میں نہیں آتا۔ ایسی صورت میں بہترین چیز یہی ہو سکتی ہے کہ شاعر کے سامنے بنے بنائے اور تجربہ کئے سانچے بھی موجود ہوں اور نئے سانچے بنانے کا ساز و سامان بھی مہیا ہو تاکہ وہ آسمانی ترنم جو اس کی روح کو مست اور گا پڑنے کے لئے بے تاب کر رہا ہے کسی موزوں سانچے میں پھوٹ پڑے۔ غلط سانچے میں پڑ کر کرخت اور بدمزہ نہ ہونے پائے۔ ادب کی ایک لطیف زندہ شے محض غلط سانچے اور انتخاب کی آزادی کے نہ ہونے سے ایک بھونڈی اور مردہ چیز کی صورت معرضِ وجود میں نہ آئے۔

یہ ہے اُردو عروض جو اس راقم کے خیال میں اُردو کی سرشت، بوباس اور رکھ رکھاؤ کے لحاظ سے ہونی چاہیئے اس کی بنیاد دیسی پنگل ہے اور اس میں عربی عروض کی وہ چیزیں جو اس کی جزو بدن ہو چکی ہیں جوں کی توں باقی رہتی ہیں۔ البتہ وہ چیزیں جو اُردو کے معدے سے ہضم نہ ہو سکیں اور جن سے اُردو شاعری میں ڈراؤنے اور پریشان خواب نمودار ہوئے ان کا شاعری کی تندرستی اور پھولنے پھلنے کی نیت سے تنقیہ کر دیا گیا ہے۔ انگریزی عروض کی وہ عام اصولی باتیں جو آزادی کی جان ہیں اور جو ایک آزاد اُگنے اور پھیلنے والی قوم کی تندرست زندگی کا لازمی پھل ہیں اُردو عروض کے لئے اساسی امور قرار دی گئی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ "ایجاد بندہ، بیشتر گندہ بھی ہوتی ہے اور بہت ممکن ہے کہ زمانہ اس عروضی نظام کو جو

اس مضمون میں پیش کیا گیا ہی، خشکہ باگندہ بروزہ، ثابت کرے لیکن راقم کا جی زمانہ کی اتنی عنایت چاہتا ہی
کہ یہ عروضی اصول اور طریقے تجربے کی کٹھالی میں ڈالے جائیں اور پھر کھرے یا کھوٹے طے پائیں۔ یہ نہ ہو کہ بے تو جہی
کے کھتے میں قدامت پسندی بغیر آزمایش کے پھکوا دے یا بلا جانچ پڑتال کئے نسیان کی عمر عیار روالی زنبیل کے
حوالہ کردے۔

محمد عظمت اللہ خاں

جگت بھاشا

یورپ کی جگت بھاشاؤں پر ایک اجمالی تبصرہ

از جناب سید وہاج الدین صاحب بی اے۔ بی ٹی

رسالہ اُردو کے گزشتہ نمبر میں روبین رولینڈ کے ایک مختصر مضمون کا ترجمہ درج کیا جا چکا ہے
مضمون زیر بحث میں ان مختلف تحریکات پر ایک اجمالی نظر ڈالی گئی ہے جو یورپ میں وقتاً فوقتاً
"جگت بھاشا" کی ترویج کے متعلق ہوتی رہیں۔ اسی ضمن میں ان عام اصولوں کا بھی بیان کیا
گیا ہے جو جگت بھاشا کی ساخت میں پیش نظر رہنے چاہئیں۔

زبانوں کے اختلاف کی وجہ سے جن دقتوں کا سامنا ہوتا ہے، اُن سے ہر شخص واقف ہے، اور آج سے نہیں بلکہ آغاز تمدن سے لے کر آج تک یہی دقتیں بدستور محسوس کی جا رہی ہیں۔ ایک تو زبانوں کی کثرت، اور پھر ان میں سے ہر ایک کی مخصوص پیچیدگیاں یہ وہ رکاوٹیں ہیں جنھیں زبردست سے زبردست ماہر السنہ بھی دور نہیں کر سکتا۔ اگر عمر انسانی کا بیشتر حصہ صرف مختلف زبانیں حاصل کرنے کے لیے وقف کر دیا جائے تو بھی معدودے چند زبانوں پر قدرت ممکن ہے، اور ترجمانوں کی منت پذیری بدستور باقی رہتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تہذیب و تمدن کی ترقی، اور سیاسی حالات کے اتار چڑھاؤ نے مختلف وقتوں میں اِن دقتوں کو کسی قدر کم ضرور کر دیا تھا، اور یونانی، لاطینی، عربی اور انگریزی زبانوں میں سے ہر ایک باری باری سے دنیا کے وسیع رقبوں پر مسلط رہ چکی ہیں اور شیوع خیالات میں کافی حصہ لے چکی ہیں، لیکن علمی زبانوں کی حد سے گزر کر عالمگیر زبان بننا ان میں سے کسی ایک کو نصیب نہ ہو سکا، اور یہ ہوتا بھی کیسے؟ اگر ایک طرف زبانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا تو دوسری طرف قومیت کی روح بھی اندر ہی اندر اپنا کام کرتی رہی، اور اس کا نتیجہ آج ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ بجائے اس کے کہ مختلف زبانیں

مرکز کی طرف رجوع کریں، اُس سے دور دور پھیل رہی ہیں اور دنیا کی علمی زبانوں کی تعداد جتنی آج ہے اتنی پہلے کبھی نہوئی ہوگی۔ بجائے اس کے کہ دوسری زبانیں حاصل کر کے ان کے موتیوں کو رولا جائے آج وطن خواہی کا تقاضا یہ ہوگیا ہے کہ اپنی زبان کو مستعار سرمایہ سے مالا مال کیا جائے، دوسری زبانوں میں اپنی علمی تحقیقات کا اظہار معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ایک زبان کے خزانے دوسری زبانوں کے لیے اسی طرح بند کے بند ہیں۔ کبھی کبھی ترجمہ کی مدد سے اس خامی کو رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن جب ترجمہ خود ہی تشنہ ہو تو تشنہ کامانِ علم کی پیاس کیونکر بجھے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی عام زبان کو قبول کرنے یا بنانے کا مسئلہ روز بروز زیادہ اہم ہوتا جاتا ہے۔

اس مسئلہ کے حل کی ایک بدیہی صورت تو یہ ہے کہ السنۂ مروجہ میں سے کسی ایک کو جگت بھاشا بنا دیا جائے، اور بین الاقوامی خیالات کی ترجمانی اسی کے سپرد کر دی جائے لیکن وہ زبان کونسی ہو؟ کیا مردہ زبانوں میں سے کسی ایک کو قالب بدل کر دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے، یا موجودہ زبانوں ہی میں سے کسی ایک کو جگت بھاشا کے منصب جلیلہ پر فائز کیا جائے۔ یہ دوسری صورت پہلی سے کہیں زیادہ دشوار ہے، سیاسی رقابتیں اور سماجی تعصبات اس بات کی کب اجازت دینگے کہ کسی ایک زبان کے بولنے والوں کو دوسروں پر ناجائز فوقیت دی جائے۔

ہندوستان کا تو ذکر ہی کیا کہ جہاں ہر زبان، دوسری زبانوں سے بہ لحاظ رسم الخط جدا ہے، ذخیرہ الفاظ وغیرہ متبائن ہے، خود یورپ میں جہاں مختلف زبانیں آپس میں بہت کچھ مشابہ ہیں، کسی ایک زبان کا انتخاب زبردست بین الاقوامی خطرہ خیال کیا جاتا ہے، اور اسی سبب سے ایک موقعہ پر یہ تحریک پیش کی گئی تھی کہ ناروے کی زبان کو عام زبان بنایا جائے کیونکہ اول تو اس کی ساخت سادہ ہے، اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ یہ ایک چھوٹی سی قوم کی زبان ہے اور اس کے قبول کرنے میں سیاسی رقابتوں کا اندیشہ بہت کم رہ جاتا ہے!!

اب اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کر لیا جائے کہ خالص علمی خدمت کے جوش میں مختلف اقوام عام اپنی رقابتوں کو پس پشت ڈال کر کسی ایک زبان کو متفقہ طور پر تسلیم کر لیں گی، تو بھی دوسروں کے لیے اس 'غیر زبان' پر حقیقی معنوں میں حاوی ہونا قریب قریب ناممکن ہے۔ فطری زبانوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جسے صحیح معنوں میں آسان کہا جا سکے۔ بلکہ یہ کہنا کہ سب فطری زبانیں یکساں طور پر مشکل ہیں، حقیقت سے زیادہ نزدیک ہوگا،

اگرچہ ان میں سے بعض اپنے پیچیدہ رسم الخط، اور غیر صوتی ہجا ر کی وجہ سے ضرورت سے زیادہ مشکل ہوگئی ہیں۔

فطری زبانوں کی دقت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اُن میں اظہار خیال کی پوری پوری صلاحیت نہیں پائی جاتی اور اس کی یہ وجہ ہے کہ ہر زبان کی ساخت اور ترکیبوں میں عقل اور استدلال کا حصہ بہت کم ہوتا ہے۔ زبان کا اہم ترین جزو ذخیرہ الفاظ ہوا کرتا ہے، اور ہر زبان میں سرمایہ الفاظ اکثر و بیشتر قیاسی و اعتباری ہوتا ہے، معدودے چند الفاظ کو چھوڑ کر، بہت کم لفظ ایسے ہوتے ہیں جن کے اصوات و معانی میں کوئی نسبت پائی جائے۔ کہنے کو تو قواعد وضوابط بھی موجود ہیں، لیکن ان نام نہاد قواعد میں صحت انطباق کا بہت کم وجود ہوتا ہے، بے ترتیبیاں، مستثنیات، تذکیر و تانیث کے جھگڑے، بے قاعدہ، اور باقاعدہ الفاظ کا سوال یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ کسی جملے کو بحیثیت نمونے کے قبول کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ مذکورہ بالا خیالات کی روشنی میں حکمت بھاشا کے مسئلہ کا ایک حل یہ ہو سکتا ہے کہ کسی موجودہ زبان کو لے کر اُسے معقول اور باقاعدہ بنایا جائے، یعنی بجائے سماعی اور قیاسی ترکیبوں کے، خاص اصول پر زبان کو مرتب کیا جائے اور غیر ضروری پیچیدگیوں کو دور کیا جائے، اس کی ایک سہل سی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کچھ الفاظ منتخب کر لیے جائیں، اور ان کا استعمال بحیثیت مادوں کے کیا جائے اور اشتقاق اور ترکیب سے ان مادوں سے نئے الفاظ بنائے جائیں۔ اگر اس طرح بنائے ہوئے الفاظ ضرورت سے زیادہ بڑے ہو جائیں تو اُس صورت میں مادوں کے اختصار پر غور کیا جا سکتا ہے، اور ایسی ترمیمات کی جا سکتی ہیں کہ الفاظ کے اشکال اور معانی میں کوئی اقتباس نہ ہو، اور تلفظ میں غیر ضروری پیچیدگیاں نہ پڑنے پائیں۔

یورپ میں حکمت بھاشا کے متعلق جتنی تحریکات ہوئیں اُن میں اسی قسم کے اصولوں پر عمل کیا گیا ہے، اب ہم ان تحریکات کی مختصر تاریخ درج ذیل کرتے ہیں۔

(۱) وُلاپُک (Volapück)

یہ سب سے پہلی مصنوعی زبان ہے جس نے یورپ میں کامیابی حاصل کی۔ سب سے پہلے اس زبان کے متعلق ۱۸۸۰ء میں ایک رسالہ شائع ہوا، اس کا مصنف ہے۔ ایم شلی یر (Schleyer) جرمنی کا ایک پادری تھا، اس سے پہلے بھی حکمت بھاشا کے متعلق دو مصنفین اظہار خیال کر چکے تھے، ڈالگرنو (Dalgarno) نے ۱۶۶۱ء

میں اور وِلکنس (Wilkins) نے ۱۶۶۸ء میں اپنے مختلف رسالے Ars Synorum اور The Real character شائع کئے تھے، ان دونوں کی کوششیں معقولی و اصولی زبان مرتب کرنے کے بارے میں ہوئیں، لیکن کچھ تو اس وجہ سے کہ یہ لوگ علم السنہ کے ماہر نہ تھے، اور کچھ اس سبب سے کہ دنیا اس قسم کی تحریکات کے لیے تیار نہ تھی، ان کی کوششیں ادھوری رہیں۔ وُلاپک اپنے ان پیشرووں کے برخلاف ایک مستعار زبان تھی اور اس کے ذخیرۂ الفاظ کا معتدبہ حصہ تو انگریزی سے ماخوذ ہے، اور بقیہ لاطینی، اور رومن زبان سے لے لیا گیا ہے۔ جو الفاظ مستعار لیے گئے ہیں اُن کو مختصر کر کے ایک ایک جز صوتی (Syllable) باقی رہنے دیا گیا ہے، اور بعض اوقات اُن میں قیاس سے کام لے کر رد و بدل بھی کیا گیا ہے، چنانچہ یہ نام (Volapuck) ہی دو انگریزی الفاظ (World = عالم) اور (Speak بولنا) سے بنایا گیا ہے فاعل ظاہر کرنے کے لیے صرف مادہ لکھا جاتا ہے اور انگریزی قاعدے سے اُس کے آخر s بڑھا کر جمع بناتے ہیں اسمائے صفت مادہ کے آخرین لاحقہ بڑھا کر بنائے جاتے ہیں۔ ضمائر کا اظہار حسب ذیل طریقہ پر ہوتا ہے،

فعل Love = Lof محبت کرنا

	واحد	جمع
متکلم	Löf - ob	Löf-obs
حاضر	Löf ol	Löf ols
غائب	Löf om	Löf oms

زمانے اور فعل کی مجہول حالتیں سابقوں سے ظاہر کی جاتی ہیں۔ ان تغیرات کی وجہ سے وُلاپک کے افعال کی ۵۰۵۴۴۰ مختلف اشکال ہوگئی ہیں، وُلاپک کی اساس تو زبان انگریزی ہے لیکن اس کی ساخت تمام تر جرمن ہے۔ صرف جرمن قواعد کی بے ترتیبیوں کو خارج کر دیا گیا ہے، ذیل میں اس زبان کا نمونہ اور اس کا انگریزی ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

Lofob Kemenis valik vola lolik.
Patiko etis pekulivols, kels Konfidoms volapuke asbale

medas gletiklun netasfetana

انگریزی ترجمہ

I love all my fellow creatures of the whole world specially those cultivated (ones) who believe in volapuk as (being) one of the greatest means of nation buildnig.

دو زبردست اصول جو ولاپک کی تاریخ کے مطالعہ سے مستنبط ہو سکتے ہیں حسب ذیل ہیں اول تو یہ کہ لوگ مصنوعی زبانیں قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو سکتے ہیں، اور دوسرا یہ کہ مصنوعی زبان فطری زبانوں کے مقابلہ میں زیادہ سہل الحصول ہے۔ علم السنہ کے اعتبار سے اگرچہ ولاپک میں زیادہ خوبیاں نہیں ہیں، پھر بھی اپنی ابتدا کے پہلے پانچ سال میں یہ فرانس میں اچھی طرح پھیل گئی، اور چند ہی سال میں تمام متمدن دنیا میں اس کا چرچا ہو گیا یہاں تک کہ جب اس زبان کی تیسری کانگرس پیرس میں ۱۸۸۹ء میں منعقد ہوئی تو اس وقت کل دنیا میں اس زبان کی (۲۸۳) انجمنیں تھیں اور اس کے طلبا کی تعداد دس لاکھ تک پہونچ گئی تھی۔ حتیٰ کہ وہ خادم بھی جو اس کانگرس کے موقع پر موجود تھے اسی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ لیکن بدقسمتی سے اسی سال آپس کے اختلافات کی وجہ سے اس تحریک کا خاتمہ ہو گیا یہاں تک کہ ۱۸۹۳ء میں معتقدین نے اپنا تعلق موجد سے بالکل توڑ ڈالا اور ایک جدید صدر کی نگرانی میں ایک دوسری ہی زبان (Idiom neutral) کی ترویج و اشاعت میں مشغول ہو گئے

(۲) اسپرانٹو Esperanto

اس دوسری بین الاقوامی زبان کی ترویج کی پہلی کوشش ولاپک کے سات سال بعد ۱۸۸۷ء میں کی گئی۔ اس کا موجد ایک روسی طبیب زامن ہوف تھا جو بلاسٹک (روس) میں ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوا، باشندگانِ روس مختلف قومیت رکھتے ہیں، اور روسیوں، پولوں، جرمنوں اور یہودیوں کی ہمیشہ کی خانہ جنگیوں نے اس شخص کے

ذہن کو ایک عام زبان رائج کرنے کی طرف متوجہ کیا، اور قومی زبانوں کے بدلے میں قومی زبان کا رواج ہی اسے اتفاق و یکجہتی کا ذریعہ نظر آیا، پہلے اُس نے کسی مردہ زبان کو لے کر اُس کی از سرِ نو اشاعت کا خیال کیا، لیکن بعد کو یہ خیال جاتا رہا، اور جب اُس نے اپنی تحقیق سے یہ معلوم کیا کہ ہر زبان کا سرمایۂ الفاظ علٰحدہ اور غیر متعلق مادوں پر مشتمل نہیں ہوا کرتا بلکہ ان مادوں کی ایک مختصر سی تعداد سے بذریعہ اشتقاق و اخذ الفاظ بنائے جاتے ہیں، تو اس نے جدید اصولوں پر ایک علٰحدہ اور مستقل زبان بنانے کا ارادہ کر لیا۔

سب سے پہلے اس نے یہ کوشش کی کہ اپنی زبان کے لیے علٰحدہ مادّے بنائے، لیکن بالآخر یہ بھی وولاپک کے موجد کی طرح رائج الوقت زبانوں کے مادے مستعار لینے لگا، اور مشہور یورپین زبانوں کے مادے داخل کیے پہلے مختلف زبانوں کے مشترک الفاظ کو لہجوں کے رد و بدل کے ساتھ داخل کیا گیا اور جہاں ایسے الفاظ نہ مل سکے وہاں لاطینی و فرانسیسی اور جرمن اور انگریزی زبانوں کے الفاظ لیے گئے۔ املا میں حتی الوسع اصوات کا خاص خیال رکھا گیا۔ چنانچہ انگریزی لفظ Right کا املا اسپرانٹو میں (Rajt) ہے۔ جرمن الفاظ کے انتخاب میں بین قومیت کے اصول کا زیادہ لحاظ نہیں کیا گیا، اور اکثر وہ الفاظ منتخب کیے گئے جو مخصوص طور پر جرمنی میں مستعمل ہیں، لیکن جرمن خاندان السنہ میں عام طور پر مستعمل نہیں ہیں چنانچہ Drink کے بدلے Trink رکھا گیا حالانکہ d کو t میں تبدیل کرنا صرف جرمنی کے لیے مخصوص ہے۔ مادّوں کی تعداد کو حتی الامکان کم کیا گیا چنانچہ ایسے الفاظ صرف ۲ ہزار ۶ سو ۴۲ ہیں۔ یہ کمی حاصل کرنے کے لیے سابقوں کا استعمال آزادانہ کیا گیا ہے چنانچہ ہر لفظ کا عکس ظاہر کرنے کے لیے صرف اُس پر سابقہ mal بڑھا دیا جاتا ہے چنانچہ Good=Bona کا اُلٹا Bad = Malbona ہے، اور Amiko = دوست کا الٹا malamiko دشمن ہے۔

قواعد کا کچھ حصہ تو وولاپک کی طرح مستعار ہے اور کچھ مستخرجہ ہے یعنی اصول فرض کر کے قواعد و فروعات نکالے گئے ہیں چنانچہ حروف علت کا، لفظ کے آخر میں استعمال اسی مؤخر الذکر قسم کا ہے۔ لاحقہ a اسمائے صفت کے اظہار کے لیے اور - اسم ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً = Dear friend
Kar = ā amik - ō

نقش ثانی ہونے کی حیثیت سے اس زبان کو اپنے پیش رو پر بہت کچھ تفوق حاصل ہے۔ نیز اس زبان کے حامی والاپک کے افسوسناک انجام سے متنبہ ہو گئے ہیں اور تمام امور متنازعہ فیہ میں موجد کے فیصلہ کو ناطق تسلیم کرتے ہیں۔

---

(۳) ایڈیم نیوٹرل Idiom neutral

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے والاپک کانگریس میں اختلافات کی بنا پر، ڈاکٹر روزن برگر کی زیر صدارت ۱۸۹۳ء میں ایک علیحدہ انجمن قائم ہوئی تھی اور اس زبان کا پہلا رسالہ ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا۔ ولاپک اور اسپرانٹو کے برخلاف اس زبان کی ساخت میں زائد ترین بین قومیت، قائم رکھنے کا اصول مدنظر رہا ہے۔ سات مشہور یورپین زبانوں (یعنی انگریزی۔ فرانسیسی، اطالوی، روسی اور لاطینی) کے بغور مطالعہ سے یہ امر معلوم ہوا کہ فی الحقیقت بین قومی۔ مادوں کی تعداد اُتنی کم نہیں ہے جتنی کہ عام طور سمجھی جاتی ہے۔ بہت سے مادے مثلاً nr = Tri Three ایسے ہیں جو مشترکہ طور پر ساتوں میں پائے جاتے ہیں، اور اس زبان میں کوئی بھی مادہ ایسا نہیں۔ شامل کیا گیا، جو کم از کم چار زبانوں میں مشترک نہو، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسپرانٹو کے برخلاف جو مختلف زبانوں کا ایک معجون مرکب ہے، اس زبان کے الفاظ میں رومانی، لاطینی خاندان السنہ کا سرمایہ زیادہ ہے، یعنی فرانسیسی اطالوی، یونانی اور لاطینی کے الفاظ، مثلاً ایڈیم نیوٹرل کے الفاظ (پرند) ornit اور (دن) dium کسی مزید تشریح کے محتاج نہیں ہیں، حالانکہ اس پرانٹو کا لفظ پرندہ bird صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو انگریزی سے واقف ہوں، علیٰ ہذالقیاس دِن = tag صرف جرمن بولنے والوں کی سمجھ میں آسکتا ہے۔

اپنے پیشرووں کے برخلاف اس زبان کی قواعد تمام تر مستعار ہے اور بعض بعض قواعد تو بجز اس کے کہ رومانی اور فرانسیسی کی کورانہ تقلید ہوں اور کچھ بھی نہیں ہیں، بہر حال یہ ضرور ہے کہ اب تک جتنی زبانیں عام بنائی گئیں اُن سب میں یہ سہل ترین ہے اور یورپ کا ہر تعلیم یافتہ شخص اسے کچھ نہ کچھ سمجھ سکتا ہے۔ ذیل میں اُس خط کا ایک حصہ درج کیا جاتا ہے جو نارفے کے ایک ڈاکٹر نے ایک روسی طبیب کو اس زبان میں لکھا تھا اور ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں کہ ایک ہندوستانی انگریزی داں کے لیے بھی اس زبان کا کسی قدر سمجھ لینا ممکن ہے۔

Idiom neutral es usablno sole pro skribasion ma
et pro perlaison: sikause in Kongres sekuant
internasional de medisinisti ma av intension
usar ist idiom pro mie rapport di maladitet
"lupus" e me esper esar Komprended per omni
medisinisti present"

اس عبارت میں اگر غور کیجیے تو حسب ذیل الفاظ اصلی طور پر یا خفیف اختلاف ہجا کے ساتھ انگریزی میں
(اور یورپ کی بیشتر زبانوں میں) مستعمل ملیں گے۔

(۱) is = es
(۲) usable = usable
(۳) For = pro
(۴) Congress = Kongres
(۵) medicinists = medisinisti
(۶) Intention = intension
(۷) Comprehended = Komprended

ایڈیم نیوٹرل Idiem neutral کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس کے قواعد میں دوسری
زبانوں کے اصول تسلیم کئے گئے ہیں اور جہاں کہیں رد و بدل کیا گیا ہے وہاں انہی اصولوں کے ساتھ کیا گیا ہے
جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زبان کے قدیم اور جدید عناصر میں برابر کشمکش ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں لفظ Kon
دوست اور گاڑی دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔ لفظ Scientific اور Sientik اور Sientifik
دونوں طریقوں پر لکھا جاتا ہے Filosofi سے مراد فلسفہ بھی ہے اور فلاسفہ (فلسفی کی جمع) بھی۔

یہ ہے اُن تحریکات کی ایک مختصر سی تاریخ جو جگت بھاشا کے متعلق یورپ میں ہوتی ہیں۔ ایک عجیب
بات یہ ہے کہ ان تینوں کے موجد اپنی زبانوں کے متعلق ہین قومی ہونے کا دعویٰ کرتے رہے، چنانچہ

volapuk، Speak-World سے بنا، اسپرانٹو کے موجد نے اپنی تصنیف کا نام Universala vortora = Universal word رکھا، اور ایڈیم نیوٹرل کی انجمن کا نام Akademik international de lingu universal جگت بھاشا کی بین قومی مجلس، رکھا گیا، لیکن حقیقی معنوں میں بین قومیت کسی ایک میں بھی نہیں پائی جاتی۔ یہ اور بات ہے کہ بین الاقوامی سے مراد ’بین الاقوام اروپا‘ لی جاتی ہو۔ عربی، چینی، اور جاپانی بولنے والوں کے لیے یہ زبانیں معما ہیں۔ ایک اور بات یہ ہے کہ یہ زبانیں آزاد زبانیں نہیں ہیں، بلکہ دوسری زبانوں کے حق میں ان کی حیثیت کم و بیش مار آستین کی سی ہے۔ ان کا ذخیرہ الفاظ ہمیشہ تغیر پذیر رہتا ہے، اور آئے دن اُس میں اضافے ہوتے رہتے ہیں۔ اُن کے الفاظ کے معنی معین نہیں ہیں۔ اور آسانی سے غلط فہمی کا باعث ہو سکتے ہیں۔

”جگت بھاشا“ کے لیے پہلی ضروری چیز یہ ہے کہ وہ آزادانہ قواعد پر مبنی ہو بغیر اس کے بین قومیت اور غیر جانبداری ناممکن ہے۔ کوئی قوم اس امر کو کس طرح روا رکھ سکتی ہے کہ اُس کے قواعد کو مسخ کیا جائے۔ ان تین تحریکات سے پہلے جو کوششیں کی گئیں وہ اسی قسم کی تھیں۔ لیکن علم السنہ سے ناواقفیت اُن کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ مصنوعی زبان بناتے وقت سب سے پہلے اس بات کا تصفیہ کرنا چاہیے کہ اُس میں کون کون سی اصوات داخل کی جائیں۔ یوں تو ہر شخص کے لیے سہل ترین اصوات خود اسی کے زبان کی ہیں، لیکن اس مسئلہ کا حل علمی صوتیات (Practical Phonetics) کے اصولوں پر مبنی ہونا چاہیے۔ اُس کے بعد رسم الخط کا سوال آتا ہے جس کا حل اصوات کے مسئلہ کے حل پر منحصر ہے۔ قواعد میں کسی مروجہ زبان کی کورانہ تقلید نہ کی جائے بلکہ اُس کا انحصار اصول اولیہ پر ہونا چاہیے۔ ان اصولوں کی ترتیب کے وقت ہر زبان کے بہترین اور آسان ترین اجزا قبول کیے جائیں لیکن ان پر اکتفا کرنا ضروری نہیں ہے۔ ذخیرہ الفاظ کا سوال بہت کچھ پیچیدہ ہے۔ یہ تو مسلم ہے کہ من مانے طریقوں پر حروف کو ملا کر مادے بنانا اور اُن سے مشتقات لینا ناقابل عمل ہے۔ دو طریقے ممکن ہیں، ایک جدولی اور دوسرا علامتی Dalgarno ڈیل گرنو اور ولکنس Wilkins نے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اپنے ذخیرہ الفاظ کو جدولی طریقہ پر مرتب کیا تھا۔ اُنھوں نے سب سے پہلے خیالات

کی تقسیم چالیس عنوانوں پر کی۔ یہ عنوانات دو حرفی مرکبات تھے اور ہر عنوان ایک خاص خاندانِ خیال کی نمایندگی کرتا تھا۔ مثلاً لفظ De ایک عنوان "عنصر" کے لیے قائم کیا گیا۔ اُس سے تقسیم اول میں لفظ Deb بمعنی آگ بنایا گیا۔ اس کی مزید تقسیم سے Deba بمعنی لَو بنایا گیا۔ یہ طریقہ جیسا کچھ پیچیدہ ہے ظاہر ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ کسی لفظ اور اُس کے معنوں میں کوئی ربط ہی نہیں ہے پھر ان الفاظ کو سیکھنے کے لیے نہ صرف عنوانات کا حفظ کرنا ضروری ہے بلکہ ان کی تقسیم، اور تقسیم مزید اور ہر لفظ کا خاندان یہ سب بھی حفظ ہونا چاہیے، اور یہ سب باتیں انسانی قوت حافظہ سے باہر ہیں۔ علامتی طریقہ کا مقصد یہ ہے کہ اُس میں لفظ اور اُس خیال کے درمیان جس کا وہ مظہر ہے براہِ راست تلازم قائم کیا جاتا ہے، اور یہ طریقہ کسی قدر مروجہ زبانوں میں مستعمل ہے محاکاتی الفاظ جیسے پپیہا (جانور کی بولی کی نقل)، فجائیہ الفاظ جیسے "ہیں!" حرکی الفاظ جیسے "تو" "میں" "وہ" اسی کی مثالیں ہیں۔

علامتی طریقہ کی بڑی دقت یہ ہے کہ تلازم خیالات کمتر اور مبہم ہوتے ہیں لیکن مواد پھر بھی کافی ہے۔ اس کے فوائد یہ تبلائے گئے ہیں کہ اس میں وہ تضیع نہیں ہونے پاتی جو فطری زبانوں میں ہوتی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اِس میں اختصار کی بہت کچھ گنجائش ہے۔

مختصر یہ کہ اگر کوئی حکمت بہا شا موزوں ہوسکتی ہے تو یہ وہی ہوگی جو آزادانہ بنائی گئی ہو۔ بین الاقوامی ہونے کے علاوہ یہ فطری زبانوں کی پیچیدگیوں سے بھی پاک ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ ایسی زبان بہت کچھ غیر مانوس ہوگی، اور اُسے بہت کچھ کوشش کرکے سیکھنا پڑے گا، لیکن اس کی دقتیں سب کے لیے مساوی ہونگی، اور کسی زبان کے بولنے والے کو کوئی ناجائز فوقیت نہ حاصل ہوسکے گی۔

دام میں یاں نہ آئیے دل نہ یہاں لگائیے

(از جناب محمد عظمت اللہ خاں صاحب بی اے)

(۱)

جان ملی ہے اس لیے دکھ میں اسے گھلائیے
عمر ہوا ہے کچھ نہیں سانس میں بس اڑائیے
دام میں یاں نہ آئیے دل نہ یہاں لگائیے

(۲)

حسن بھی ہے تو عارضی چاہ بھی ہے تو دل لگی
لاگ لگاؤ سب ریا جگ کی سرشت مطلبی
دام میں یاں نہ آئیے دل نہ یہاں لگائیے

(۳)

اک تو شباب اور پھر اس کا نشہ نیا نیا
حسن پرست آنکھ تھی من مرا پاک صاف تھا
دام میں یاں نہ آئیے دل نہ یہاں لگائیے

(۴)

حور کہوں میں یا پری دل کو مرے لبھا لیا
بیوہ سہی سہاگ کا ایک برس نہیں ملا

دام میں یاں نہ آیئے دل نہ یہاں لگائیے

(۵)

پھول کہوں میں یا کلی ایک کلی ابھی کھلی
رنگ کی دل کشی بڑھی غم کی جھلک گھلی ملی
دام میں یاں نہ آیئے دل نہ یہاں لگائیے

(۶)

من کو مرے جگا دیا پہلا سبق پڑھا دیا
جھیپ جھجک مری مٹی مرد مجھے بنا دیا
دام میں یاں نہ آیئے دل نہ یہاں لگائیے

(۷)

آنکھوں میں جگمگا اُٹھے یہ ہی زمین آسماں
حسن بھری تھی دھوپ چھاؤں عشق بھرا تھا سب جہاں
دام میں یاں نہ آئے دل نہ یہاں لگائے

(۸)

سکھ کی ترنگ دکھ میں تھی دُکھ کی تھی سکھ میں چاشنی
زیست کی کیمیا ملی جان مزے کی موج تھی
دام میں یاں نہ آیئے دل نہ یہاں لگائیے

(۹)

میرا شباب زور پر اور میں اس کا ہو چکا
دُھن کی اُسے کمی نہ تھی عیش میں کچھ خلل نہ تھا
دام میں یاں نہ آیئے دل نہ یہاں لگائیے

(۱۰)

اس کا علاج کچھ نہیں دل میں اگر وفا نہو
پھول میں جیسے رنگ ہو باس کا کچھ پتا نہو
دام میں یاں نہ آیئے دل نہ یہاں لگایئے

(۱۱)

زور کو نام کی طلب حسن بھی ایک زور ہے
زر کو نمود کا جنوں زر کو ہوس ضرور ہے
دام میں یاں نہ آیئے دل نہ یہاں لگایئے

(۱۲)

ایک رئیس کبر سن حسن کے دام میں پھنسا
حسن ملا نمود کو نام ملا نمود کا
دام میں یاں نہ آیئے دل نہ یہاں لگایئے

(۱۳)

روح میں ایک زلزلہ دل سے مرے اٹھا دھواں
دھوپ سیاہ پڑ گئی تیرہ و تار تھا جہاں
دام میں یاں نہ آیئے دل نہ یہاں لگایئے

(۱۴)

مجھ سے کہا کہ "کیا ہوا اب بھی ہوں تم پہ میں فدا
عیش مزے وہی رہیں وہ ہی رہے معاملہ"
دام میں یاں نہ آیئے دل نہ یہاں لگایئے

(۱۵)

سنتے ہی جی میں آئی یہ گھونٹ دوں ہیوف گلا
خون کا گھونٹ پی کے میں واں سے چلا یہ کہہ چلا
دام میں یاں نہ آئیے دل نہ یہاں لگائیے
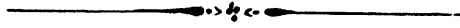
آثار الکرام

تاریخ

ترقی علوم وفنون

بعہد

سلطنت مسلمانان ہندوستان

نوشتہ

حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری۔ ایم آر اے ایس

باب ہشتم

سلطان محمود کے جانشین

وفات سلطان محمود۔ سلطان محمد بن محمود سنہ ۴۲۱ھ۔ ناصر یغوے۔ قصار امی سلطان مسعود بن محمود سنہ ۴۲۱ھ سنہ ۴۳۲ھ۔ سلطان مسعود کے ماثر محاسن۔ امام ناصحی۔ نفقہ مسعودی۔ امام ثعلبی۔ تتمہ الیتیمۃ۔ ابوریحان البیرونی قانون مسعودی۔ شعرائے دربار۔ منوچہری دامغانی پر آشوب زمانہ۔ سنہ ۴۳۲ھ تا سنہ ۴۵۱ھ) سلطان مودود بن مسعود۔ مسعود بن مودود۔ سلطان علی بن مسعود۔ سلطان عبدالرشید۔ سلطان فرخ زاد۔ ابوالفضل بیہقی۔

تاریخ مسعودی۔ ابوالحامد جوہری الصائغ

۲۳۔ ربیع الآخر ۴۲۱ھ کو سلطان محمود نے جہان فانی سے کوچ کیا۔ سلطان کی وصیت کے بموجب محمد بن محمود سریر آرا ہوا۔ لیکن اس کے بھائی مسعود بن محمود نے مخالفت کی اور امرار کی سازش سے اسے گرفتار کر کے قید کر دیا اور تخت پر خود قبضہ کر لیا۔[۱]

سلطان محمد نے کم و بیش ۴ ماہ حکومت کی ہے۔

سلطان محمد نیک سیرت ذی علم موزوں طبع بادشاہ ہوا ہے۔ اس کے اشعار بہت مشہور ہیں اس کی ایک محبوبہ دریا میں غرق ہو گئی تھی تو اس کے فراق میں اس نے یہ رباعی موزوں کی تھی۔[۲]

رفتی و دل خستہ مشوش بی تو   عیشِ خوشِ من شدہ ناخوش بی تو
تو رفتہ و آمدہ من بی تو بجاں   تو در آبی و من در آتش بی تو

سلطان محمود کی وفات کے وقت جو ارباب کمال موجود تھے وہ سب اس کے عہد میں جمع تھے۔ علاوہ ان کے ناصر بغوی اور قصار امی کو اس کے دربار سے خاص تعلق تھا۔[۳] قصار امی کے حالات کسی تذکرہ نویس نے نہیں لکھے ہیں۔ اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس لفظ کا ضبط و املا کس طرح ہے اور کس طرف اس کی نسبت ہے۔ حکیم اسدی نے اپنی فرہنگ میں لغت کفا کے تحت میں اس کا ایک شعر نقل کیا ہے ؎

میر ابو احمد محمد خسرو ایرانیاں   زنگ پیش آرد در شادی چو پیش آید کفا

سلطان مسعود کی نسبت مورخ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ شجاع اور سخی بادشاہ ہوا ہے۔ اس کے اوصاف و فضائل بے شمار ہیں۔ ارباب کمال کا بڑا قدر دان تھا۔ اور ان کے ساتھ ہمیشہ بذل و احسان سے پیش آیا کرتا تھا۔ علمار نے مختلف علوم و فنون کی کثیر التعداد کتابیں اس کے نام پر تصنیف کی ہیں۔ خیر خیرات سے اس کو خاص رغبت تھی۔ رمضان میں ایک دن ایک لاکھ درہم مستحقین اور اہل حاجت میں تقسیم کیا کرتا تھا۔ شعرار کو صلہ ہائے عظیم عطا کیا کرتا تھا۔ ایک شاعر نے ایک قصیدہ پیش کیا تو اس کے صلہ میں فی شعر ایک ہزار درہم عطا کیا تھا۔

---

[۱] ابن اثیر جلد ۹ ص ۲۰۸   [۲] طبقات ناصری ص ۱۱ آتشکدہ ص ۱۱ مجمع الفصحا ص ۵۰

[۳] عوفی ج ۲ ص ۲۵   لغات اسدی ص ۲۷۔

اور اس رقم کی مجموعی تعداد ایک ہزار دینار ہوگئی تھی[۵۱] اس نے ممالک محروسہ کے تمام شہروں میں اس قدر مدارس و مساجد تعمیر کرائے تھے کہ اون کے تعداد بیان کرنے سے زبان عاجز و قاصر ہے[۵۲]۔

سلطان محمود کی وفات کے بعد غزنین میں جسقدر ارباب فضل و کمال بقید حیات تھے وہ سب مسعود کے دربار میں موجود تھے۔ مسعود جب برسر حکومت ہوا تو ابو نصر مشکان اور امام ابو عبداللہ ناصحی کو کتابت اور قضایت کے عہدوں پر حسب دستور بحال رکھا۔ خواجہ احمد بن حسن میمندی کو قید سے رہا کرکے وزارت سے سرفراز کیا۔ خواجہ نے قریباً تین سال اس خدمت کو انجام دیا۔ ۴۲۳ھ میں اس کا انتقال ہوگیا تو یہ خدمت ابو نصر احمد بن محمد بن عبد الصمد کے تفویض کی۔

امام ابو محمد عبداللہ بن حسین الناصحی نے جو قاضی القضات تھے فقہ مسعودی کے نام سے ایک کتاب سلطان مسعود کے نام پر تالیف کی ہے۔ اس میں مذہب امام ابو حنیفہ کے فروعات مذکور ہیں ابن شحنہ کا بیان ہے کہ یہ کتاب چھوٹی سے ہی۔ لیکن نہایت مفید و مستند ہے۔ مصنف نے مختصر الفاظ میں مسائل کثیرہ بیان کیے ہیں[۵۳]۔

امام ابو المنصور ثعلبی نے یتیمۃ الدہر فی محاسن اہل العصر کے نام سے شعرائے عرب کا ایک ضخیم تذکرہ لکھا ہے۔ امام صاحب کی تصنیفات میں سے بہتر اور مقبول عام کتاب ہے اور مضامین کے اعتبار سے چار جلدوں میں منقسم ہے[۵۴]۔

قسم اول	محاسن اشعار آل حمدان و شعراء مصر و شام
قسم ثانی	محاسن اشعار اہل جبال و فارس و جرجان و طبرستان
قسم ثالث	محاسن اشعار اہل عراق و کاتبان دولت دیلمیہ
قسم رابع	محاسن اشعار اہل خراسان و ماوراء النہر

امام صاحب نے اس کتاب کا تتمہ لکھا ہے۔ اور اسے سلطان مسعود کے نام سے نامزد کیا ہے۔ یہ بھی مضامین کے اعتبار سے چار اقسام پر منقسم ہے اور ہر ایک قسم تتمہ قسم اول و تتمہ قسم ثانی

---

[۵۱] ابن اثیر ج ۹ ص ۳۳۳ [۵۲] فرشتہ ج ۱ ص ۴۲ [۵۳] کشف الظنون ج ۲ ص ۲۲۹ فرشتہ ج ۱ ص ۴۲

[۵۴] یتیمۃ الدہر ۱۳۰۲ھ میں دمشق میں چھپ گیا ہے۔

کے عنوان سے شروع ہوئی ہے۔ اس تتمہ کا ایک نفیس نسخہ جس کی کتابت ۵۹۵ھ میں ہوئی ہے فرانس کے کتب خانہ ملی میں نمبر ۲۳۰۸ پر موجود ہے۔ فلوگل نے جو کشف الظنون شائع کی ہے اُس میں اس کا نام تتمۃ الیتیمہ چھپا ہوا ہے لیکن یہ غلطی ہے۔

سلطان مسعود کو علم ہیئت سے خاص دلچسپی تھی[۵۱]۔ اور اس کے حکم سے ابوریحان نے نواح غزنین میں ایک رصد خانہ بھی قائم کیا تھا[۵۲]۔ علاوہ اس کے ابوریحان نے سلطان کی سرپرستی میں ۴۲۲ھ اور ۴۲۷ھ کے مابین ایک کتاب قانون مسعودی کے نام سے تصنیف کی ہے۔ اس میں علم ہیئت اور نجوم کے مسائل مذکور ہیں۔ یہ کتاب ابوریحان کی تصنیفات میں سب سے زیادہ مہتم بالشان اور بہترین تصنیف سمجھی گئی ہے۔ ڈاکٹر ہاروٹس نے جو جرمن کا مشہور عالم شرقیات ہے اس کی نسبت لکھا ہے۔

> عربوں کے علم ہیئت کے متعلق یہ نہایت مکمل اور مستند کتاب ہے اس کے اندر ایسے بہت سے مسائل مذکور ہیں جن کی نسبت عام طور پر سمجھا گیا ہے کہ سترھویں صدی میں اُنہیں اہل یورپ نے دریافت کیا ہے۔

اس کتاب کے متعدد نسخے فرانس جرمن اور انگلستان کے کتب خانوں میں موجود ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ قابل قدر اور تاریخی اہمیت رکھنے والا نسخہ برٹش میوزیم کا ہے جس کی کتابت ۱۳۰ سال بعد یعنی ۵۷۰ھ ہجری میں ہوئی ہے۔

یہ کتاب ۱۲ مقالات پر منقسم ہے۔ اور ہر مقالہ میں متعدد ابواب وفصول ہیں جن کی تفصیل ڈاکٹر ریو نے اپنی فہرست مخطوطات عربیہ میں کئی صفحات پر درج کی ہے[۵۳]۔

قانون مسعودی ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے۔ سر ہنری ایلیٹ نے اس مقالہ پنجم کے صرف دسویں باب کو ۱۸۶۹ء میں چھپوایا ہے۔

عنصری۔ فرخی۔ اسدی۔ زینتی علوی۔ امیر بزرجمہر وغیرہ نامور شعرا اس وقت تک بقید حیات موجود تھے اور اس کے فیضان کرم سے فیضیاب ہوتے تھے۔ ابوالفضل بیہقی کا بیان ہے کہ اس نے اپنے زمانہ حکومت

---

[۵۱] نزہۃ الارواح حالات بیرونی [۵۲] کشف الظنون [۵۳] ریو۔ فہرست مخطوطات عربی ص۴۱۳ تا ص۴۱۹

میں شعراء کو جو صلہ ہائے عظیم عنایت کیے ہیں اُنکا شمار خارج انداز ہ ہے۔ ایک شب مجلس طرب میں زینتی کو ایک لاکھ درہم اور ایک ہاتھی سرفراز کیا۔ اور حکم دیا کہ اس صلہ گراں کو ہاتھی پر بار کرکے زینتی کے مکان پر پہونچایا جائے[۵۱]۔

۴۲۲ھ میں عید الفطر کا دربار منعقد ہوا تو شعراء نے قصائد پیش کیے۔ مسعود نے ہر ایک شاعر کو بیس ہزار درہم۔ زینتی کو ۵۰ ہزار درہم اور عنصری کو ایک ہزار دینار سرخ سرفراز کیے[۵۲]۔

ان کے علاوہ بہت سے شعراء نے خاص مسعود کے زمانہ میں نشو ونما پایا ہے ان میں ابو النجم احمد بن قوس بن احمد منوچہری[۵۳] نے زیادہ شہرت حاصل کی ہے۔

منوچہری کو دولت شاہ اور اس کی پیروی میں اکثر تذکرہ نویسوں نے بلخ کا باشندہ لکھا ہے۔ لیکن خود منوچہری کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ دامغان اس کا وطن تھا۔

بیا مد منوچہری دامغانی   سوئے تاج عمرانیاں ہم بدیناں

منوچہری ابتداء میں ملک المعالی امیر منوچہری بن قابوس بن وشمگیر ۴۰۳ھ-۴۲۱ھ کے دربار میں ملازم تھا۔ اور اسی مناسبت سے منوچہری تخلص رکھا تھا۔ ۴۲۱ھ میں جب امیر منوچہر کا انتقال ہوگیا تو منوچہری جرجان سے نکل کر غزنین میں آیا۔ تذکرہ نویسوں نے سلطان محمود کے درباری شعراء میں اس کا نام لکھا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ اس کے دیوان میں کوئی قصیدہ سلطان محمود کی مدح کا موجود نہیں ہے۔ بلکہ اکثر قصائد سلطان مسعود کی مدح میں لکھے ہیں۔ اس لیے قیاس چاہتا ہے کہ محمود کی وفات کے بعد منوچہری غزنین میں آیا۔ اور مسعود کے زمانہ میں دربار میں باریاب ہوا اس قیاس کی تائید ملا عبد القادر بدایونی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔

از جملہ شعراء، کہ در زمان سلطان مسعود نشو ونما یافتہ اند منوچہری ست۔

منوچہری نے ۴۳۲ھ میں وفات پائی ہے۔ اس کے دیوان کو فرانس کے مشہور مستشرق کازمرسکی Kazimirski نے نہایت اہتمام کے ساتھ ۱۸۸۶ء میں پیرس میں چھپوایا ہے اور اس کے ساتھ کئی سو صفحات پر دیباچہ اور تعلیقات بھی لکھے ہیں۔

---

۵۱ بیہقی ص ۱۲۵ ۵۲ بیہقی ص ۱۷۶ ۵۳ عوفی ج ۲ ص ۵۳ دولت شاہ ص ۴۷۔ فرشتہ ج ۱ ص ۳۹ بدایونی ص ۱۰ آتشکدہ ص ۳۲۱ مجمع الفصحا ج ۱ ص ۵۴۳ براون ج ۱ ص ۱۵۳ ریو۔ ج ۲ ص ۵۱۳

مسعود نے کم وبیش گیارہ سال حکومت کی۔ ۴۳۲ھ میں سلجوقیوں سے شکست پاکر خراسان سے غزنین میں آیا۔ اور وہاں کے خزانہ کو ساتھ لے کر ہندوستان کی جانب روانہ ہوا۔ راستہ میں امرا نے اسے معزول کرکے قید کر دیا۔ اور سلطان محمد بن محمود کو تخت پر بٹھایا[۵۱]۔ سلطان محمد چونکہ نابینا تھا اس لیے اپنے لڑکے احمد کو شریک سلطنت بنا لیا احمد نے مسعود کو قتل کرا دیا[۵۲]۔ مودود بن مسعود اس وقت خراسان میں تھا۔ اسے جب اپنے باپ کے قتل کا حال معلوم ہوا تو اُس نے سلطان محمد پر لشکر کشی کی۔ ۳۔ شعبان ۴۳۲ھ کو طرفین میں مقابلہ ہوا۔ سلطان محمد نے شکست پائی۔ تخت پر مودود کا قبضہ ہوگیا اور مودود کے ایما سے سلطان محمد اور اس کا لڑکا امیر احمد دونوں قتل کر دیے گئے[۵۳]

مودود نے ۱۰۔ رجب ۴۴۱ھ کو انتقال کیا[۵۴]۔ اس کے بعد کون برسرِ حکومت ہوا اس بارے میں مورخین کا اختلاف ہے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ مودود کے بعد امرا نے اُس کے شیر خوار لڑکے کو تخت پر بٹھایا۔ ۵ یوم اس کی حکومت رہی۔ پھر علی بن مسعود نے اسے معزول کرکے تخت پر قبضہ کرلیا[۵۵]۔ فخر الدین۔ بناکتی۔ میر خوند۔ احمد غفاری۔ بدایونی۔ فرشتہ وغیرہ نے اس شیر خوار لڑکے کا نام مسعود بن مودود لکھا ہے[۵۶]۔ منہاج سراج اور حمد اللہ مستوفی نے مودود کے بعد بلاواسطہ علی بن مسعود کا ذکر کیا ہے[۵۷]۔ علی بن مسعود نے کم وبیش تین ماہ حکومت کی ۴۴۱ھ کے اخیر ایام میں عبد الرشید بن مسعود نے خروج کرکے علی بن مسعود کو پسپا کیا اور خود بادشاہ ہوگیا[۵۸]۔

عبد الرشید جب برسرِ حکومت ہوا تو اُس نے طغرل کو جو سلطان مودود کا حاجب تھا سیستان کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے سیستان میں قوت واقتدار حاصل کرکے علم بغاوت بلند کیا اور غزنین میں آکر سلطان عبد الرشید اور اُس کے قرابت داروں کو قتل کرنے کے بعد تخت نشیں ہوگیا۔ لیکن غزنین کے امرا نے اسے قتل کرکے فرخ زاد بن مسعود کو تخت پر بٹھایا۔ یہ واقعہ ۴۴۴ھ کا ہے[۵۹]۔ فرخ زاد نے ۴۵۱ھ میں انتقال کیا۔ اور اُس کی جگہ ابراہیم بن مسعود تخت نشیں ہوا[۶۰]۔

---

۵۱ ابن اثیر ج ۹ ص ۳۳۱ و ۳۳۲ ۵۲ ابن اثیر ج ۹ ص ۳۳۲ و ۳۳۴ ۵۳ ابن اثیر ج ۹ ص ۳۳۳ و ۳۳۴ ۵۴ ابن اثیر ج ۹ ص ۳۸۱

۵۵ ابن اثیر ج ۹ ص ۳۸۲ ۵۶ روضۃ الصفا ج ۴ نگارستان ص ۱۳۹ منتخب التواریخ طبع کانپور ص ۱۱۔ فرشتہ ج ۱ ص ۴۶

۵۷ طبقات ناصری ص ۱۲ تاریخ گزیدہ ۵۸ ابن اثیر ج ۹ ص ۳۸۲ ۵۹ ابن اثیر ج ۹ ص ۳۹۰ و ص ۴۰۰

۶۰ ابن اثیر ج ۱۰ ص ۳

مسعود کی وفات سے ابراہیم کی تخت نشینی تک ۱۹ سال کا زمانہ تاریخ آل سبکتگین میں نہایت پر آشوب زمانہ گذرا ہے۔ اس عرصہ میں سلاطین غزنویہ زیادہ تر خانہ جنگیوں میں مصروف رہے ہیں۔ مودود اور فرخ زاد کے زمانہ میں ان خانہ جنگیوں سے کسی قدر مہلت ملی۔ لیکن ان کا یہ زمانہ سلجوقی حملوں کی مدافعت میں صرف ہوگیا۔ اور ان کو امن و اطمینان مطلق میسر نہیں آیا۔ ان کے عہد کے تاریخی صفحات علمی کارناموں سے بالکل خالی نظر آتے ہیں۔

ابراہیم نے سلجوقیوں سے صلح کرلی جس کی وجہ سے فریقین کو اطمینان ہوگیا اور بہرام کے اخیر زمانہ تک تقریباً اسی سال امن و امان کے ساتھ گذرے۔ اس عرصہ میں دربار غزنین پھر مرجع ارباب کمال ہوگیا۔ اور علما فضلا حکما شعراء غرض کہ ہر علم و فن کے ماہر غزنین میں جمع ہوگئے۔

امیر عنصر المعالی کیکاؤس اپنی آبائی حکومت سے محروم ہوگیا تو سلطان مودود کے زمانہ میں غزنین چلا آیا سلطان نے اس کی نہایت تعظیم و تکریم کی۔ اور اپنے ندیمان خاص میں شامل کرلیا۔ اس کے بعد ایک عرصہ تک دربار غزنین میں رہا اور آخر عمر میں ترک دنیا کرکے گیلان چلا گیا۔ اس واقعہ کا ذکر خود امیر کیکاؤس نے قابوس نامہ میں کیا ہے۔

بداں اے پسر کہ بروزگار پسر خال تو سلطان مودود بن مسعود کہ من بہ غزنین آمدم مرا بسحت اعزاز و اکرام کرد و چوں چندگاہی مرا بدید بیازمود مرا و منادمت خاص خویش داد[1]۔

امیر کیکاؤس۔ صاحب علم و فضل آدمی تھا۔ اس نے ایک کتاب قابوس نامہ لکھی ہے۔ اس میں ۴۴ باب ہیں۔ اور ان میں حکمت عملی کے ان تمام مسائل کو بیان کیا ہے جو انسانی زندگی میں روزمرہ پیش آتے ہیں۔

فرخ زاد کے عہد حکومت میں دو آدمیوں نے خوب شہرت حاصل کی ہے ان میں پہلا نمبر ابو الفضل محمد بن الحسین البیہقی کا ہے۔ یہ شخص دربار آل سبکتگین کا مشہور مورخ ہے۔ نیشاپور کے مضافات میں بمقام بیہق پیدا ہوا۔ اور ۴۱۲ھ میں جب کہ اس کی عمر ۲۶ سال کے قریب تھی غزنین میں آکر شاہی ملازموں میں داخل ہوگیا۔ ابو نصر مشکان دیوان رسالت کے عہدہ پر مامور تھا۔ بیہقی نے ابو نصر کی وفات تک تقریباً ۱۹ سال اُس کی نیابت میں گزارے[2]۔ کچھ عرصہ کے لیے معزول بھی ہوگیا۔ عبد الرشید نے اسے اپنے زمانہ میں دیوان رسالت کی خدمت تفویض کردی جس کو

---

[1]۔ قابوس نامہ ص۱۷۹۔ دولت شاہ ص۱۹۔ [2]۔ تاریخ بیہقی ص۷۵۹

بیہقی نے اُس کی وفات تک انجام دیا۔ ابراہیم نے بیہقی کو معزول کر دیا۔ اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اور اپنی تاریخ کو لکھنا شروع کیا[1]۔ یہ کتاب چھوٹی چھوٹی ۳۰ جلدوں میں ہے۔ اس میں دسویں جلد سے سلطان مسعود کے حالات شروع ہوتے ہیں۔ مسعود کی وفات پر جو ۴۳۲ھ میں واقع ہوئی ہے یہ کتاب ختم ہوگئی ہے۔ لیکن اس کے ضمن میں مصنف نے ایسے واقعات بھی لکھے ہیں جو مسعود کی وفات کے بعد وقوع میں آئے ہیں۔

اس تاریخ کا کوئی خاص نام نہیں ہے۔ بعض قراین سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کے مختلف اجزا مختلف نام سے موسوم کئے تھے۔ چنانچہ اُس کے ابتدائی حصہ کا نام جس میں سلطان محمود کے حالات ہیں تاریخ یمینی یا مقامات محمودی ہے[2]۔ منہاج سراج نے تاریخ ناصری۔ حمد اللہ مستوفی نے مجلدات ابوالفضل بیہقی۔ خوندمیر نے تاریخ آل سبکتگین کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔ ریو اور ایتھے نے اپنی فہرستوں میں تاریخ مسعودی لکھا ہے۔ اس کتاب کے اخیر ۲۰ اجزا کو جس میں سلطان مسعود کے حالات ہیں پروفیسر مارلے نے ۱۸۶۲ء میں بمقام کلکتہ چھپوایا ہے۔ اور اس کے عنوان پر اس کا نام تاریخ بیہقی تجویز کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۱۳ھ میں طہران میں بھی چھپ گئی ہے ۴۷۰ھ میں بیہقی کا انتقال ہوا ہے[3]۔

دوسرا ابو الحامد محمود بن عمر الجوہری الصائغ ہے۔ یہ فرخ زاد کا شاعر خاص تھا۔ ہرات اس کا وطن تھا۔ عوفی نے اس کا کلام نقل کیا ہے[4]۔

---

[1] تاریخ بیہقی ص۲۶۶ [2] تاریخ بیہقی ص۱۵۸ و ص۱۷۲ [3] ریورٹی۔ ترجمہ طبقات ناصری بحوالہ مجمل فصیحی جلد اول ص۱۰۵۔ ریو جلد ۱ ص۱۵۸۔ الیٹ ہسٹری جلد ۳ میں تاریخ بیہقی کا ترجمہ شامل ہے۔ [4] عوفی جلد ۲ ص۱۸۱
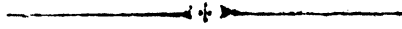
سلطان ابراہیم بن مسعود اور اُس کے جانشین

سلطان ابراہیم بن مسعود ۴۵۱ھ ۴۹۲ھ سلطان ابراہیم کے محاسن ماثر دربار کے اہل کمال ابوالعلا عطا بن یعقوب الکناکوک۔ ابوحنیفہ اسکافی۔ ابوالفرج رونی۔ مسعود ۴۹۲ھ ۵۰۸ھ سلطان شیرزاد ۵۰۸ھ ۵۰۹ھ، سلطان ارسلان ۵۰۹ھ ۵۱۲ھ ابونصر فارسی۔ مسعود سعد سلمان۔ عثمان مختاری شہریار نامہ

سلطان ابراہیم بن مسعود ۱۹ صفر ۴۵۱ھ کو سریر آرا ہوا[1] نہایت متقی اور دین دار بادشاہ تھا۔ باوجود عنفوان جوانی کے ممنوعات شرعی اور تمام لذات جسمانی اس نے ترک کر دیئے تھے۔ سال میں تین ماہ (رجب۔ شعبان۔ رمضان) میں روزے رکھا کرتا تھا[2]۔ رات کو غزنین کے محلوں میں بذات خود گشت کرتا۔ اور محتاجوں بیواؤں کو تلاش کر کے انھیں نقد و آزوقہ دیا کرتا تھا[3]۔ خط نسخ میں اعلیٰ درجہ کا خوشنویس تھا۔ سال میں ایک کلام اللہ اپنے ہاتھ سے لکھتا اور اُسے ایک سال مکہ کو اور دوسرے سال مدینہ کو روانہ کرتا تھا۔ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کلام اللہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں جہانگیر کے زمانہ تک موجود تھے[4]۔ اس کو تعمیرات عامہ کا نہایت شوق تھا۔ اپنے عہد حکومت میں چار سو سے زیادہ مدارس خانقاہات، رباطات، اور مساجد تعمیر کرائے تھے۔ خزانہ شاہی میں ایک عظیم الشان دارالادویہ بھی قائم کیا تھا جس میں جمیع امراض کے ادویہ دا شربہ رعایا کو مفت ملا کرتے تھے[5]۔ اس مخزن میں خصوصاً امراض چشم کی دوا نہایت نایاب تھی[6]۔ سادات کرام اور علمائے عظام کی بڑی قدر و منزلت کیا کرتا تھا اور اپنی تمام لڑکیاں انھیں سے منسوب کر دی

---

[1] تاریخ بیہقی ص۲۶۷ [2] ابن اثیر جلد ۱۰ فرشتہ جلد ا ص۴۷ [3] دولت شاہ ص۹۴ [4] فرشتہ جلد ا ص۴۸

[5] تذکرہ دولت شاہ ص۹۴ [6] بدایونی جلد ا ص۱۱

تھیں[1]۔ مشہور مورخ منہاج الدین سراج کے آبا واجداد اسی بادشاہ کے زمانہ میں جوزجان سے آکر غزنین میں آباد ہوئے تھے۔ ابراہیم بن عبدالخالق جرجانی جو منہاج سراج کا جد سوم ہے، بڑا زبردست عالم تھا۔ اور بادشاہ نے اپنی ایک لڑکی کا عقد اس کے ساتھ کر دیا تھا[2]۔

عوفی نے جوامع الحکایات میں لکھا ہے کہ سلطان ابراہیم سال میں ایک بار دربار میں مجلس وعظ منعقد کرتا تھا جس میں امام یوسف سجاوندی وعظ فرمایا کرتے تھے۔ دوران تقریر میں امام صاحب سلطان کو مخاطب کر کے بے محابا اور درشت باتیں کرتے تو ان سے سلطان آزردہ خاطر اور ملول نہیں ہوتا تھا[3]۔

مشہور ادیب ابوالعلا عطا ابن یعقوب المعروف بناکوک سلطان ابراہیم کا کاتب تھا۔ عربی فارسی میں اس کے دو دیوان ہیں اور انھیں عرب و عجم میں قبول عام حاصل ہوا ہے۔ مشہور شاعر اعشیٰ نے ایک قصیدہ لکھا تھا جو بلاد عرب میں نہایت مشہور رہا ہے اس کا ایک مصرعہ یہ ہے۔

الم تفتمص عیناك لیلة ارمدا

ابوالعلا نے اس کے جواب میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ اور اس میں جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ کے محامد و فضائل بیان کئے ہیں۔ اس قصیدہ کے دو شعر یہ ہیں

العید الدنیا والدینة اعبدا   وفضل الھی ماج کالبحر مزیدا

عطا حبانا لا یحیط بعدہٗ   حساب عطاء الف عام مرددا

سلطان نے کسی وجہ سے ناراض ہو کر اس کو قلعہ لاہور میں قید کر دیا۔ ابوالعلا نے آٹھ سال قید خانہ میں بسر کئے اس عرصہ میں سلطان کا غصہ فرو ہو گیا۔ تو ابوالعلا نے ایک مدحیہ قصیدہ لکھ کر پیش کیا جس سے خوش ہو کر سلطان نے اسے رہا کر دیا۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے ؎

مست و شادان در آمد از در تیم   کردہ پیجادہ درج در یتیم

زیر خط زبر جدش بیمے   زیر زلف معنبرش صد جیم

مسعود سعد سلمان نے ابوالعلا کی مدح میں قصائد غرا موزون کئے ہیں اور روفات کا پُر درد مرثیہ بھی لکھا ہے

---

[1] طبقات ناصری صفحہ ۲ [2] طبقات ناصری صفحہ ۲۱ [3] جوامع الحکایات ایلیٹ ہسٹری جلد ۲ صفحہ ۱۱۵۔ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۴۹۔

جس کا ایک شعر یہ ہے۔

از وفات عطا بن یعقوب   تازہ ترشد وقاحت عالم

۴۹۱ھ میں ابو العلا کا انتقال ہوا ہے[۵۱]۔

سلطان ابراہیم کے زمانہ میں بہت سے شعرا گذرے ہیں لیکن ان میں ابو حنیفہ اسکافی۔ ابو الفرج رونی مسعود سعد سلمان نہایت مشہور شاعر ہیں۔

ابو حنیفہ اسکافی۔ لباب الالباب اور چہار مقالہ میں اسکاف یائے نسبتی کے بغیر لکھا ہوا ہے۔ تاریخ بیہقی اور اکثر تذکروں میں اسکافی یائے نسبتی کے ساتھ مسطور ہے۔ بیہقی چونکہ ابو حنیفہ کا معاصر اور رفیق ہے۔ اس لیے اس کا قول جمیع اقوال پر فوقیت رکھتا اور بیہقی نے مختلف مواقع پر ابو حنیفہ کا ذکر کیا ہے۔ اولاً ۴۳۱ھ میں جب کہ سلطان مسعود مرو کے پاس شکست اٹھا کر غزنین میں واپس آیا[۵۲]۔ ثانیاً ۴۵۱ھ میں فرخ زاد کے اخیر زمانہ میں[۵۳]۔ ثالثاً سلطان ابراہیم کے حالات جلوس میں[۵۴]۔ ان بیانات سے ظاہر ہے کہ ابو حنیفہ کو مسعود کے زمانہ سے دربار سے تعلق تھا۔

صاحب مجمع الفصحا نے ابو حنیفہ کے حالات کسی قدر تفصیل سے بیان کئے ہیں[۵۵]۔ لیکن وہ سب غلط ہیں۔ پہلی غلطی یہ ہے کہ اس نے ابو حنیفہ اسکافی اور ابو القاسم اسکافی میں کوئی امتیاز نہیں کیا ہے۔ دوم یہ کہ ابو حنیفہ کا ۳۰۶ھ وفات لکھا ہے اور اس کو سلطان ابراہیم کے شعرائے خاص میں شمار کیا ہے جس کا زمانہ حکومت ۴۵۱ھ سے ۴۹۲ھ تک ہے۔ سوم لکھا ہے کہ ابو حنیفہ اسکافی نوح بن منصور سامانی کا کاتب تھا لیکن اس کی ناقدری سے ہرات میں آکر الپتگین کا ملازم ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد نوح بن منصور نے الپتگین کو شکست دی۔ اور ابو حنیفہ کو بلا کر دار الانشا کا افسر بنایا۔ نوح بن منصور ۳۶۶ھ میں برسر حکومت ہوا ہے۔ اور جلوس نوح سے قریباً ۱۴۔ یا ۱۵ سال پہلے ۳۵۱ھ یا ۳۵۲ھ میں الپتگین نے وفات پائی ہے۔ پس دونوں کے مابین لڑائی کا ہونا امر محال ہے۔

---

۵۱ عوفی جلد ا صفحہ ۶۷ و صفحہ ۳۰۷ مجمع الفصحا جلد ا صفحہ ۳۴۲۔ اعشی کے اشعار کتاب الاغانی جلد ہشتم صفحہ ۸۵ پر درج ہیں۔ ابو القاسم علی بن الحسن الباخرزی نے دمیۃ القصر میں ابو العلا کے عربی اشعار کو نقل کیا ہے۔ مسعود سعد سلمان کا مرثیہ مجمع الفصحا میں مذکور ہے۔ ۵۲ تاریخ بیہقی طہران صفحہ ۶۳۱ و صفحہ ۶۳۳ ۵۳ تاریخ بیہقی طہران صفحہ ۲۷۶ و صفحہ ۲۸۱ ۵۴ تاریخ بیہقی صفحہ ۳۸۷ و صفحہ ۳۹۱ ۵۵ مجمع الفصحا جلد ا صفحہ ۱۵

ابوالفرج بن مسعود الرونی[1] سلطان ابراہیم کے زمانہ کا مشہور شاعر ہے۔ وزیر مملکت خواجہ محمد بن ابو نصر بن احمد کا ندیم تھا۔ سلطان مسعود بن ابراہیم کے زمانہ میں اس کا انتقال ہوا ہے۔ محمد عوفی اور امین رازی نے لکھا ہے کہ مضافا لاہور کا باشندہ تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ رونی منسوب ہے رون سے اور وہ نام ہے نواح لاہور کے ایک قریہ کا۔

> اُستاد ابوالفرج رونی ہم مداح سلطان ابراہیم بود وہم مدّاح سلطان مسعود۔ وقصاید بسیار بنام ایشاں در دیوان اوست۔ ورون نام دیہی ست از توابع لاہور ودریں روزگار گویا خراب است۔ واثرے ازو باقی نماندہ۔

فرہنگ جہانگیری اور برہان قاطع سے بھی ملا صاحب کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے ان دونوں کتابوں میں لکھا ہے کہ رون ہندوستان کے ایک قریہ کا نام ہے حمد اللہ مستوفی نے تاریخ گزیدہ میں تحریر کیا ہے کہ ابوالفرج رونہ کا باشندہ تھا۔ جو خراسان کے علاقہ خاوران کا ایک قریہ ہے۔ علی قلی خان والہ داغستانی اور لطف علی آذری نے بھی اسی کی پیروی کی ہے۔ صاحب مجمع الفصحا نے رونہ کا محل وقوع نیشاپور کے قرب وجوار میں بتایا ہے۔ لیکن اخیر کے دونوں قول بے اصل ہیں۔

تقی الدین کاشی نے ابوالفرج کی تاریخ انتقال ۴۸۹ھ بیان کی ہے۔ ویلکن نے روضۃ الصفا کے ایک حاشیہ میں تاریخ نادر الزمانی کے حوالہ سے ۴۹۲ھ لکھا ہے حقیقت یہ ہے کہ دونوں قول بے بنیاد ہیں۔ کیونکہ ابوالفرج کے دیوان میں سلطان مسعود بن ابراہیم کی مدح کے قصائد موجود ہیں۔ مسعود ۴۹۲ھ میں برسرِ حکومت ہوا ہے۔ پس ثابت ہے کہ ۴۹۲ھ میں ابوالفرج بقید حیات موجود تھا۔

مورخ فرشتہ نے ابوالفرج رونی اور ابوالفرج سنجری کو بلا امتیاز ایک سمجھا ہے اور اس بارے میں اُس سے خطائے عظیم سرزد ہوگئی ہے۔

ابوالفرج سنجری عنصری کا اُستاد ہے۔ اور آل سیمجور کے زمانہ میں گذرا ہے امیر ابوعلی سیمجور اور سلطان محمود کے مابین جب لڑائی ہوئی تو ابوالفرج نے ابوعلی کے ایما سے آل سبکتگین کی ہجو لکھی جس کی وجہ سے سلطان محمود کو سخت غصہ

---

[1] عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۴۱ بدایونی صفحہ ۱۰ و ۱۲ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۴۹۔ ریو جلد ۲ صفحہ ۵۴۴ مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۷۔

آیا۔ اور جب سلطان نے آل سبکتگین کا استیصال کر دیا تو ابوالفرج کو قتل کرانا چاہا لیکن حکیم عنصری نے اس کی سفارش
جس کی وجہ سے سلطان نے اس کا قصور معاف کر دیا۔ اس کے بعد ابوالفرج بہت کم زندہ رہا۔ اور ۴۷۱ھ سے
پہلے فوت ہوا[1]۔

مورخین نے ابراہیم کی تاریخ انتقال میں اختلاف کیا ہے۔ ابن اثیر نے ۴۸۱ھ لکھا ہے[2]۔ منہاج سراج۔ امام
بیضاوی۔ حمد اللہ مستوفی نے ۴۹۲ھ بیان کیا ہے[3]۔ فرشتہ نے باختلاف روایات دونوں تاریخیں درج کی ہیں[4]۔
بدایونی کی تاریخ میں ۴۹۲ھ درج ہے[5]۔ سلطان ابراہیم کے بعد اس کا لڑکا مسعود ثالث حکمراں ہوا۔ اور (پندرہ)
سال حکومت کر کے ماہ شوال ۵۰۸ھ میں فوت ہو گیا[6]۔ ارسلان بن مسعود اس کا جانشین قرار پایا لیکن بہرام بن ابراہیم
نے سنجر سلجوقی کی اعانت سے اس کی مخالفت کی اور ۵۱۲ھ میں اسے قتل کر کے تخت و تاج کا مالک ہو گیا[7]۔

حمد اللہ مستوفی نے بیان کیا ہے کہ مسعود کے بعد شیرزاد بن مسعود حکمراں ہوا۔ ۵۰۹ھ میں ارسلان بن مسعود نے اسے
قتل کر کے تخت سلطنت پر خود قبضہ کر لیا۔ یہی روایت احمد غفاری۔ فرشتہ اور بدایونی نے بھی گزیدہ کے حوالہ سے لکھی
ہے[8]۔ لیکن ابن اثیر، قاضی منہاج وغیرہ نے شیرزاد کا نام ترک کر دیا ہے۔ اور مسعود کے بعد بلا واسطہ ارسلان بن
مسعود کا نام لکھا ہے۔ گزیدہ کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

> علاء الدولہ مسعود بن ابراہیم بعد از پدر پادشاہ شد۔ خواہر سلطان سنجر سلجوقی را در نکاح آورد و مدت
> شانزدہ سال پادشاہی کرد۔ و در ۵۰۸ھ ثمان خمسمائۃ بہ دار البقا پیوست۔ کمال الدولہ شیرزاد
> بن مسعود بن ابراہیم بحکم وصیت پدر پادشاہ شد۔ برادرش ارسلان شاہ بر و خروج کردہ او را بکشت
> ۵۰۹ھ در تسع و خمسمائۃ۔

ابراہیم کے جانشین مسعود، شیرزاد اور ارسلان بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح علم و فن کے سرپرست گزرے ہیں۔
ان میں مسعود بن ابراہیم کو علم سے خاص لگاؤ تھا۔ اور فطرت نے اسے ذوق سلیم عطا کیا تھا۔ اس کے ارکان دولت
بھی ذی علم اور قدر دان علم و فن تھے۔

---

[1] دولت شاہ ص۶۰ براؤن جلد ۲ ص۱۵۳ مجمع الفصحا جلد ۱ ص۷۰ [2] ابن اثیر [3] طبقات ناصری ص۲۱ گزیدہ ص۳۶۸ [4] فرشتہ جلد ۱ ص۴۹
[5] بدایونی ص۱۱ [6] ابن اثیر [7] ابن اثیر جلد ۱۰ ص۳۵۶ [8] گزیدہ ص۳۶۷۔ بدایونی ص۱۲۔ فرشتہ جلد ۱ ص۴۹

ابونصر فارسی جس کا پورا نام قوام الملک نظام الدین ہبۃ اللہ ہے۔ سلطان ابراہیم کے اخیر زمانہ میں عہدۂ وزارت پر فائز ہوگیا تھا۔ سلطان مسعود نے جب اپنے لڑکے عضد الدولہ شیرزاد کو ہندوستان کا گورنر بنایا تو ابونصر کو نائب اور سپہ سالار عساکر ہندوستان مقرر کرکے اس کے ہمراہ کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ابونصر معتوب شاہی ہوکر قید ہوگیا۔ اور قریباً دس سال حبس میں گزارے۔ ابونصر نے لاہور میں ایک خانقاہ بنوائی تھی۔ جو صدیوں مشہور رہی ہے۔ مسعود سعد سلمان اس کے ندیمان خاص سے تھا۔ اور اس کی مدح میں بہت سے قصائد غرا نظم کئے ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک قصیدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۵۰۹ھ اور ۵۱۱ھ کے مابین اس کا انتقال ہوا ہے۔ محمد عوفی نے اپنے تذکرہ میں ابونصر کے چند ابیات نقل کیے ہیں[۵۱]۔ نظامی عروضی سمرقندی نے بھی چہار مقالہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ پروفیسر براون نے چہار مقالہ کے انگریزی ترجمہ میں ابونصر کی نسبت ایک نوٹ لکھا ہے۔ اور اس میں بتایا ہے کہ اس سے نصر اللہ بن عبد الحمید مترجم کلیلہ و دمنہ مراد ہے۔ لیکن غلطی ہے[۵۲]۔

ابونصر کی علٰحدگی کے بعد طاہر بن علی مشکان کو سلطان مسعود نے قلمدان وزارت سے سرفراز کیا۔ یہ شخص ابونصر مشکان کا برادرزادہ ہے۔ عربی۔ فارسی کا عالم تھا شعر بھی کہا کرتا تھا۔ اس کی نظمیں عوفی کے تذکرہ میں منقول ہیں۔ ابوالفرج رونی۔ مسعود سعد سلمان۔ عثمان مختاری۔ حکیم سنائی وغیرہ نے اس کی مدح و ثنا میں قصائد غرا تصنیف کئے ہیں[۵۳]۔

مسعود سعد سلمان[۵۴]۔ مولانا آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان فی آثار الہندوستان میں لکھا ہے کہ اس کے آباو اجداد ہمدان کے رہنے والے تھے۔ سلاطین غزنویہ کے زمانہ میں آکر ہندوستان میں سکونت پذیر ہوئے۔ مسعود سعد سلمان لاہور میں پیدا ہوا۔ برخلاف اس کے تقی کاشی۔ والہ داغستانی۔ صاحب مجمع الفصحا وغیرہ نے خاص ہمدان کو اس کا مولد و منشا بتایا ہے۔ لیکن خود مسعود کے ایک بیت سے ظاہر ہے کہ اس کے خاندان

---

۵۱ عوفی جلد ۱ صفحہ ۷۱۔ ۵۲ ترجمہ چہار مقالہ طبع لندن صفحہ ۴۷۔ ۵۳ عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۴۶

۵۴ عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۴۶۔ سبحۃ المرجان ترجمہ صفحہ ۶۰۔ مجمع الفصحا جلد ۱ صفحہ ۵۱۴۔ تا صفحہ ۵۲۰۔ براون جلد ۲ ریو جلد ۲ صفحہ ۲۔ محمد بن عبد الوہاب قزوینی نے مسعود سلمان کے حالات نہایت تحقیقات کے بعد کمال شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں جسے پروفیسر براون نے انگریزی میں ترجمہ کیا اور یہ مضمون رسالہ جات رائل ایشیاٹک سوسائٹی بابتہ ۱۹۰۵ء و ۱۹۰۶ء میں شائع ہوا ہے۔

کی اصل ہمدان ہے، نہ یہ کہ اسکا مولد و منشا ہمدان ہے۔

گر دل بطبع بستم شعرست صناعت　　ور احمقی کردم اصل از ہمدان ست

مسعود نے ایک قصیدہ سلطان ابراہیم کی مدح میں لکھا ہے۔ اُس میں بیان کرتا ہے کہ اس کے بہت سے قرابتدار ہندوستان میں ہیں۔ سعد بن سلمان نے ساٹھ سال تک اس سرزمین میں مختلف خدمات کو انجام دیا ہے اس عرصہ میں اسی جگہ عقد کیا۔ اور اُس سے کئی لڑکے لڑکیاں تولد ہوئیں۔

ای زمین بحق شدہ خسرو　　ای زمان را قبول کردہ ضماں

شصت سال است تا کہ خدمت کرد　　پدر بندہ سعد بن سلمان

گہ بر اطراف بودی از عمال　　گہ بدرگاہ بودی از اعیان

دختری خورد دارم و پسری　　باد و خواہر بوم ہندوستان

دختر از اشک دیدہ نابینا　　پسر از روزگار سرگردان

سی چہل تن ز خویش و ز پیوند　　بستہ در راحت تو جان و روان

مسعود سعد سلمان نے پانچ بادشاہوں کی مدح میں قصائد لکھے ہیں۔

۱۔ سلطان ابراہیم بن مسعود ۴۵۱ھ – ۴۹۲ھ　　۲۔ سلطان مسعود بن ابراہیم ۴۹۲ھ – ۵۰۸ھ

۳۔ سلطان عضد الدولہ شیرزاد بن مسعود ۵۰۸ھ – ۵۰۹ھ　　۴۔ سلطان ارسلان شاہ بن مسعود ۵۰۹ھ – ۵۱۲ھ

۵۔ سلطان بہرام شاہ بن ابراہیم ۵۱۲ھ – ۵۴۷ھ

علاوہ ازیں بہت سے قصاید سیف الدولہ محمود بن ابراہیم کی مدح میں بھی ہیں۔

سلطان ابراہیم نے ۴۶۹ھ میں سیف الدولہ کو ہندوستان کا گورنر مقرر کیا تھا۔ مسعود اوائل عمر میں سیف الدولہ کے ندیموں میں شامل ہو گیا۔ سلطان ابراہیم کے پاس کسی نے مخبری کی کہ سیف الدولہ کے سر میں سودائے خودسری سمایا ہے اور اس نے بھاگ کر ملک شاہ سلجوقی کے پاس جانے کی تیاری شروع کی ہے۔ اس الزام میں سلطان نے سیف الدولہ اور اُس کے ندیم مسعود کو قید کر دیا۔ مسعود نے دس سال قید میں گزارے۔ اس کے بعد امیر ابو القاسم کی سفارش سے نجات حاصل کی۔

سلطان مسعود نے برسرِ حکومت ہونے کے بعد اپنے لڑکے عضد الدولہ شیرزاد کو ہندوستان کی حکومت عنایت کی۔ اور ابو نصر فارسی کو اُس کا نائب اور سپہ سالار مقرر کیا۔ ابو نصر سے مسعود کے دوستانہ تعلقات تھے۔ ابو نصر جب ہندوستان میں آیا تو مسعود سعد کو جالندھر کی صوبہ داری پر مامور کر دیا۔ ۴۹۲ھ میں ابو نصر معتوب شاہی ہو کر قید ہو گیا اس کے ساتھ مسعود سعد بھی قید کر دیا گیا۔ آٹھ سال کے بعد ثقۃ الملک طاہر بن علی شکان کی سفارش سے ۵۰۰ھ میں رہائی پائی۔ اس کے بعد بقیہ عمر گوشہ نشینی میں گزاری۔ اور ۵۱۵ھ میں اسّی سال کی عمر میں انتقال کیا۔

مسعود کی تصنیفات سے عربی فارسی ہندی تین زبانوں میں تین دیوان ہیں۔ فارسی دیوان موجود ہے جس میں پندرہ ہزار اشعار ہیں۔ عربی ہندی ناپید ہو گئے ہیں۔ رشید الدین وطواط نے حدائق السحر میں چند عربی اشعار کو نقل کیا ہے۔ منجملہ اُن کے ایک قطعہ یہ ہے۔

دلیل کان الشمس ضلت قمرھا   ولیس لھا نحو المشارق مرجع

نظرت الیہ والظلام کانہ   علی العین غربان من الجو وقع

سراج الدین عثمان بن محمد المختاری غزنین کا باشندہ ہے۔ اس نے اپنے قصائد چھ بادشاہوں کی مدح میں لکھے ہیں۔ ان میں پہلے چار بادشاہ غزنویہ خاندان سے ہیں۔

۱۔ سلطان مسعود بن ابراہیم ۴۹۲ھ ۵۰۸ھ   ۲۔ عضد الدولہ شیرزاد بن مسعود ۵۰۸ھ ۵۰۹ھ

۳۔ سلطان ارسلان بن مسعود ۵۰۹ھ ۵۱۲ھ   ۴۔ بہرام شاہ بن ابراہیم ۵۱۲ھ ۵۴۷ھ

۵۔ معز الدین ارسلان شاہ بن کرمان شاہ بن قاورد جو کرمان کے خاندان سلجوقیہ کا ساتواں فرماں روا ہے اور ۴۹۴ھ سے ۵۳۶ھ تک اس نے حکومت کی ہے۔

۶۔ ارسلان خاں بن محمد بن سلیمان۔ جو ماوراء النہر کے ترکان آل افراسیاب کا اخیر فرمانروا ہے۔ اور ۴۹۵ھ سے ۵۲۴ھ تک حکمراں رہا ہے۔

تقی کاشی اور صاحب مجمع الفصحا نے لکھا ہے کہ ۵۴۵ھ میں اس کا انتقال ہوا تقی اوحدی نے ۴۳۰ھ اس کی تاریخ وفات بیان کی ہے لیکن یہ تاریخ یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ اس کے کلام میں جن بادشاہوں کے مدائح موجود ہیں وہ سب ۴۳۰ھ کے بعد گزرے ہیں۔

صاحب مجمع الفصحا نے عضدالدولہ سے عضدالدولہ دیلمی مراد لیا ہے لیکن یہ بھی صریح غلطی ہے۔ کیونکہ مختاری کی وفات ۵۵۴ھ سے ایک سو اسّی سال پہلے ۳۷۲ھ میں عضدالدولہ دیلمی کا انتقال ہو گیا تھا۔

مختاری نے سلطان مسعود کی فرمایش سے شاہنامہ کی طرز پر شہریار نامہ لکھا ہے اور اُس میں شہریار بن بہروز بن سہراب کی داستان اور اُس کے معرکہ آرائیوں کے افسانے بیان کئے ہیں۔ دیباچہ میں وجہ تالیف اس طرح بیان کی ہے:

بسر شد کنوں نامۂ شہریار — بہ توفیقِ یزدانِ پروردگار
شہا شہریارا سرا سرورا — نگہدارِ تخت و جہاں داورا
چو فرمودیم داستانی بگوئ — بگفتم با قبالِ فرہنگ جوئ
سہ سال اندریں رنج برداشتم — سخن آنچہ بد ہیچ نگذاشتم
بہ نظم آوریدم بہ اقبالِ شاہ — شہی شہریاران و ظلِ الٰہ
کہ تا حیت فروزندہ چوں ہور باد — ز تیغت جہاں جملہ پرنور باد
گلِ باغ و بستانِ محمود شاہ — جہاں جوئے بخشندہ مسعود شاہ
چو مختاریِ آں باوردا ستاں — بنامِ تو گفت اے شہ داستاں
گرم ہدیہ بخشی دریں بارگاہ — ق — بہ پیشِ بزرگانِ با عز و جاہ
شوم شاد و افزوں شود جاہ تو — ہماں مدح گویم بدرگاہِ تو
وگر ہدیہ ندہی ایا شہریار — نہ رنجم کہ ہستی خداوندگار
زبانِ من از ہجو کوتاہ باد — ہمیشہ ثنا گوئے آں شاہ باد
نہ فردوسی اکنوں سخن یاد دار — کہ شد بر سرِ رزمِ اسفندیار

باب دہم

بہرام شاہ

بہرام شاہ (۵۱۲ھ-۵۴۷ھ) بہرام شاہ کا مذاق علمی۔ نصر اللہ مستوفی۔ کلیلہ دمنہ۔ کلیلہ دمنہ کا مصنف کلیلہ دمنہ کا عربی ترجمہ۔ ابن المقفع۔ نصر اللہ کا ترجمہ اور وہ کتابیں جو نصر اللہ کے ترجمہ سے اخذ و انتخاب ہوئی ہیں۔ کلیلہ دمنہ کا سنسکرت نسخہ اور اُس کے سریانی اور عربی تراجم اور اُن کے ابواب و فصول کلیلہ دمنہ کے تراجم۔ امام فخر الدین نیشاپوری۔ ان کی تصنیفات۔ مجد الدین بن طیفور السجاوندی۔ حکیم مجد الدین سنائی۔ عبد الواسع جبلی۔ شرف الدین حسن علوی۔ دیگر شعرائے دربار۔

بہرام شاہ ذی شوکت، دانشمند، صاحب فضل اور عالم نواز بادشاہ ہوا ہے۔ اس کے دربار میں علما و فضلا و شعرا بکثرت سے جمع تھے۔ اور شہر غزنین اس وقت مرکز اہل فضل ہو گیا تھا۔ اکثر علما نے اس کے نام پر کتابیں لکھی ہیں۔ منجملہ اُن کے دو کتابیں نہایت مشہور اور مقبول عام ہیں۔ ایک کلیلہ دمنہ۔ دوسری کتاب حدیقہ[1] فرشتہ اور نیز اُس کی پیروی میں بعض دوسرے مصنفین نے لکھا ہے کہ مولانا نظامی گنجوی نے مخزن الاسرار بھی اسی بادشاہ کے نام پر تصنیف کی ہے۔ لیکن یہ سہو عظیم ہے۔ کیونکہ مولانا نے مخزن الاسرار کو ۵۸۲ھ میں تصنیف کیا ہے۔

از گہ ہجرت شدہ تا این زمان   پانصد و ہشتاد و دو افزون بدان

بہرام شاہ نے تصنیف کتاب سے ۳۴ سال پہلے ۵۴۸ھ میں انتقال کیا ہے[2]۔ یہ غلطی محض اشتراک نام کی وجہ سے ہوئی ہے۔ فخر الدین بہرام شاہ جس کے نام پر مولانا نے یہ کتاب لکھی ہے، داؤد شاہ بادشاہ آرمینہ کا فرزند اور ارزنجان کا حاکم تھا۔ سلاجقہ روم کے چھٹے بادشاہ اعز الدین قلج ارسلان (۵۵۱ھ-۵۸۸ھ) نے اپنی دختر سے اس کا عقد

---

[1] دولت شاہ ص۵۰ [2] ابن اثیر

کردیا تھا۔ ۵۶۲۲ھ میں اس نے وفات پائی ہے۔ بڑا ذی علم اور سخی امیر گزرا ہے۔ مخزن الاسرار کے صلہ میں اس نے مولانا نظامی کے یہاں پانچ ہزار اشرفیاں ایک قطار اونٹ اور بہت سے نفیس اور قیمتی کپڑے روانہ کئے تھے[۱]

جن ارباب کمال کو بہرام شاہ کے دربار سے تعلق رہا ہے ان کی فہرست طولانی ہے۔ منجملہ ان کے بعض مشاہیر کے نام اور ان کے حالات ذیل میں درج ہیں۔

ابو المعالی نصر اللہ بن عبد الحمید المستوفی۔ سلطان ابراہیم کے زمانہ میں دار الانشاء کا افسر تھا۔ بہرام شاہ نے اپنے عہد میں دیوان الاستیفا کی خدمت جلیلہ پر مامور کیا علم و فضل اور دولت و ثروت میں یکتائے زمانہ ہوا ہے خسرو ملک جب برسرِ حکومت ہوا تو اس کو کسی الزام میں قید کر دیا۔ اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔ بہرام شاہ کے حکم سے اس نے عربی سے کلیلہ دمنہ کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے[۵۲]۔

کلیلہ دمنہ جس کو حکایات حکیم بیدپائے بھی کہتے ہیں بہت سی فرضی کہانیوں میں کا مجموعہ ہے۔ اور ان کہانیوں میں حیوانات کو ناطق کی حیثیت سے دکھلایا گیا ہے۔ قدیم ہندوستانیوں نے اس قسم کی متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں پنچ تنتر سب سے قدیم اور ابتدائی کتاب ہے۔ وشنو سرمن کو اس کا مصنف کہا جاتا ہے۔ اسی مصنف نے اسی قبیل کی ایک اور کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہتوپدیش ہے[۵۳]۔

کلیلہ دمنہ کی بنیاد پنچ تنتر کے حکایات پر ہے۔ کسریٰ نوشیرواں (۵۳۱ء تا ۵۷۹ء) کے زمانہ میں ۵۷۰ء کے قریب سنسکرت سے پہلوی زبان میں ان حکایات کا ترجمہ ہوا۔ پھر اس پہلوی ترجمہ سے یہ کتاب سریانی اور عربی زبانوں میں ترجمہ کی گئی۔ سریانی ترجمہ کی صحیح تاریخ نہیں ملتی۔ اور نہ مترجم کا نام معلوم ہے۔ عربی ترجمہ خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ میں ۷۶۰ء کے قریب بمقام بغداد ہوا ہے اور مترجم عبد اللہ ابن مقفع ہے۔

ابن المقفع خلیفہ المنصور کے دربار کا کاتب تھا۔ فارسی اس کی مادری زبان تھی۔ یونانی بھی جانتا تھا۔ عربی میں کمال حاصل تھا۔ علمائے ادب تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام میں آج تک ایسا فصیح و بلیغ مقرر اور صاحب قلم نہیں ہوا ہے۔ ادبائے عرب میں ابلغ الناس کے لقب سے دس آدمی مشہور ہیں۔ ان میں سب سے پہلے ابن المقفع کا نام آتا ہے ابن المقفع نے کلیلہ دمنہ کے علاوہ فارسی، سریانی، یونانی وغیرہ زبانوں میں اور بھی کتابیں ترجمہ کی ہیں۔ منجملہ

---

[۱] ہفت اقلیم۔ [۵۲] عوفی جلد ا صفحہ ۹۲ [۵۳] انڈین وزڈم صفحہ ۵۰۶ و صفحہ ۵۰۸

اُن کے چند کتابوں کے نام یہ ہیں۔ خدائی نامہ۔ آئین نامہ، مزدک نامہ، سیر ملوک الفرس، آداب الکبیر، کتاب آداب الصغیر، وغیرہ۔[1]

اصل سنسکرت اور پہلوی ترجمہ دونوں مفقود ہیں۔ آج دنیا میں کلیلہ دمنہ کے جس قدر ترجمے موجود ہیں اُن سب کی اصل یہی عربی ترجمہ ہے۔ کلیلہ دمنہ عربی سے حسب ذیل زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہے۔ سریانی، عبرانی، یونانی، لاطینی، فارسی، اسپانش وغیرہ۔ دیگر ترجموں کا حال چونکہ ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس لیے اُسے قلم انداز کرکے صرف فارسی ترجمہ کا حال بیان کرتے ہیں۔

سب سے پہلے امیر نصر بن احمد سامانی ۳۰۱ھ۔۳۳۱ھ کی فرمائش سے ابو عبداللہ رودکی نے حکایات کلیلہ دمنہ کو فارسی زبان میں نظم کیا۔ یہ کتاب اس وقت ناپید ہے صرف دو چار شعر ملتے ہیں جنہیں حکیم اسدی طوسی نے اپنی لغت میں بطور شواہد کے نقل کیا ہے۔ اور اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی مولانا روم کی بحر میں لکھی گئی تھی۔ اس کے قریباً دو سال بعد نصراللہ مستوفی نے کلیلہ دمنہ کو فارسی نثر میں ترجمہ کیا۔[2]

مولانا حسین واعظ نے نصراللہ کے ترجمہ کو پیش نظر رکھ کر اپنے طور پر انوار سہیلی تصنیف کی۔ یہ کتاب سلطان حسین مرزا بایقرا کے سپہ سالار امیر نظام الدین احمد سہیلی المتوفی ۹۰۷ھ کی فرمائش سے لکھی گئی ہے۔ اور اسی مناسبت سے مولانا نے اس کا نام انوار سہیلی رکھا ہے۔[3]

انوار سہیلی مشرق و مغرب کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہوگئی ہے۔ ترکی زبان میں علی چلیپی نے ترجمہ کیا۔ اس کا نام عبدالواسع علی بن چلیپی ہے۔ انگوریہ کا باشندہ تھا۔ ۹۵۰ھ میں فوت ہوا۔ ترجمہ کا نام ہمایوں نامہ ہے۔
۱۷۴۲ء میں ہمایوں نامہ کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں ہوا۔ اُردو میں سب سے پہلے ابراہیم علی بیجاپوری نے ترجمہ کیا جو ۱۸۲۴ء میں بمقام مدراس چھپا ہے اور قدیم زبان میں ہے۔ واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے زمانہ میں فقیر محمد خاں گویا نے لکھنؤ کی روزمرہ میں ایک اور ترجمہ کیا جس کا نام بستان حکمت ہے۔ اور لکھنؤ دہلی وغیرہ میں کئی بار چھپا ہے۔
انگریزی میں دو ترجمے بہت مشہور ہیں۔ پہلا اسٹواک کا جو ہرٹفورڈ میں ۱۸۵۴ء میں چھپا ہے۔ دوسرا ولسٹن کا جو ۱۸۷۷ء میں لندن میں چھپا ہے۔

۱؎ ابن ندیم ص۱۱۸، ابن ابی اصیبعہ جلد ۱ ص۳۰۸، التنبیہ والاشراف ص۱۰۱، ۲؎ ریو جلد ۲ ص۷۴۵، ۳؎ ریو جلد ۲ ص۷۵۶

نصر اللہ کا ترجمہ مشکل اور مغلق زبان میں تھا۔ اس لیے وزیر ابوالفضل علامی نے شہنشاہ اکبر کے حکم سے اس کو ۱۵۸۵ء میں سلیس عبارت میں لکھا۔ اور اُس کا نام عیار دانش رکھا۔ منشی نولکشور نے جن کا مطبع ہندوستان میں مشہور ہے عیار دانش کا خلاصہ کیا۔ اور اُس کا نام نگار دانش رکھا۔ گورنر جنرل مارکوئیس ولزلی کے زمانہ میں جان گلکرسٹ کی فرمائش سے مولوی حفیظ الدین احمد نے عیار دانش کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ اور خرد افروز اُس کا نام رکھا۔ یہ ترجمہ سول سروس کے امتحان میں شریک ہے۔ اور کلکتہ و لندن میں کئی بار چھپا ہے۔

پنج تنتر کے معنی ہیں "پانچ ابواب کا مجموعہ"۔ جرمن کے ایک مشہور عالم پروفیسر بن فائی نے اصل سنسکرت سے جرمن میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اور اُسے ۱۸۵۹ء میں چھپوایا ہے۔ پروفیسر موصوف کا خیال ہے کہ یہ کتاب اصل میں تیرہ یا اُس سے زیادہ ابواب میں تھی۔ امتداد زمانہ کے باعث اس کا بہت بڑا حصہ تلف ہو گیا۔ اور صرف پانچ باب زمانہ کی دست برد سے بچ رہے اور زمانہ مابعد میں پنج تنتر کے نام سے مشہور ہوئے ہیں جو کتاب پہلوی میں ترجمہ ہوئی وہ موجودہ پنج تنتر نہ تھے۔ بلکہ مکمل مجموعہ تھا جس کا بقیہ حصہ موجودہ پنج تنتر ہے۔

سریانی کلیلہ دمنہ کو جو براہ راست پہلوی سے ۵۷۰ء کے قریب ترجمہ ہوئی ہے پروفیسر بکل نے ۱۸۷۶ء میں چھپوایا ہے۔ اس میں کل دس ابواب ہیں۔

ابن المقفع کے عربی ترجمہ کی اشاعت اٹھارھویں صدی کے ثلث ثانی سے شروع ہوئی ہے۔ سب سے پہلے ایک جرمن عالم پروفیسر شلٹن نے اس کے دو باب کو لاطینی ترجمہ کے ساتھ ۱۷۸۶ء میں شائع کیا اس کے قریباً چالیس سال کے بعد پروفیسر ڈی ساسی نے ۱۸۱۶ء میں چار نسخوں سے مقابلہ کر کے کلیلہ دمنہ کو شائع کیا۔ اس میں کل اٹھارہ باب ہیں۔ پروفیسر گیڈی نے ۱۸۷۳ء میں عربی کلیلہ دمنہ کے متعلق ایک کتاب لکھی۔ اور اُس میں ڈی ساسی کے نسخہ پر تین باب اور اضافہ کئے ۱۹۰۵ء میں پروفیسر شیخو نے کلیلہ دمنہ کو نہایت اہتمام سے چھپوایا۔ اور اُس میں وہ تمام ابواب شامل کئے جو اس وقت تک کلیلہ دمنہ کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں ملے ہیں۔ اور اُن کی مجموعی تعداد ۲۱ ہے۔ اور ان میں اخیر کے دو باب کو الحاقی بتایا ہے۔ عربی کلیلہ دمنہ کے اکیس ابواب کی تفصیل یہ ہے۔

باب ۱ - بہنود بن سحوان[۵۷] عرف علی بن شاہ فارسی کا مقدمہ۔

---

۵۷ سحوان۔ ڈی ساسی نے اس نام کو سحوان لکھا ہے۔

باب ۲ کسریٰ نوشیرواں کا کلیلہ دمنہ کے لانے کے لیے برزویہ طبیب کو ہندوستان میں روانہ کرنا۔

باب ۳ برزویہ طبیب کا تذکرہ

باب ۴ ابن المقفع کا دیباچہ

باب ۵ شیر اور بیل کی حکایت

باب ۶ دمنہ کا انجام کار

باب ۷ چوہے کبوتر کچھوے اور ہرن کی حکایت

باب ۸ اُلّو اور کوّے کی حکایت

باب ۹ بندر اور کچھوے کی حکایت

باب ۱۰ بلّی اور چوہوں کی حکایت

باب ۱۱ زاہد اور لومڑی کی حکایت

باب ۱۲ بادشاہ اور چڑیا کی حکایت

باب ۱۳ شیر اور گیدڑ کی حکایت

باب ۱۴ شیر اور تیر انداز کی حکایت

باب ۱۵ مسافر اور زرگر کی حکایت

باب ۱۶ زاہد اور مہمان کی حکایت

باب ۱۷ ایلاز اور ایراخت کی حکایت

باب ۱۸ شاہزادہ اور اُس کے ندیموں کی حکایت

باب ۱۹ کبوتر اور لومڑی کی حکایت

باب ۲۰ چوہوں کے بادشاہ اور اُس کے وزرا کی حکایت

باب ۲۱

آخر کے دو باب ڈی ساسی کے نسخہ میں نہیں ہیں۔ ان کو گیڈی نے بطور تکملہ چھاپا ہے۔ اور شیخو نے لکھا ہے کہ یہ الحاقی حکایات ہیں۔

ان اکیس ابواب کے منجملہ پانچ باب ۵-۷-۸-۹-۱۱ پنچ تنتر کے پانچ ابواب سے کم و بیش مطابقت رکھتے ہیں۔

سریانی میں حسب ذیل دس ابواب ہیں۔ ۵-۷-۸-۹-۱۰-۱۱-۱۲-۱۳-۱۷-۲۰-

نصر اللہ کے ترجمہ میں جملہ اٹھارہ باب ہیں۔ ۲-۳-۵-۶-۷-۸-۹-۱۰-۱۱-۱۲-۱۳-۱۴-۱۵-۱۶-۱۷-۱۸- مترجم نے اپنے دیباچہ میں ابن المقفع کا دیباچہ شامل کر لیا ہے۔ اور علی شاہ کے مقدمہ کو باب سوم سے پہلے بطور تمہید کے لکھا ہے۔ عیار دانش اور نگار دانش کے ابواب نصر اللہ کے ترجمہ کے بالکل موافق ہیں۔

مولانا حسین واعظ نے انوار سہیلی میں دو باب ۲-۳ چھوڑ دیے ہیں۔ اور باب پنجم سے کتاب کی ابتدا کی ہے۔ اور اس سے پہلے علی شاہ کے مقدمہ کو بطور تمہید لکھا ہے۔

نصر اللہ کی کلیلہ دمنہ - انوارِ سہیلی - عیارِ دانش وغیرہ کے اس وقت تک جس قدر تراجم اور ایڈیشن شائع ہوئے ہیں، اُن کی تفصیل یہ ہے -

کلیلہ دمنہ نصر اللہ مستوفی - بمبئی ۱۳۰۲ھ طہران ۱۳۰۵ھ

انوارِ سہیلی - لنڈن - ہرٹفورڈ ۱۸۰۵ء

" کلکتہ ۱۲۳۱ھ - مدراس ۱۲۴۲ھ مصطفائی ۱۲۹۴ھ بمبئی ۱۲۲۳ھ نولکشور ۱۸۸۰ء

" ترکی ترجمہ - ہمایوں نامہ - بولاق ۱۲۵۱ھ - اسلامبول ۱۲۹۳ھ -

" اُردو ترجمہ - مترجمہ محمد ابراہیم علی - مدراس ۱۸۲۴ء -

" بستانِ حکمت - لکھنؤ ۱۲۶۱ھ -

انوارِ سہیلی - انگریزی ترجمہ - مترجمہ اسٹواک - ہرٹفورڈ ۱۲۵۴ھ

" مترجمہ وسٹن - لنڈن ۱۸۰۷ء

عیارِ دانش لکھنؤ ۱۸۷۹ء

اُردو ترجمہ - خرد افروز - ہرٹفورڈ ۱۸۰۷ء

نگارِ دانش لکھنؤ ۱۸۸۹ء

انوارِ سہیلی اور عیارِ دانش کے دیباچوں میں لکھا ہے کہ رودکی نے سلطان محمود کے حکم سے کلیلہ دمنہ کو نظم کیا، لیکن یہ خطائے عظیم ہے رودکی نے سلطان محمود کی تخت نشینی سے پہلے ۳۲۹ھ میں وفات پائی - اور امیر نصر بن احمد سامانی (۳۰۱ھ ۳۳۱ھ) کے حکم سے کلیلہ دمنہ کو نظم کیا ہے -

امام فخر الدین محمد بن محمود بن احمد النیشاپوری[۱] - علوم دینیہ میں امام وقت مانے جاتے تھے - نیشاپور ان کا وطن تھا - غزنین میں سکونت تھی ۵۲۹ھ بہرام شاہ ان کی بدرجہ غایت عزت و تعظیم کیا کرتا تھا - ۵۳۹ھ میں سلطان سنجر سلجوقی نے بہرام شاہ پر لشکر کشی کی - تو بہرام شاہ نے امام صاحب کو سفیر بنا کر سنجر کے دربار میں روانہ کیا - امام صاحب نے تکین آباد کے پاس سنجر سے ملاقات کی - اور کچھ ایسی باتیں کیں کہ فوراً مصالحت ہو گئی -

---

[۱] عوفی جلد ا صفحہ ۲۰ - ہفت اقلیم صفحہ ۲۱۱

امام صاحب نے مختلف علوم وفنون متعدد لطیف کتابیں تصنیف کی ہیں اس زمانہ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ بلاد مغرب میں کسی عالم نے پچاس جلدوں میں کلام اللہ کی تفسیر لکھی ہے۔ اس پر امام صاحب نے اس کے جواب میں صرف ایک آیۃ کی تفسیر سو جلدوں میں لکھی۔ پچاس جلدوں میں خلق انسان کے معنی بیان کیے اور پچاس جلدوں میں خُلق انسان کے۔ اس کے علاوہ امام صاحب کی بعض تصنیفات کے نام یہ ہیں۔

۱۔ بصائر یمینی۔ فارسی زبان میں کلام اللہ کی ضخیم تفسیر ہے۔ حاجی خلیفہ نے البصائر فی التفسیر کے تحت میں اس کا ۵۷۰ھ تصنیف لکھا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے کیونکہ سلطان سنجر نے ۵۲۹ھ میں بہرام شاہ پر لشکر کشی کی تھی۔ اس وقت امام صاحب بہت بوڑھے تھے۔ اس لیے بعید ہے کہ اس واقعہ کے ۴۱ سال بعد ایسی کبیر الحجم کتاب تصنیف کریں[1]۔

۲۔ جہاں آرا، الغرر والسیر کا ترجمہ ہے۔ حاجی خلیفہ نے اس کے مصنف کا نام محمد بن احمد النیشاپوری لکھا ہے[2]۔

۳۔ صحیفۂ اقبال۔ اس میں سیف وقلم کا معارضہ مرقوم ہے۔

امام الکبیر مجد الدین احمد بن محمد بن طیفور السجاوندی[3]۔ مشہور ومعروف عالم ہیں بہرام شاہ کے زمانہ میں غزنین میں رہا کرتے تھے ۵۶۰ھ سے پہلے ان کا انتقال ہوا ہے۔ ان کی تصنیفات سے بہت سی کتابیں مشہور ہیں۔ منجملہ اُن کے دو کتابوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ عین المعانی فی تفسیر سبع المثانی۔ خود امام صاحب نے اس کا خلاصہ بھی لکھا ہے جس کا نام انسان عین المعانی ہے۔ اور اس کا ایک نسخہ مصر کے کتب خانہ خدیویہ میں موجود ہے۔

۲۔ ذخائر شمار۔ حاجی خلیفہ نے اس کا نام ذخائر نثار لکھا ہے[4]۔ سجاوند غزنین کے مضافات میں ایک قریہ کا نام ہے۔

حکیم ابوالمجد مجدود مجد الدین مجدود بن آدم السنائی[5]۔ غزنین ان کا وطن ہے

۱؎ حاجی خلیفہ جلد ۲ ص۵۸ ۲؎ حاجی خلیفہ جلد ۲ ص۲۴۲ ۳؎ حاجی خلیفہ جلد ۲ ص۳۲۶ ۴؎ عوفی جلد ۱ ص۲۸۲ بروکلمن جلد ۱ ص۴۰۸ حاجی خلیفہ جلد ۳ ص۲۲۶ وجلد ۴ ص۲۸۴ ہفت اقلیم ص۲۰۴

۵؎ عوفی جلد ۲ ص۲۵۲ دولت شاہ ص۹۶ نفحات ص۳۵۹ آتشکدہ ص۱۰۸ فرشتہ ص۵۱ بدایونی ص۱۳ سفینہ ص۱۶۷ مجمع الفصحا جلد ۱ ص۲۵۴ معزی کا مرثیہ مجمع الفصحا ص۵۷ پر درج ہے۔

مشہور عارف گزرے ہیں۔ امام ابو یوسف ہمدانی کے مرید تھے۔ مورخین نے ان کے اشعار کی تعداد تیس ہزار بیان کی ہے دیوان کے علاوہ ان کی تصنیفات سے حسب ذیل مثنویات ہیں۔

حدیقۃ الحقیقت سیر العباد زاد السالکین طریق التحقیق کارنامہ بلخ عشق نامہ عقل نامہ بہروز و بہرام وغیرہ

حدیقہ چھپ گیا ہے۔ اور عام طور پر ملتا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے غریب نامہ کو بھی شیخ کی تصنیفات میں شمار کیا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ مثنوی خواجہ حسین ثنائی کی تصنیف ہے جو مرزا ابراہیم صفوی کے ندیموں سے تھا۔ شیخ نے ایک مطول قصیدہ میں سلوک کے معارف وحقایق بیان کئے ہیں۔ اس کا نام رموز الانبیا وکنوز الاولیا رہے۔ اور اس کا پہلا شعر یہ ہے۔

طلب اے عاشقان خوش رفتار　　طرب اے نیکوان شیریں کار

شیخ نے غزنین میں وفات پائی ہے۔ تاریخ میں اختلاف ہے۔ حمد اللہ مستوفی کہتا ہے کہ بہرام شاہ کے زمانہ میں انکا انتقال ہوا ہے۔ دولت شاہ نے ۵۷۶ھ بیان کیا ہے۔ مولانا جامی اور مورخ فرشتہ نے ۵۲۵ھ بتایا ہے ریاض العارفین میں ۵۴۶ھ اور مجمع الفصحا میں ۵۹۰ھ مذکور ہے۔ شیخ کے کلام میں امیر معزی کا مرثیہ موجود ہے۔ امیر معزی نے سلطان سنجر کے تیر سے ۵۴۲ھ میں وفات پائی۔ پس ظاہر ہے کہ ۵۴۲ھ کے بعد شیخ نے وفات پائی ہے۔ مرثیہ کے دو شعر یہ ہیں۔

گر زہرہ بچرخ دوم آید نہ شگفت ست　　در ماتم طبع طرب افزائے معزی

کو حسرت فرہائے تمیش چو تیماں　　نبشستہ عطارد بمعزائے معزی

عبد الواسع جبلی گرجستان کا باشندہ ہے۔ وطن سے ہرات میں آکر کسب کمالات کیا۔ یہاں سے غزنین میں آیا اور بہرام شاہ کے دربار میں قریباً چار سال باریاب رہا۔ متعدد قصاید غرا بادشاہ کی مدح میں تصنیف کیے۔ اس کے بعد سلطان سنجر کے پاس چلا گیا۔ اور وہاں مدایح عالیہ حاصل کئے۔ قصیدہ گوئی میں مشہور استاد ہے۔ صاحب آتشکدہ نے ذیل الفاظ میں اس کے فضل وکمال کا اعتراف کیا ہے۔

در فن قصیدہ گوئی طرز خاصی دارد کہ کسے از استادان ماہر در آں طریق بمرتبہ آں نرسیدہ

سلہ۔ دولت شاہ صفحہ ۷۵۔ آتشکدہ صفحہ ۱۰۱۔ مجمع الفصحا جلد ا صفحہ ۱۸۵

۵۵۰ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

فخر السادات شرف الدین ابو علی حسن بن ناصر العلوی۔ غزنین کے مشاہیر صوفیہ سے ہیں۔ بہرام شاہ جب تخت نشین ہوا تو اُس کی تہنیت میں آپ نے ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے۔

ندائی برآمد ز ہفت آسماں　　　　که بہرام شاہ ہست شاہِ جہاں

آپ غزنین میں مرجع خلایق تھے۔ اور آپ کی مجالس وعظ و تذکیر میں عموماً ساٹھ ستر ہزار آدمیوں کا مجمع رہا کرتا تھا اور ہزارہا آدمی آپ کے حلقہ ارادت میں شامل تھے جس کی وجہ سے بہرام شاہ بے اطمینان رہا کرتا تھا۔ پس آپ غزنین سے نکل کر حرمین شریفین کو چلے گئے۔ اور ایک مدت کے بعد وہاں سے واپس ہو کر ولایت جوین میں آئے۔ اور ۵۶۵ھ میں اسی جگہ آپ کا انتقال ہوا۔ سلطان مسعود اور بہرام شاہ کی مدح میں آپ نے بہت سے قصائد لکھے ہیں۔ ان میں سے بعض قصائد کو صاحب مجمع الفصحا نے نقل کیا ہے۔ زمانہ قیام مکہ معظمہ میں آپ نے ایک قصیدہ بہرام شاہ کی مدح میں لکھا تھا جس کے دو بیت یہ ہیں۔

ہرگز بود که باز بہ بینم لقائے شاہ　　　　شکرانہ در دو دیدہ کشم خاک پائے شاہ

سیارگان چرخ در افتند چوں شہاب　　　　پا از برون نہند ز حد وفائے شاہ

علاوہ ان کے شعرا کی ایک کثیر جماعت بہرام شاہ کے دربار میں موجود تھی۔ اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو ان کی ایک مفصل فہرست تیار ہو سکتی ہے۔ بخوف طوالت ہم صرف چند مشہور شعرا کے نام لکھتے ہیں۔

۱۔ اکمل الشعرا جمال الدین محمد بن ناصر العلوی[۲]　　　　۴۔ جمال الشعرا عبد الحمید العبہری[۵]

۲۔ تاج الحکما ابو بکر محمد بن علی الروحانی[۳]　　　　۵۔ استاد الائمہ عماد الدین الغزنوی[۶]

۳۔ مختار الشعرا اسعد اللہ بن مسعود النوکی[۴]　　　　۶۔ حکیم الحکما ابی الرجا شہاب الدین علی الغزنوی[۷]

عوفی نے اپنے تذکرہ لباب الالباب میں ان شعرا کے حالات لکھے ہیں۔ اور قصائد اور دیگر کلام کو بھی نقل کیا ہے۔ استاد عماد الدین کی نسبت لکھتا ہے کہ

استاد شعرائے عصر و مقتدائے فضلائے دہر بود۔ و دیوان اشعار ہم دارد۔

صاحب مجمع الفصحا نے لکھا ہے کہ ابی الرجا کا ۵۹۰ھ میں انتقال ہوا[۹]۔

۲۸۲

[۱] عوفی جلد ۲ ص ۲۷۰ دولت شاہ ص ۸۵۔ آتشکدہ ص ۱۰۶ مجمع الفصحا جلد ۱ ص ۱۹۲ بدایونی ص ۱۲ [۲] چہار مقالہ ص ۳۵۔ عوفی جلد ۲ ص ۲۶۷ [۳] عوفی جلد ۲
[۴] عوفی جلد ۲ ص ۲۹۱ [۵] عوفی جلد ۲ ص ۲۹۰ [۶] عوفی جلد ۲ ص ۲۵۶ [۷] عوفی جلد ۲ ص ۲۷۶ چہار مقالہ ص ۳۵ [۸] مجمع الفصحا ج ۲ ص ۴۸

باب یازدہم

آل سبکتگین کا انقراض

بہرام شاہ کی وفات ۔ بہرام شاہ کے جانشین خسرو شاہ ۔ خسرو ملک کا پرآشوب زمانہ ابوالمحاسن یوسف بن نصر الکاتب ۔ شہاب الدین محمدؒ ۔ جمال الفلاسفہ یوسف بن محمد الوریدی ۔

مورخین نے بہرام شاہ کے انتقال کی مختلف تاریخیں بیان کی ہیں ۔ فخرالدین بناکتی نے ۵۳۲ھ اور حمداللہ مستوفی نے ۵۴۴ھ لکھا ہے ۔ بقول صاحب طبقات اکبری وملا عبدالقادر بدایونی و فرشتہ ۵۴۷ھ میں اس کا انتقال ہوا ہے ۔ تاریخ ابن اثیر میں رجب ۵۴۸ھ مذکور ہے ۔ قاضی منہاج سراج نے ۵۵۲ھ بیان کیا ہے ۔

بہرام شاہ کے بعد خسرو شاہ حکمران ہوا ۔ فخرالدین بناکتی ۔ حمداللہ مستوفی ۔ امام بیضاوی وغیرہ نے اس کو آل سبکتگین کا اخیر بادشاہ لکھا ہے ۔ مولخ بناکتی کی عبارت یہ ہے ۔

> سلطان خسرو شاہ بن بہرام شاہ بحکم وراثت قائم مقام پدر شد ۔ چون علاءالدین برسید خسرو شاہ بگریخت و بہ ہندوستان رفت علاؤالدین غزنہ راقتل و تاراج کرد ۔ و لپسران برادر غیاث الدین ابوالفتح محمد و شہاب الدین ابوالمظفر پسران سام بن حسن را آنجا بگذاشت وایشان بحیل خسرو شاہ رابدست آورند و بہ قلعہ فرستادند و انقراض دولت غزنویان شد ۔ خسرو شاہ در سنہ خمس و خمسین و خمسمائۃ وفات یافت ۔

برخلاف اس کے ابن اثیر ۔ منہاسراج ۔ میر خوند ۔ احمد غفاری ۔ نظام احمد بدایونی ۔ فرشتہ وغیرہ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ خسرو شاہ کے بعد اس کا لڑکا بادشاہ ہوا ۔ اور اس نے باختلاف روایات بیس یا اٹھائیس سال بادشاہت کی ۔ ۵۸۲ھ میں شہاب الدین غوری نے لاہور کو فتح کر کے اسے گرفتار کر لیا ۔ تو اس پر سلطنت آل سبکتگین کا خاتمہ ہوگیا ۔

اس اخیر بادشاہ کا نام ابن اثیر نے ملک شاہ بن خسرو شاہ لکھا ہے۔ قاضی منہاج سراج حسن نظامی، میر خوند وغیرہ نے خسرو ملک بیان کیا ہے حسن نظامی نے فتح لاہور کے تحت میں تصریح کی ہے کہ خسرو ملک کے لڑکے کا نام ملکشاہ تھا۔ اور ۵۸۰ھ میں خسرو ملک نے گفتگوئے صلح کے لیے اُسے سلطان شہاب الدین کے یہاں روانہ کیا تھا[1]۔

بہرام شاہ کے اخیر زمانہ سے تاریخ آل سبکتگین کا پرآشوب زمانہ شروع ہوتا ہے۔ یہ چالیس سال جنگ و جدال میں گزرے ہیں۔ اس مدت میں سلاطین غزنویہ کو اطمینان نہیں ملا ہے۔ علاقہ غور کے شاہان آل شنسب سلاطین غزنویہ کے باج گزار تھے۔ اور انہوں نے بہرام شاہ سے ازدواج ومناکحت کے ذریعہ رشتہ بھی پیدا کر لیا تھا۔ بہرام شاہ اپنے داماد قطب الدین والی فیروزکوہ کو قتل کر دیا تو انتقام لینے کے لیے اس کے بھائی سیف الدین والی غور نے غزنین پر یورش کی۔ بہرام شاہ سے مقابلہ نہ ہو سکا تو پنجاب میں چلا آیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد امرائے غزنین کی شرکت سے بہرام شاہ نے سیف الدین کو گرفتار کر لیا۔ اور اُسے بری طرح سے ذلیل ورسوا کر کے قتل کرا دیا۔ دو بھائیوں کے قتل ہونے سے علاؤالدین کو سخت اشتعال ہوا اور اُس نے فوج کثیر لے کر غزنین کا رُخ کیا۔ طرفین میں لڑائی ہوئی۔ غزنین پر علاؤالدین نے قبضہ کر کے آگ لگا دی۔ اور وہاں کے تمام باشندوں کو قتل کر دیا جس کی وجہ سے اُس کا لقب جہاں سوز مشہور ہوا۔ بہرام شاہ شکست پا کر پنجاب میں آیا۔ اور اسی اثنا میں اس کا انتقال ہو گیا۔ بہرام شاہ کے بعد خسرو شاہ اور خسرو ملک کا زمانہ بھی غوریوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں گزرا۔ خسرو شاہ نے غزنین واپس لینے کی دوبارہ کوشش کی۔ لیکن ہر وقت ناکامیابی ہوئی۔ خسرو ملک کے زمانہ میں غوریوں نے پنجاب پر پیہم حملہ کیے یہاں تک کہ سلطنت آل سبکتگین کا نشان مٹا دیا۔ باوجود اس قدر غیر ماموں اور پرآشوب حالت کے خسرو شاہ اور خسرو ملک کے دربار ارباب کمال سے خالی نہیں تھے۔ علم وہنر اور شعر وسخن کا تھوڑا بہت چرچا ان کے خاتمہ تک جاری تھا۔

صدر الاجل جمال الدین ابو المحاسن یوسف بن نصر الکاتب[2]۔ خسرو شاہ اور اُس کے لڑکے خسرو ملک کے دیوان الانشاء کا افسر اعلیٰ تھا۔ فنون ادبیہ میں اس کو کمال مہارت حاصل تھی۔ عربی فارسی میں اس کے دو دیوان مشہور ہیں۔ بڑا عالی ہمت اور قدر داں شخص ہوا ہے۔ اس کے بعض قصائد مدحیہ عوفی نے اپنے تذکرہ میں نقل کیے ہیں۔

---

[1] فرشتہ ص۵۸ و ص۵۹۔ ابن اثیر جلد ۱۱ ص۱۷۳ [2] عوفی جلد ۱ ص۹۶

الرئیس شہاب الدین محمد بن رشید۔ اس کا باپ سلطان ابراہیم کے ندیمان خاص سے تھا مسعود سعد سلمان نے اس کی مدح میں قصائد لکھے ہیں۔ شہاب الدین خسرو ملک کے اہل دربار سے ہے۔ اور اُس زمانہ کے مشاہیر علماء میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ ۵۹۰ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس نے سلطان کی مدح میں جو قصاید منظوم کیے ہیں منجملہ اون کے ایک قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں ؂

روزی خوش است ابر در آفاق میکشد	دل سوئے ساقیانِ سمن ساق میکشد
دستان مرغ پردۂ عشاق می زند	عشرت گرفتہ دامن عشاق میکشد
باد صبا ز کلۂ فیروزگونِ باغ	خنداں ہزار لعبت خفچاق میکشد
مستی زِ ہوشیاری خوشتر مرا ازانک	مستی بمدح خسروِ آفاق میکشد

جمال الفلاسفہ ثقۃ الدین یوسف بن محمد الوربندی[۱] بلند پایہ عالم اور یکتائے عصر فلسفہ داں ہوا ہے۔ خسرو ملک کے امیران کبار سے تھا۔ ایام شباب میں اس نے بڑے بڑے مہام سلطنت انجام دیے جب سلطنت غزنویہ تباہ ہو چکی تو یہ بھی فقیر ہو کر گوشہ نشیں ہو گیا۔ اس کا مزار خطۂ لاہور میں مدت مدید تک زیارت گاہ خاص وعام رہا ہے۔

---

[۱] عوفی جلد ا صفحہ ۱۰۶

(مرتبہ جناب مولوی مرزا محمدؐ ہادی صاحب بی اے رکن دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی)

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

ارض ۔ (دیکھو مبادی ارض ضمیمہ) *Earth*

وہ سیّارہ جس پر ہم سکونت رکھتے ہیں یہ کرہ نما شکل کا ہے قطبین کے پاس بیچ کے چپٹا ہو گیا ہے۔

زمین تاب *Earth shine*

وہ حصّہ چاند کا جو تاریک ہوتا ہے ہلال کے پہلے دوسرے دن اکثر کسی قدر ہلکی سرخ روشنی سے روشن دکھائی دیتا ہے یہ روشنی درحقیقت زمین کی روشنی کا انعکاس ہے۔

طریق الارض *Earth way*

جو زاویہ درمیان کسی ستارہ کی سمت مرئی اور زمین کی سمت حرکت سالانہ میں کسی وقتِ معیّن میں بنتا ہو اس کو مخرج اعوجاج شعاع کے حساب کے لئے کام میں لاتے ہیں۔

مخرج استدارہ مدار *Eccentricity of an orbit*

کسی بیضوی مدار میں مرکز بیضوی سے کسی فوکس تک فاصلہ جو قطر اعظم کو واحد فرض کر کے لیا جائے اس کو مخرج استدارہ اس مدار کا کہتے ہیں مثلاً اگر مخرج استدارہ کسی بیضوی کے قطر اعظم کا ایک پانچواں حصّہ ہو تو اس کی کسر الشعاری ۲ء۰ ہوگی۔

زمین کے مدار کا مخرج الاستدارہ Eccentricity of the Earth's orbit Leverrier

یہ مخرج الاستدارہ ٠٫٠١٦٧٧٥ یعنی تقریباً ١/٦٠ ۔ لی ویریر کے نزدیک یہ اختلاف ٠٫٠٧٤٧ اکثر اور ٠٫٠٠٤٧ اقل حدوں میں کم و بیش ہوتی رہتی ہے ۔ فی زماننا مخرج الاستدارہ کم ہو رہی ہے لیکن کہیں ہزار ہا سال میں حد اقل تک پہنچے گی ہارکنس (Harkness) نے ضابطہ لکھا ہے ۔

خروج Egress.

جب عطارد یا زہرہ قرص آفتاب سے گذر کے باہر نکل جائے یا کوئی تابع اپنے مطبوع کے قرص سے نکل جائے ۔

خ = ٠٫٠١٦٧٧١٠٤٩ − ٠٫٠٠٠٠٠٤٢٤٥ (ق − ١٨٥٠) − ٠٫٠٠٠٠٠٠٠١٣٦٧ (ق − ١٨٥٠ / ١٠٠)^٢

خ سے مخرج الاستدارہ اور ق سے وقت مراد ہے کسی آیندہ مبدء وقت کے لئے ۔

(کسوف و خسوف) حیلولت Eclipse

ایک جرم سماوی کا دوسرے کے سایہ میں گذرنا ۔ مثلاً قمر کا زمین کے سایہ میں گذرنا ۔ اقمار مشتری کا سیارہ مذکورہ کے سایہ میں چھپ جانا یا آفتاب کا قمر کے ظل کے پیچھے آجانا ۔ درحقیقت یہ اخفا یا حیلولت ہی اکثر توریت قمر کی آڑ میں اگر پوشیدہ ہو جاتے ہیں ۔ دیکھو occultation

اخفا ر حیلولت

طریقۃ الشمس Ecliptic

دائرۃ البروج ۔ دائرہ منطقۃ البروج ۔ فلک البروج

وہ عظیمہ جس پر آفتاب (یا زمین) گردش سالانہ طے کرتا ہے ۔

Ecliptic obliquity of Electra دائرۃ البروج کا میل obliquity دیکھو میل

ثریا کا ایک ستارہ Pleiades.

Elements of a Binary Star orbit دوہرے ستارے کے مدار کے مبادی

وہ مقداریں جن سے کسی ثابتہ کے مدار کا تعین امکانی فضا میں ہوتا ہے بحوالہ اس سطح کے جو کرہ آسمانی کو مماس فرض کی جاتی ہے یعنی فضا عقب آسمان جس جگہہ ستارہ اول واقع ہو (ستارہ اول سے متبوع ثابتہ مراد ہے جس کے

گردش ثابتہ دوم حرکت کرتا ہے پہلے کو اول یا اولی اور دوسرے کو ثانوی کہتے ہیں ان مبادی میں وہ مدت بھی داخل ہو جو گردش میں صرف ہوتی ہو جب کہ ایک دوسرے کے گرد یا دونوں مرکز ثقل مشترک کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ اور انھیں میں داخل ہے ثابتہ کے بعد اقرب کے گذرنے کا وقت خاص اور پہلی مدار کا مخرج الاستدارہ مبادی کی تفصیل یہ ہے۔

مُدت دور برسوں کی تعداد میں کسرات وقت بعداقرب نخ مخرج الاستدارہ زاویہ الوضع جوزہرین یا عقدتین میلان سطح ظلی پر موضع بعداقرب جوزہر شمالی یا جنوبی سے (جس کو حصہ العرض کہتے ہیں) نصف قطر اعظم ثوانی قوس میں۔

دمدار تارے کے مدار کے مبادی *Elements of a comet's orbit*

سطح دائرہ البروج کے حوالے سے مدار ذو ذنب کی وضع کا تعلق جن مقداروں سے ہوتا ہی۔ طول موضع بعد اقرب یا کوکب ذو ذنب کا طول جب کہ بعد اقرب سے گذرے۔ طول عقدہ صاعدہ یا شمالی آفتاب سے (یعنی آفتاب سے اگر مشاہدہ کرتے تو کیا ہوتا) بعد نقطہ بعد اقرب آفتاب سے زمین کے بعد کو واحد مان کے۔ میلان مدار کا سطح دائرہ البروج کے ساتھ دوسرے مبادی وقت بعد اقرب سے گذرنے کا بشرطیکہ مدار بیضوی ہو (اگر مکافی یا زائد ہو تو وہ غیر ممکن ہے) مدت دورہ گرد آفتاب برسوں میں مع کسرات مخرج استدارہ مدار۔

مبادی مدار سیارہ *Elements of a planet's orbit*

وہ مقداریں جن سے کسی سیارہ کے مدار کا تعین فضا میں ہوتا ہے بحوالہ سطح دائرہ البروج بعد اوسط آفتاب سے بعد ارض کو واحد فرض کر کے مدت دورہ خاصہ ایام وسطی شمسی کے حساب سے مخرج الاستدارہ میلان مدار کی سطح کا سطح دائرہ البروج سے طول عقدہ صاعدہ طول بعد اقرب عقدہ صاعدہ (قدیم اصطلاح سے حصہ العرض مرکز) سیارہ کے مدار پر (یعنی فلک حامل پر قدیم اصطلاح سے) مبدء حرکت یعنی سیارہ کا موقع کسی معینہ وقت میں مثلاً یکم محرم ۱۲۵۰ھ ہجری جس کو جامع بہادر خانی نے سن طغیانی کے نام سے مبدء قرار دیا ہو یا یکم جنوری ۱۸۰۱ء یا مثلاً یکم جنوری ۱۹۰۱ء۔

واضح ہو کہ ہماری زیجات میں ایل خانی الغ بیگی محمد شاہی سلیمان جاہی بہادر خانی سب نے اپنا اپنا مبدء اپنی اپنی رصد میں مقرر کیا تھا۔ ان مبادی میں ایک وہ مقام ہے جہاں تاریخ مبدء موضع کوکب کے معین کے لئے مقرر ہوا تھا اور

اب جہاں موضع کوکب دریافت کرتا ہی بعد اور سمت کا جاننا ضرور ہے مثلاً اہل ہیئت کی ہیئت میں ایعنی الغ بیگی نے سمرقند محمدشاہی کے لئے دہلی ۔ انگریزی گرینوچ لندن کے قریب جہاں دولتی رصدخانہ ہے ۔

مبادی کوکب متغیر اللون *Elements of a variable star*

(۱) وقت نور اقل واعظم (۲) اوسط مدت اقل سے اقل تک یا اعظم سے اعظم تک (۳) قدرکوکب اقل اور اعظم اکثر نہایت دقیق ضابطون سے استخراج ہوتا ہے ۔

ارتفاع *Elevation*

یہ لفظ انگریزی میں *Altitude* کے مرادف استعمال کیا جاتا ہے ۔

واضح رہے کہ آسمانی پیمائشیں مسی یا زاویہ سے ہوتی ہیں ۔ مثلاً ارتفاع آفتاب سطح افق سے ۵۴ درجے ہی لفظ ارتفاع اُنچائی کے لئے بھی مستعمل ہی مثلاً پہاڑ کا ارتفاع سمندر کی سطح سے ڈھائی میل ہے ۔

بیضوی *Ellipse*

قطوع مخروطات سے ایک جس کو ناقص قطع ناقص کہتے ہیں ۔

اگر ایک مخروط کو اوریب آرپار کاٹیں تو بیضوی پیدا ہوگی ۔ بیضوی میں قوس محیط کے ہر نقطہ کو دوری ایک نقطۂ معین سے جو اس کے اندر ہے اسی نقطۂ مفروض قوس کی عمودی دوری سے ایک خط کے ساتھ جو بیضوی کے باہر ہوتا ہی ایک خاص تناسب رکھتی ہی نقطہ معین کو فوکس اور خط کو ناظم کہتے ہیں ۔ فوکس دو ہوتے ہیں دونوں قطر اعظم پر مرکز سے برابر فاصلہ ہے ایک اور خاصہ بیضوی کا یہ ہے کہ کسی نقطہ قوس کی دوریوں کا مجموعہ فوکسین سے ہمیشہ یکساں رہتا ہے مساوی قطر اعظم بیضوی کے اسی خاصہ سے اس کا بنانا سہل ہی جس کا مذکور ہو چکا ہے ۔

حرکت بیضی *Elliptic motion*

اصطلاحاً اس حرکت کو کہتے ہیں جب کہ ایک جسم بیضوی کے ایک فوکس پر ہو اور اُس کے گرد دوسرا جسم مدار بیضوی پر حرکت کرے ۔

بیضویت ارض و سیارات *Ellipticity of the earth and planets.*

اس کا بیان *Compression* دباؤ میں ہوچکا ہے ۔

سبق — *Elongation*

فصل طول کوکب (سیارہ) وطول شمس۔ تابع اور متبوع کے درمیان میں قوسی فاصلہ بھی اس تابع کا سبق ہی۔

انجلا — *Emersion*

حیلولت کے بعد قمر یا شمس یا کسی تابع کا سایہ سے نکلنا۔

انقلادوس — *Enceladus.*

ایک تابع قمر زحل کا نام ہے۔

اگر شمار سیارہ سے شروع کریں تو یہ دوسرا تابع ہی مدت دور ایک دن ۸ گھنٹہ ۵۳ منٹ بعد اوسط ۱۵۰۰۰ میل اس کا قطر ٹھیک معلوم نہیں ہوا ہی اس کو سر ولیم ہرشل نے ۲۸ اگست ۱۷۸۹ء میں دریافت کیا تھا قدر پروفیسر پکرنگ کے نزدیک ۱۲٫۳ جب کہ استقبال اوسط میں ہو۔

Enib E Degasi

عدد کبیسہ — *Epact*

تقویم کواکب۔ جدول مواضع الکواکب — *Ephemeris.*

تدویر۔ — *Epicycle*

ایک چھوٹا دائرہ جس کا مرکز دوسرے بڑے دائرے کے محیط پر۔

جب کہ زمین کو مرکز عالم تصور کرتے تھے۔ قدمائے سیاروں کے اختلاف حرکت کے بیان کے لئے دو طریقے اختیار کئے تھے ایک بذریعہ دائرہ خارج المرکز۔ دوسرے بذریعہ تدویر۔

کوکب
فلک تدویر
مرکز عالم
دائرہ مرکز اوسط
مرکز عالم
خارج المرکز

مبدء — *Epoch.*
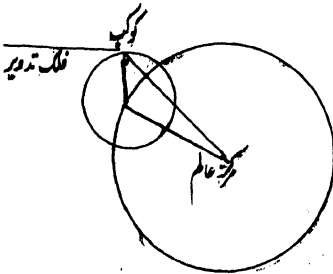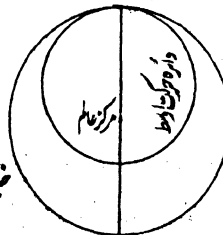
کوئی تاریخ جو حساب علم ہیئت یا مواضع کواکب کے لئے مقرر کی جائے۔

تعدیل سالانہ Equation Annual

آفتاب کی زمین سے ابعاد کے بدلنے سے قمر کی حرکات میں جو تفاوت ہوتا ہے اس کی تصحیح کے لئے جو مقداریں مستعمل ہوتی ہے۔

تعدیل اعتدالین Equation of equinoxes.

نیوطیشن کے سبب سے نقطہ اول حمل میں ایک پس وپیش ہوا کرتی ہے اس کی مدت ۱۸½ سال میں وسطی اور حقیقی مقاموں میں جو قوس واقع ہوتی ہے اس کو تعدیل اعتدالین کہتے ہیں وہ تقریبًا ۱۵ دقیقہ ۲۳ ثانیہ کے ہے

تعدیل النور Equation of Light

وہ مدت جو آفتاب سے زمین تک آفتاب کی روشنی کے پہنچنے میں لگتی ہے ۸ دقیقہ ۱۸ ثانیہ ہے۔

تعدیل المرکز Equation of the centre

زمین یا کسی سیارہ کے طول وسطی اور طول حقیقی میں جو زاویہ فصل واقع ہے اس کی اعظم مقدار ایک درجہ ۵۵ دقیقہ ۳۳٫۳ ثانیہ ہے۔

تعدیل الوقت Equation of Time

قدیم اصطلاح تعدیل الایام

وقت مرئی (جو وقت آفتاب کے مشاہدہ سے استخراج کیا جائے) اور وقت وسطی میں (جو وقت گھڑیوں سے دیکھا جائے) جو تفاوت ہے اس کو تعدیل الوقت (تعدیل الایام) کہتے ہیں (جدول تعدیل الایام ملاحظہ ہو) وقت مرئی دھوپ گھڑی سے ظاہر ہوتا ہے دیکھو بیان Sun dial دھوپ گھڑی۔

تعدیل شخصی Equation Personal

کسی ستارے کے مرکے وقت ناظر سے جو غلطی ہوتی ہے وہ مقدار غلطی کی ہر شخص کی ذات سے خصوصیت رکھتی ہے۔ ایسی ہی غلطی شخصی خصوصیت کے ساتھ اور مشاہدات میں ہوتی ہے۔ مثلاً ستاروں کی روشنی یا رنگ کی تبدیلی کا تخمینہ کرنے میں۔

مساوات شرطی۔ Equation of Condition

کسی مساوات کے مخرجوں میں جو تناسب ہے ایک دوسری مساوات سے یہ تناسب ظاہر کیا جائے تو اس دوسری

مساوات کو معادلت شرطیہ کہتے ہیں - ان مساواتوں سے بذریعہ مشاہدات کے ایک کلیہ مساوات میں مجہولوں کی قیمت دریافت کی جاتی ہے - یہ مساواتیں ایک خاص طریقہ سے حل کی جاتی ہیں جس کو طریقہ اقل مربعات کہتے ہیں - دیکھو۔
Method of least squares

معدل النہار دائرہ استوائیہ فلکی Equator celestial

یہ دائرہ عظیمہ دائرہ استوائیہ ارضیہ کی سطح کے کرہ ثوابت کو قطع کرنے سے پیدا ہوتا ہے دائرہ استوائیہ ارضی اور معدل النہار دونوں ایک ہی سطح میں ہیں - ہر نقطہ معدل النہار کے دائرہ پر قطبین فلک سے ۹۰ درجہ کے فاصلہ پر ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ فلکیات میں اسی طرح جو دائرہ عظیمہ کسی نقطہ سے ۹۰ درجہ کے فاصلہ پر ہو وہ اس عظیمہ کا قطب کہا جاتا ہے اور یہ دائرہ اس نقطہ کے تقابل سے منطقہ کہلاتا ہے - ہر عظیمہ کے دونوں طرف دو نقطہ ایسی ہوتے ہیں جن سے ہر نقطہ عظیمہ کا ۹۰ درجہ کے فاصلہ پر ہوتا ہے یہ دو نوں نقطہ اس عظیمہ کی نسبت سی قطبین ہوتے ہیں جو قطر کرہ کا قطبین میں گذرتا ہے اس کو کرہ کا محور کہتے ہیں -

یہ تو معلوم ہی کہ کرہ کسی نصف دائرہ کے اپنے قطر پر گردش کرنے سے پیدا ہوتا ہے پس قطر نصف دائرہ گویا کرہ کا نصف قطر ہے۔

قطب اور منطقہ کی اصطلاح قدیم ہی - اس اصطلاح سے کسی ایک کرہ پر عظیمہ کا تعین سہل ہوجاتا ہی -

دائرہ افق کے قطبین نقطہ سمت الراس اور نقطہ سمت القدم ہیں -

اصطلاح جدید سے اگر ایک عظیمہ پر دوسرا عظیمہ کسی نقطہ پر زاویہ قائمہ بناتا ہو رسم کیا جائے تو یہ عظیمہ پہلے عظیمہ کا ثانوی کہلاتا ہے - اس کو زوج بھی کہہ سکتے ہیں - ایسے بے شمار ثانوی ہر دائرہ پر کھینچے جاسکتے ہیں - معدل النہار کے کل دوائر مثلثہ ثانوی ہیں - دائرہ البروج کے دوائر عرضیہ ثانوی ہیں - دائرہ افق کے دوائر ارتفاع ثانوی ہیں -

Equator of a planet

وہ عظیمہ کسی سیارہ کی سطح پر جس کی سطح سیارہ کے محور گردش پر زاویہ قائمہ بناتی ہوئی گذرے اس عظیمہ کو اسی سیارہ کا دائرہ استوائی کہتے ہیں -

دائرہ استوائی ارضی - Equator terrestial

عظیمہ جو سطح ارضی پر قطبین سے ۹۰° کے فاصلہ پر ہی دائرہ استوائیہ ارضی ہی۔ اس کی سطح محور زمین سے زاویہ قائمہ بناتی ہے۔ دائرہ استوائیہ کو عموماً خط استوا بھی کہتے ہین۔ یہ خط زمین کے نقشہ پر دائرہ استوائیہ کی گردش سے پیدا ہوتا ہے۔

اختلاف منظر استوائی افقی — Equatorial Horizontal parallax

کسی جرم فلکی کا اختلاف منظر جو مرکز ارضی اور سطح ارضی کے منظروں مین جو دائرہ استوائی کی سطح ارضی پر مشاہدہ کیا جائے یہ وہ زاویہ ہے جس کی مستوی زمین کا نصف قطر تقسیم کیا ہوا جرم مذکور کے بعد سے جو زمین کے مرکز سے ہو۔

استوائی دوربین — Equatorial Telescope

ایک دوربین جو اس طرح نصب کی جائے کہ اس کا محور اصلی قطب فلک کی طرف ہو لہذا یہ محور زمین کے محور گردش کے متوازی رہتا ہے۔ اس قطبی محور گردش کے متوازی رہتا ہے۔ اس قطبی محور پر ایک دوسرا محور عمود ہوتا ہے جو اس طرح دوربین کو گردش دیتا ہی کہ دوربین کو جس ستارے کی طرف چاہیں لگادیں اور دوربین بذریعہ پرزوں ستارے کے ساتھ رہتی ہے اس طرح کہ ستارہ ہمیشہ دوربین سے دکھائی دیتا رہی۔ دوربین کے ساتھ زاویوں کے ناپنے کے لئے تقسیم شدہ دائرہ لگے رہتے ہیں تاکہ گردش کی مقدار ناپ سکیں۔

نقطتین اعتدالین نقطہ راس الحمل و نقطہ راس المیزان — Equinoctial points.

وہ دو نقطے جہاں دائرہ معدل النہار دائرہ البروج کو قطع کرتا ہے۔ ایک کو نقطہ اول حمل کہتے ہیں جس کی علامت ♈ ہے اور دوسرا نقطہ راس المیزان ہے جس کی علامت ♎ ہی۔ عربی میں اول کی علامت ھا ہے اور دوسرے کی ؔ ہے۔ استقبال اعتدالین کے سبب سے راس الحمل اب برج حوت میں آگیا ہے اور راس المیزان سنبلہ میں۔

اعتدالین — Equinoxes

وہ نقطے جہاں معدل النہار دائرہ البروج کو قطع کرتا ہے وہ نقطہ جہاں سے آفتاب جنوب سے شمال کو چڑھتا ہے اعتدال ربیعی کہلاتا ہے اور جہاں سے آفتاب شمال سے جنوب میں اترتا ہے اعتدال خریفی کہا جاتا ہے۔

یہ شمالی نصف کرہ کے لئے ہے اور جنوبی نصف کرہ میں معاملہ اس کے برعکس ہے یعنی جو شمال میں اعتدال خریفی ہے وہاں اعتدال ربیعی ہے اور اعتدال ربیعی خریفی ہے۔ فصول کی ترتیب بھی اس کے موافق ہے۔

Equinoxes precessin of — اعتدالین کا استقبال۔

Precession of equinoxes — دیکھو استقبال اعتدالین

Equinus (The little Horse) — فرس اصغر

Eridanus (the River) — النہر۔ جنوبی اشکال سے ہے

Errai (γ cephii) — الراعی ۔ ح قیفاوس

Error, probable — خطائے مظنون

ایک سلسلہ مشاہدات میں ہر مشاہدہ میں کسی قدر خطا کا احتمال ہے۔ کسی سلسلہ مشاہدات میں خطائے مظنون سے وہ مقدار مراد ہے جس سے تعداد اقل خطاؤں کی اکثر خطاؤں کے مساوی ہو پروفیسر سرمن کا طریق اول مربعات اسی قسم سی ہے

Establishment of the Port

مر قمر کے بعد ایک مدت جب کہ بحر میں مد کا وقوع ہو کسی خاص بندرگاہ میں ۔ مد قمری اور شمسی دونوں کے لئے یہ مدت معلوم کے تصحیح اوقات مد و جزر کرنا ہوتا ہے۔

Etanin of draconis — ح التنین ۔ اس ستارہ کو راس التنین کہتے ہیں

Ether — وہ موہوم مادہ جو تمام فضا میں بھرا ہوا ہے ۔ اثیر

اس واسطہ سے حرارت روشنی اور غالباً کہربائیہ بھی آفتاب اور دوسرے اجسام منیرہ سے زمین کو پہنچتے ہیں۔

Evection of moon — اختلاف قمر

قمر کی رفتار میں بہ سبب اس کے مدار بیضی ہونے کے جو تغیر واقع ہوتا ہے۔ آفتاب کے جذب سی جو اضطراب مدار بیضی کے مخرج استدارة کو عارض ہوتا ہے وہ خط اوج وحضیض (خط مرکزی) کی وضع پر موقوف ہی ۔ اس اختلاف کو بطلیموس نے دریافت کیا تھا لیکن ابرخس کو بھی اس کا احتمال تھا۔

مقدار اعظم اس اختلاف کی یک درجہ ۰ دقیقہ ۹ ر ۹ ثانیہ ہے۔

سیارات علوی ۔ سیارات خارجی Exterior Planets

خارجی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ سیارات مدارارضی کے باہر ہیں ۔ علوی اس لئے کہ مدارارضی سے دور یا بالاتر ہیں مریخ سیارات صغار مشتری زحل یورانس نیچوں علویات ہیں ۔

انطفاء النور Extinction of Light

اجسام نیرہ کی روشنی کا اثر میں منتشر ہو کے بتدریج ناقص ہونا ابھی یہ مسئلہ معرض تحقیق میں ہے ۔

عدسہ نظر ۔ Eyepiece

ایک یا کئی عدسوں کا نظام چشم ناظر کے پاس دوربین میں ۔ اس عدسہ سے وہ تصویر جو عدسہ شے پر بنتی ہے وہ بڑی دکھائی دیتی ہے ۔

Facnloe of the sun

روشن حصے سطح آفتاب کے جو آفتاب کے داغوں کے قریب دکھائی دیتے ہیں یا جن مقامات سے داغ غائب ہوجاتے ہیں یا جہاں ظاہر ہونے والے ہوتے ہیں ۔

Falcated

قمر یا عطارد یا زہرہ جب وہ ہلال کی شکل میں ہوں

میدان نگاہ ۔ ساحت نظر Field of view

وہ حصہ آسمان کا جو دوربین سے دکھائی دیتا ہے ۔ جس قدر دوربین قوی تر ہو گی یہ حصہ کمتر ہوگا بہ نسبت کم قوت دوربین کے ۔

Filar micrometer

(تربیع quarter دیکھو) تربیع اول First quarter

ایک چھوٹا مسطح آئینہ وطن کی انعکاسی درجہ میں ہیں جس میں شعاعوں کا انعکاس شیشہ ناظر سے ہوتا ہے ۔ Flat

فلورا ۔ Flora

سیارات صغار سے ایک کا نام ہے جو آفتاب کے گرد مدار مریخ اور مشتری کے درمیان دورہ کرتے ہیں

۱۸ اکتوبر ۱۸۵۸ء میں ہنڈ نے دریافت کیا تھا مدت دورہ کی ۲۰۰۰، ۳ سال ہی اور بعد آفتاب سے ۲۰ر۲ بعد ارض کو واحد مان کر اس کی قدر مقابلہ کے وقت ۹ اور اصغی قطر ۰۰ میل تقریباً ہے۔

۱۔ اکلیل شمالی فکہ۔ Focdx coronal Borealis.

بیضوی کے دونوں فوکس Focii of an ellipse

فوکس کا نام قدیم اصطلاح میں نقطہ ناسکہ ہی۔ لیکن یہ اصطلاح بیضوی کی ساخت کی بنا پر ہے اس لئے صاحب حدائق النجوم نے فوکس یا فوکر لکھا ہے فوکسین تثنیہ یا فوکزین۔ صفت فوکزیہ یہ دونوں نقطے قطر اعظم جایز مرکز سے برابر دوری پر ہوتے ہیں۔ مرکز سے فوکس کا بعد مخرج الاستدارہ پر موقوف ہی۔ جس قدر مخرج الاستدارہ کم ہوگا، فوکس قریب تر ہوں گے بیضوی کی گولائی زیادہ ہو گی اگر مخرج الاستدارہ زیادہ ہوگا۔ بیضوی لمو تر ہوگی۔ بعد فوکس کا قطر اصغر کی حدوں سے برابر نصف قطر اعظم کے ہوتا ہی۔ اور محیط کے ہر نقطہ سے دونوں فوکسوں کے بعدوں کا مجموعہ دائما برابر قطر اعظم کے ہوتا ہے۔

مجمع النور۔ فوکس Focus

وہ نقطہ جہاں بعد انعکاس کے شعاعیں جمع ہوتی ہیں۔ عدسہ یا مینہ سے نکل کے۔

Fomalhaut x Piscis Australis

حوت جنوبی کا مونہ

قوائے مغیرہ Forces Disturbing.

مجمرہ۔ ایک شکل جنوبی ہے Fornax (the Furanace)

تجربہ فوکالٹ Foucault's Experiment

ایک تجربہ بہ تجویز فوکالٹ زمین کی گردش آنکھ سے دکھانے کے لئے۔ ایک بھاری گولا دھات کا ایک باریک لمبے تارے سے لٹکایا جاتا ہی اس کی حرکت پس وپیش کی سطح زمین کی حرکت کے خلاف سمت میں حرکت کرتی نظر آتی ہے (مشرق سے مغرب کی طرف خلاف حرکت زمین) قطبین پر یہ دورہ ایک یوم نجومی میں پورا ہوگا۔ قطبین اور خط استوا کے درمیان حرکت عرض البلد پر موقوف ہی اور خط استوا پر گردش نہیں ہوتی۔

Fraunhofers Lines

تاریک خطوط جو منظرۂ شمس قمر یا کسی سیارہ یا ثانیہ میں دکھائی دیتے ہیں۔ اس کو مشہور عالم مناظر نے فران ہوفر جرمنی نے دریافت کیا تھا۔ اسی کے نام سے مشہور ہے۔

Front view

ایک صورت انعکاسی دوربین کی ہے جس کو ہرشل نے ایجاد کیا تھا۔ اس میں چھوٹا آئینہ نہیں ہوتا۔ بلکہ بڑے آئینہ پر جو تصویر بنتی ہے دوربین کے قل کے ایک کنارہ میں آئینہ کا رخ ذرا بدل دینے سے پڑتی ہو جہاں اس کو عدسہ ناظر سے دیکھ سکتے ہیں جب کہ قمر آفتاب کے مقابل یا اس سے ۱۰° کے فاصلہ پر ہوتا ہے۔

ماہ کامل - بدر Full moon

تحقیق یہ ہے کہ ماہ کامل اسی حالت میں ہوتا ہو جب کہ خسوف کلی واقع ہوتا ہو - کیونکہ اور صورتوں میں ماہتاب ٹھیک مقابل آفتاب کے نہیں ہوتا۔ کیونکہ مدار قمر طریق شمس کی سطح میں صرف خسوف کلی کی حالت میں ہوتا ہو۔

دائرہ کہکشاں galactic circle.

وہ منطقہ یا دائرہ جو وسط کہکشاں سے گذرتا ہے

کہکشاں کا نام ہے مجرہ Gallaxy milky way

ہرشل نے ستاروں کے شمار کا نام رکھا تھا جو اس کی دوربین کی ساخت نظر میں مختلف مواضع فلکی میں نظر آتے تھے۔ Ganges Star

ایک ظہور فلکی جو دائرہ البروج کی روشنی سے تعلق رکھتا ہے۔ Gegenochain

ہلکی روشنی کا ایک دھبہ جو آفتاب کے مقابل نظر آتا ہے۔ اس کے دیکھنے کے لئے نہایت تیز نگاہ کی ضرورت ہے۔

فارسی میں دو پیکر عربی میں توامان اور جوزا ہندی میں تن کہتے ہیں برج کا نام ہو۔ Gemini (the Twins)

شہب ثاقب کا ایک تناثر جس کی ابتدا برج جوزا سے ہو و یا ۱۲ دسمبر کو ہوتا ہو۔ Geminids)

ایک نقطہ Castor کے پاس ۳۲° × ۱۰۵° - یہ تناثر نہایت سریع ہوتا اگرچہ دور تک نہیں جاتا۔

ا اکلیل شمالی Gemmax coronoe Boreialis.

عرض کوکب جو مرکز زمین سے نظر آتا ہوا سمجھا جائے۔ Geocentric Longitude

طول کوکب جو مرکز زمین سے نظر آتا ہوا سمجھا جائے۔ Geocentric Latitude

بعد قمر و کوکب بالنسبت مرکز ارضی۔ Geocentric Lunar Distances.

بعد مرکز قرض قمر کا کسی ستارہ جو زاویہ مرکز زمین پر پیدا کرتا ہو۔ پہلے جہاز پر کسی مقام کا طول بلد دریافت کرنے کے لئے کام میں لاتے تھے جب سے عمدہ کرونومیٹر تیار ہو گئے اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر کسی کرونومیٹر کو گرینوچ کے وقت پر رکھیں تو ہر جگہ اس کا تفاوت وقت مقامی سے بسہولت دریافت ہو سکتا ہے اور وہ بعینہ طول بلد ہے ساعات اور دقائق میں اس کی تحویل درجوں میں کر سکتے ہیں کہ ایک ساعت = ۱۵ درجہ ایک درجہ = ۴ منٹ

اختلاف منظر مرکز ارض سے Geocentric Parallax

وہ زاویہ جو زمین کا نصف قطر کسی جرم فلکی پر بناتا ہو مقام ناظر سے۔ لہذا مقام کسی جرم فلکی کا مرکز ارض سے دریافت کرنے کے لئے تمام ارتفاع سے اختلاف مرکز کو نقصان کرنا ہوگا۔ ثوابت اس قدر دور ہیں کہ اُن کا اختلاف منظر ارضی نامعلوم ہے۔

موضع کوکب بالنسبت مرکز ارض Geocentric place

علم الارض۔ Geodesy

وہ علم جس میں زمین کی شکل اور اس کی پیمائش سے بحث کرتے ہیں۔

Giauzorsc draconis.

Gibbosity of Mard

جب کہ مریخ درمیان مقابلہ اور تربیع کے ہوتا ہے تو یہ صورت ہوتی ہے جیسی ماہ کامل کی کچھ پہلے یا بعد صورت ہوتی ہے۔ تربیع کے تقریباً اٹھواں حصہ قرص کا تاریکی میں ہوتا ہے مشتری اور دوسرے سیارے جو مریخ سے بالاتر ہیں ان میں یہ صورت نہیں ہوتی۔

Gibbous Moon

شکل قمر جب کہ نصف قرص سے زائد روشن ہو یہ تربیع اول اور کمال کے وسط میں ہوتا ہے پھر کمال اور تربیع

انجیر کے وسط میں۔

Giedi (α² α¹ Capricorni) جدی کے دو ستارے جدی اولیٰ و اخریٰ

Globular Clusters. وہ مجمع الکواکب جو کروی الشکل ہوتے ہیں

Gnomon. مقیاس۔ دھوپ گھڑی

Golden Number. عدد ذہبی۔ سنہرا عدد

سال ناقصہ عیسوی پر ایک بڑھا کے ۱۹ سے تقسیم کرنے سے جو باقی بچے وہ عدد ذہبی ہے، اگر کچھ نہ بچے تو ۱۹ عدد مطلوب ہے

غمیصار۔ داغ دار قرص آفتاب جیسا دوربین میں دکھائی دیتا ہے ان کو اوراق البید یا چاول کے دانوں سے بھی تشبیہ دیتے ہیں

Gomeisa (β Canis Minoris

Gravitation جذابہ۔ کشش۔ جذب

وہ کشش جو ایک جسم کو دوسرے کے ساتھ ہے۔ ہر جسم دوسرے کو کھینچتا ہے۔ زمین کی کشش تو قدیم زمانہ سے معلوم ہے لیکن قانون جذابۂ کلیہ کو نیوٹن نے دریافت کیا۔

Great circle دائرہ عظیمہ وہ دائرہ کرہ پر جس کی سطح مرکز میں گذرتی ہے

Gregorian reform of calendar - تعدیل تقویم گرریگوری پہلے ذکر ہوچکا ہے۔

Gregorian telescope

دوربین گرگیوری ایک قسم انعکاسی دوربین کی جس میں چھوٹا آئینہ مقعر ہوتا ہے انعکاسی اور شعاعیں شی سے ایک گول سوراخ میں گذرے یہ سوراخ بڑے آئینہ میں ہوتا ہے۔

Grummium ξ draconis

Grus (the crane) جنوبی اشکال سے ہے

Gyroscope جیراسکوپ

ایک گھومنے والا لٹو یا بھاری پہیا گھومتا ہوا جس کا محور گردش ایک حلقہ میں نصب ہوتا ہے اور یہ حلقہ دوسرے

میں ہوتا ہے دوسرا حلقہ ایک فریم میں حرکت کرتا ہے۔ اس انتظام سے پہیئے کے محور کا رخ ایک معین سمت میں رکھ سکتے ہیں۔ یہ آلہ زمین کی گردش محور اور استقبال اعتدالین کے دکھانے کے لئے کام میں لاتے ہیں۔

سدس انعکاسی ہیڈلی نے ۱۷۳۱ء میں ایجاد کیا تھا۔ *Hadleys sextant*

اُسی سال گاڈفری نے بھی ایسا ہی ایک آلہ ایجاد کیا تھا۔ دونوں کو رائل سوسائٹی سے دو سو پونڈ انعام دیا گیا تھا ایسا ہی ایک آلہ نیوٹن نے بھی ایجاد کیا تھا (دیکھو سدس *Sextant*)

ہیلے کا ذو ذنب (ومدار) تارہ *Hallays comet*

یہ ذو ذنب میقاتی ہے اس کی مدت تقریباً ۷۶ سال ہے۔ گزشتہ عدد میں اس کے ظہور کے زمانوں کا سراغ لگایا گیا ہے سب سے پہلے ۴۴۶ ق م اس کے ظہور کا پتا لگتا ہے ۱۸۳۵ء میں اس کا ظہور ہوا تھا پھر ۱۹۱۰ء میں۔

Hallays method of Determining the Solar Parallax

ہیلے کا طریقہ اختلاف منظر آفتاب۔ یہ طریقہ احتراق زہرہ سے اختلاف منظر کے دریافت کرنے کا ۱۷۱۶ء میں ہیلے نے تجویز کیا تھا۔ دو مقام انتخاب کئے جاتے ہیں ایک اقصائے شمال میں دوسرا اقصائے جنوب میں اور جہاں ممکن ہو ان دونوں کی سطح مدار زہرہ کی سطح پر زاویہ قائمہ بناتے ہوں۔ دونوں مقاموں مدت احتراق کو مشاہدہ کرتے ہیں اور ان دونوں مشاہدوں کے عدد سے اختلاف منظر کا حساب کرتے ہیں۔

حمل *Hamal* (*α Arietis*)

دائرہ تالیفی *Harmonic circle*

اگر کسی بیضوی کے فوکس میں گذرتے ہوئے وتر نکالے جائیں اور وسط تالیفی درمیان فواصل فوکس و قوس کے معلوم کریں یہ وسائط تالیفی وتر پر فوکس سے ابتدا کرکے رسم کئے جائیں تو اس طرح جو نقطے پیدا ہونگے وہ سب ایک دائرہ کے محیط پر ہوں گے جس کا مرکز فوکس ہے اور قطر ناظم مستقیم بیضوی کا ہے۔ دیکھو ناظم مستقیم *Latus Rectum*

اس دائرہ کو دائرہ تالیفی کہتے ہیں اور مدار کو اکب مضعف کے ترسیمی مدار کے حساب میں کام آتا ہے۔

تالیفی بیضوی *Harmonic Ellipse*

وہ بیضوی جس میں دائرہ تالیفی کا ظل کوکب مضعف کی مرئی مدار میں واقع ہوتا ہے۔

قمر خریف Harvest moon

وہ ماہ کامل جو اعتدال خریفی یعنی ۲۲ ستمبر کے قریب پڑتا ہے - اس زمانہ میں طلوع قمر سعابہ کی درمیانی مدت کمتر ہوتی ہے بہ نسبت اور ایسی ہی مدتوں کے سال بھر میں - اس کی علت یہ ہے کہ دائرہ البروج بہت چھوٹا زاویہ افق کے ساتھ پیدا کرتا ہے -

ہیب Hebe

چھوٹے سیاروں سے ایک کا نام ہے جس کے مدار درمیان مدار مریخ اور مدار مشتری کے ہیں اسی کو ہنکی نے مقام ڈرائش یکم جولائی ۱۸۴۷ء میں دریافت کیا تھا مقابلہ کے وقت اس کی قدر نجومی ½ ۸ ہے مدت دورہ کی ۳٫۷۷ سال اور انحراف مخرج استدارہ مدار اسی زمانہ قریباً مثل عطارد کے ۰٫۲۰ ہے -

معیت شمسی Helia cal

کسی کوکب کا طلوع غروب آفتاب کے ساتھ ایک وقت میں -

موضع کوکب من مرکز الشمس Heliocentric place

موضع کوکب بفرض جو مرکز آفتاب سے مقابلہ کیا جائے -

مقیاس القرص Heliometer

ایک نجومی دوربین جس میں شے کے شیشہ کی قطر سے دو حصوں میں تقسیم کر کے کاٹ لیتے ہیں اور مدرج پیچ کے ذریعہ ایک نصف دوسرے نصف کے ساتھ لگا ہوا حرکت کرتا ہے اور اگر ایک کو دوسرے جدا کر لیں تو ہر ایک میں جدا گانہ تصویر شے کی منتج ہے -

یہ آلہ آفتاب ماہتاب سیارات کے قرص کے قطر دریافت کرنے کو کام میں لاتے ہیں اور اسی کے ذریعہ سے قوس بعد ضعف سیاروں کا بھی دریافت کیا جاتا ہے -

مخفف الضوء Helioscope

ایک چھوٹا سا آلہ آفتاب کی سطح کو بہ سہولت دوربین سے دیکھنے کے لئے داوس نے ایجاد کیا تھا - ایک دھات کا بنا ہوا گول پرزہ درمیان میں باریک سوراخ کر کے دوربین کے فوکس کی جگہہ لگا دیتے ہیں اس کے ذریعہ سے

شعاع کی تیزی بہت خفیف ہو جاتی ہے اور آنکھ محفوظ رہتی ہے۔

معکس الشعاع — Heliostal

اس آلہ کے ذریعہ آفتاب کی شعاع کو جس سمت میں چاہیں پھیر سکتے ہیں ستارہ کی شعاع کے موڑنے کے لئے بھی کام میں لاتے ہیں اس کو Sideriostal کہتے ہیں۔

ہرقلس۔ اشکال شمالی سے ایک ہی جاثی علی الرکبہ — Hercules.

Harschelan Telescope. یا ہرشل کی دوربین انعکاسی Front view

سامنے کے رخ کی دوربین۔ ہرشل کی ایجادی دوربین جس میں دوسرا آئینہ نہیں ہوتا بڑا آئینہ دوربین کے محور سے خفیف سا میلان رکھتا ہوا ہوتا ہے اور تصویر کو بلا واسطہ بذریعہ شیشہ ناظر کے دیکھتے ہیں۔ شیشہ نظر نلی کے کنارے لگا ہوتا ہے۔

زالفرس — Homam spegasi

ساعتی — Horary.

افق فلکی — Horizon celestial

سطح مماس مقام ناظر کو جو کرۂ آسمانی کو قطع کرتی ہے۔ افق حسی کی سطح کو کرۂ آسمانی فلک بڑھانے یہ عظیمہ کرۂ فلک میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ سطح قطر ارضی پر عمود ہے وہ قطر ارضی جو مقام ناظر پر منتہی ہوتا ہے۔ اس عظیمہ کے قطبین سمت الراس اور سمت القدم ہیں۔ یعنی وہ نقطہ جہاں ناظر کھڑا ہوا ہے اگر اس سے ایک خط مرکز زمین میں گذرتا ہوا کرۂ ارض میں نقطۂ مقابل زیر قدم پر تمام ہو تو اس پر سطح افق یا وہ قطر سطح افق پر عمود ہوگا۔ اگر قطر مذکور کو سمت فوق میں بڑھائیں تو فلک میں نقطہ سمت الراس پر منتہی ہو اور تحت کی طرف بڑھائیں تو سمت قدم پر۔

واضح ہو کہ مقام ناظر سے شاقول (لنگر) سمت الراس اور سمت القدم کا رخ بتاتا ہے۔ اور پنسال سے سطح افق معلوم ہوتی ہے (پنسال وہ آلہ ہے جس سے معمار زمین کی ہمواری کی جانچ کرتے ہیں)۔

Horizon raternal

ایک سطح متوازی افق حسی یا فلکی جو زمین کے مرکز میں گذرتی ہوئی کرۂ فلک کو قطع کرتی ہے۔ اس کو افق حقیقی کہتے ہیں۔

افق حسی — Horizon sensible

افق حسی اور افق فلکی کی سطحیں حد نظر تک مشترک ہیں۔ یہاں جہاں تک زمین وآسمان ملتے ہوئے نظر آتے ہیں

اختلاف منظر افقی — Horizontal Parallax

مرکز ارضی اور سطح ارضی کے منظروں کا اختلاف۔ بُعد شے منظور الیہ اور اختلاف منظر میں عکسی نسبت ہوتی ہے یعنی جس قدر جرم فلکی دور تر ہوگا اتنا ہی اختلاف منظر کا زاویہ چھوٹا ہوگا۔ ثوابت زمین سے اس قدر دور ہیں کہ اُن کا اختلاف منظر محسوس نہیں ہو سکتا۔

Horologium (the clock) کلاک ایک صورت جنوبی اشکال جدید سے ہے۔

دائرۂ ساعت — Hour Circle.

استوائی دوربین میں ایک دائرہ جس پر کواکب کے مطالع استوائی کی پیمائش کرتے ہیں وہ دائری جن پر زاویے ناپے جاتے ۳۶۰ درجوں میں تقسیم ہوتے کبھی نصف درجہ کا نشان بھی اور ورنیر اسکیل سے دقائق کی ناپ بھی کرتے ہیں۔ ورنیر کا بیان آگے آئیگا۔

دائرو فصل دائر۔ زاویۂ ساعت — Hour Angle.

مثلثہ جو کوکب میں گذرتا ہی اس کی دوری (زاویہ یا قوس) دائرہ نصف النہار تک فصل دائرہی طلوع کوکب سے قبل نصف النہار کسی وقت تک جو کوکب نے مدار یومیہ پر طے کیا ہی وہ دائرہی اور وہاں نصف النہار تک جس قدر طے کرتا ہے وہ فصل دائر ہے۔

شکاری کا چاند — Hunter's Moon

ماہ کامل جو سالانہ اکتوبر کی ۱۲ تاریخ کو قریب پڑے۔ یہ ظہور مثل خریفی ماہ کامل کے ہے مگر ویسا مشہور نہیں ہے۔

حیادیس — Hyads

برج ثور میں ایک مجمع النجوم ہے جو V شکل کا ہے۔

حیۃ البحر — Hydra (The sea serpent)

یہ ایک طولانی مجمع النجوم جو ۶ ساعت مطالع استوائی یعنی ۹۰ درجہ تک پھیلا ہوا ہے

Hydrus

حیۃ النہر

جنوبی اشکال سے ہے۔

Hyperbola.

قطع زائد

یہ تین قطوع مخروطات سے ہی۔ مخروط کو اس طرح تراشیں کہ سطح قاطع پر عمود ہو مگر راس مخروط سے نہ گذرے کیوں کہ راس سے جو سطح گذرے گی وہ ایک مثلث متساوی الساقین تراشے گی۔

Hyperion یہ ایک تابع زحل کا ہی ترتیب میں ساتواں پڑتا ہے۔ زحل کی طرف سے اس کو باند اور لاسل نے ۱۹ ستمبر ۱۸۴۸ء کو دریافت کیا تھا اس کا بعد اوسط متبوع (زحل) سے ۹۵۱۰۰۰ میال ہی۔ مدت دور ۲۱ یوم ۶ ساعت ۳۹ منٹ ہے۔ پروفیسر ہائینگ کے نزدیک اس کی قدر نجومی مقابلہ کے وقت ۱۳٫۷ ہے قطر معلوم نہیں ہوا۔

Iklil (Iklil at jabha) اکلیل الجبہ B. Scorpii

ب العقرب

Illumination of the field of view روشنی ساحت نظر

اجرام فلکی کی پیمائش کے لئے نہایت باریک تار عدسہ النظر کے قریب لگائے جاتے ہیں۔ تاریکی کے دور کرنے کے لئے ایک چھوٹا سا لمپ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی روشنی بذریعہ ایک سوراخ کے جو دوربین کی نلی میں کیا جاتا ہے اندر پہنچاتے ہیں دو طریقے روشنی کے مستعمل ہیں (۱) تاریک تار روشن ساحت نظر میں (۲) روشن تار تاریک ساحت نظر میں۔

Immersion.

پوشیدگی۔ غیوبت۔ انخفار (لغوی معنے غرق کے ہیں)

کسی ستارہ یا سیارہ کا بدولت قمر سے غایب ہو جانا یا کسی تابع کا متبوع کے سایہ میں چھپ جانا۔

Inclination of orbit

انحراف مدار

ایک مفروضہ سطح سے (جس کی طرف حوالہ کیا جائے) کسی کوکب کے مدار کا زاویہ میلان سیاروں اور دمدار تاروں کے مدارات کا حوالہ دائرۃ البروج کی سطح ہے۔ مضعف ستاروں کے اس سطح کی طرف حوالہ کئے جاتے ہیں جو کرۂ ثوابت کو مماس ہو یعنی ستارہ کی عقبی سطح۔

Indiction دورہ پانزدہ سالانہ - پندرہ برس کا دورہ

قسطنطین قیصر روم کے حکم سے پندرہ سال کا ایک دور میقاتی مقرر کیا گیا تھا۔

Indus (the Indian) ہندی

اشکال جنوبی سے ایک شکل ہے (جدید)

Inequality of moons parallactic

محاق یا بدر کے قریب آفتاب کی قوت جذابہ سے ماہتاب کی حرکت میں جو اختلاف ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے تربیع اول میں سرعت اور تربیع آخر میں بطوء ہو جاتا ہے۔

Inequality of gupeter and saturn

ان دونوں عظیم سیاروں کے جذب انجذاب سے جو تفاوت حرکت خاصہ میں ہوتا ہے یہ مشتری اور زحل کے ادوار کے توافق پر موقوف ہے کیونکہ دو دورے زحل کے مساوی پانچ مشتری کے دوروں کے ہیں تقریباً۔

Inferior Conjunction قران سفلی (دیکھو قران)

Inferior Planets وہ سیارے جن کا مدار زمین کے مدار سے کمتر ہے

جو بہ نسبت زمین کے آفتاب سے نزدیک تر ہیں سفلی کہے جاتے ہیں علوی وہ سیارے ہیں جن کا بعد زمین کے بعد سے زیادہ ہے۔ عطارد اور زہرہ سفلیین ہیں۔ باقی سیارے نظام شمسی کے سب علوی ہیں۔

Ingren بدو احتراق - بدو خفا

عطارد یا زہرہ جب قرص آفتاب کے نیچے گذرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہی اصطلاح تابعین مشتری اور زحل کے لئے بھی بولی جاتی ہے جب وہ اپنے متبوع کے قرص کے تحت میں گذرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

Instrument meridian آلۂ نصف النہار دائرہ نصف النہار - آلۂ مر

آلات رصدیہ سے وہ آلہ جو نصف النہار پر کسی کوکب گذرنے کی رصد کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔

Intercalation تکبیس

ایک دن کا ہر چوتھے سال فروری یا شباط میں بڑھانا - اس دن کو یوم کبیسہ کہتے ہیں۔ قمری سال کے حساب

میں ہر تیس برس کے دورہ میں گیارہ سال کبیسہ ہوتے ہیں یعنی ذی الحجہ بہ حساب اوسط ۳۰ دن کا لیتے ہیں سال قمری ۳۵۴ یوم ۲۲ گھڑی (۳۵۴ دن ۔ ۸ گھنٹہ ۔ ۴۸ منٹ) کا ہوتا ہے یہ کسر دوسرے سال نصف یوم سے زاید ہو جاتی ہے۔ اس لئے حساب اوسط میں پورا دن لے لیتے ہیں۔ پھر یہ کسر تین سال کے قریباً ایک یوم ہو جاتا ہے۔ اس لئے پانچواں سال بھی کبیسہ ہو جاتا ہے اس طرح ۲ و ۵ و ۷ و ۱۰ و ۱۳ و ۱۵ و ۱۸ و ۲۱ و ۲۴ و ۲۶ و ۲۹، ان گیارہ برسوں میں تیس سال کے دورہ کے اندر گیارہ دن بڑھا دئے جاتے ہیں۔ ان برسوں کو ہم اس فقرہ سے یاد رکھتے ہیں (نہر مجمع ادوط)

اندرونی یا داخلی سیارے — *Interor planets.*

زمین کے مدار کے اندر یعنی سفلی

قوس وسطی — *Intarculation curve*

خانہ دار کاغذ پر جو مشاہدات درج کئے جاتے ہیں ان کے درمیان سے ایک ایسی توس کھینچتے ہیں جو آڑی ترچھی ٹیڑھی مکڑی نہ ہو یا کہ سدہ ہو اور جس قدر نقطے مشاہدہ کے اس کے ایک طرف ہوں تقریباً اتنے ہی نقطے دوسری جانب ہوں۔

ا دب اصغر ۷/۱ — ب دب اکبر ۷/۱ — ج تنین ۱۳ — د قیفاوس ۱/۴ — ه عوا ۲۲/۱ — و فکہ ۸ — ز جاثی علی رکبتہ ۲۹/۱

ح شلیاق ۱۰ — ط دجاجہ ۱/۲ — ی ذات الکرسی ۱۳ — یا حامل راس الغول ۲۶/۲ — یب ممسک العنان ۱۴ — یج جواد ۲/۵ — ید حیہ ۸

یہ سہم ۵ — یو عقاب ۹ — یز دلفین ۱۰ — یح مقدم الفرس ۴ — یط قوس اعظم ۲۰ — ک المراۃ المسلسلہ ۲۲ — کا مثلث ۴

صور تہائے منطقۃ البروج۔

ا حمل ۱۸/۵ — ب ثور ۱۳/۱۱ — ج توامان — د سرطان ۷/۴ — ه اسد ۲/۸ — و سنبلہ ۲۶/۹ — ز میزان ۸/۹ — ح عقرب ۲۱/۳

ط رامی (قوس) ۳۱ — ی جدی ۲۸ — یا ساکب الماء (دلو) — یب حوت ۴۴/۴

۱۰	ب	ح	ز	ه	د	م
صور جنوبی قیطس ۲۳	جبار ۲۰	نہر ۴۴	ارنب ۱۲	کلب اکبر ۱۸	کلب اصغر ۲	سفینہ ۴۵
ح	ط	ے	ا	ب	ع	٭
حوت جنوبی ۱	اکلیل جنوبی ۱۳	مجمرہ ۷	سبع ۱۹	قنطورس ۳۷	غراب ۷	کاس ۸	شجاع ۲۵

فضائے ثوابت ۔ یعنی فضائے خارج نظام شمسی ۔ Inters tellar

اصطلاح قدیم میں اس کو فلک ثامن کہتے تھے کیونکہ اس زمانہ میں صرف سات سیارے مع آفتاب مانے جاتے تھے اور فلک البروج یا کرۂ ثوابت آٹھواں سمجھا جاتا تھا ۔ اب اس کو فلک ثوابت یا کرۂ ثوابت کہنا مناسب ہی۔ فلک سے ہماری مراد جدید اصطلاح میں وہ مصمت کرہ نہیں ہی جس میں ستارے جڑے ہوئے مانے گئے تھے بلکہ محض ایک موہوم کرہ جس میں مدارات وغیرہ واقع ہوں ۔

Izar E Bootis

جابطیس gapetus

سب سے دور تابع زحل کا نام ہے ۔

اس کو کاسنی نے ۲۵ - اکتوبر ۱۶۷۱ء کو دریافت کیا تھا ۔ بُعد اوسط زحل سے (۲۲۶۱۰۰۰) امیال ہی مدت دور ۷۹ دن ۷ گھنٹے و ۵۴ منٹ پروفیسر کرنگ کی رائے میں اس کی قدر نجومی ۱۱٫۸ وقت مقابلہ ہے ۔

مواضع الکواکب من مرکز المشتری goncentric

ستارے کا مقام بحوالہ مرکز مشتری

تقویم جولیائی ۴۴ ق ۔ م سے جولیس قیصر نے رائج کیا تھا gulian calendar

دورہ جولیائی ۔ gulian Period

حاصل ضرب ادوار شمسی و قمری و پانزدہ سالہ ۷۹۸۰ سال ۱۹ × ۲۸ × ۱۵ = ۷۹۸۰ سال

جونو۔ guno

سیارہ صغیر کا نام ہے ان سیارات سے جو مریخ اور مشتری کے مدار کے اندر دور کرتے ہیں اس کو مارڈنگ

نے یکم ستمبر ۱۸۴۶ء میں دریافت کیا تھا۔ مدت دورہ ۵۵ء ۳۸۰۴ سال ہی۔ بعد اوسط ۲۷ء ۲۷۹۶ بعد ارض کو وہ حد مان کر مقابلہ کے وقت قدر نجومی ۵ء ۸ قطر حقیقی ۱۲۰ امیل غالبًا۔

قاضی فلک ۔مشتری *Jupiter*

نظام شمسی میں سب سی بڑا سیارہ ۔قطر اوسط ۸۷۰۰۰ (ستاسی ہزار میل) یعنی گیارہ مرتبہ زمین کے قطر سے بڑا اس کا حجم زمین کے حجم سے ۱۲۰۰ مرتبہ زیادہ ہی۔لیکن یہ سیارہ ہلکا ہے لہذا مایہ (جوہر) زمین کے مایہ سے ۳۱۲ گنا ہے۔ اس کا بُعد اوسط شمس سے ۴۸۳۰۰۰۰۰۰ (امیال) ہی اڑتالیس کروڑ تیس لاکھ میل تقریبًا اور مدت دورہ ۱۱ سال ۸ء ۳۱۴ یوم ہے۔مشتری کے پانچ اقمار ہیں سب سے قریب اور چھوٹا بارنرڈ نے ستمبر ۱۸۹۲ء میں دریافت کیا ہے (دیکھو ضمیمہ تفصیلات مبادی کے لئے)

ح قیطس۔کف الجدمار۔ *Kaffaljidhma v Ceti.*

صاحب زیج بہادر خانی کف الجدمار میں چھ کوکب شمار کرتے ہیں یہ تارا جس کا بیان مذکور ہی (ج اوسط آنہا و آں پر میان دہن است)

خیطین *Kaitain (x Piscium)*

حوت کا ایک روشن ستارا ہے۔

قوس جنوبی *Kaus Australis E Sagittarii*

Keid, Al - Kaid 40 (2/0) Eridani.

Koplers laws.

یہ قوانین کیپلر نے حرکت سیارات کے لئے دریافت کئے تھے۔ یہ تین قانون ہیں (۱) سیارات بیضوی مدارات میں آفتاب کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ آفتاب اس بیضوی کے ایک فوکس میں ہے (۲) خط واصل بین الشمس والکوکب جس کو خط حامل کہتے ہیں مساوی مدتوں میں مساوی سطح طے کرتے ہیں (۳) مجذورات مدت ادوار متناسب ہیں کعبات ابعاد اوسط کے ساتھ۔

یہ قانون بعینہ ہر تابع و متبوع اجرام کے لئے صحیح ہی۔ خواہ اقمار سیارات ہوں خواہ کواکب مضعف جو گرد اپنے

مرکز ثقل کے حرکت کرتے ہیں۔

کفہ جنوبی ا ا المیزان — Kiffa Australis Stars á ā Libra

کفہ شمالی ب المیزان — Kiffa Boreolis (Blibreo)

کواکب معلوم الوضع — Known stars

رصد دائرہ نصف النہار سے جن ستاروں کی جگہہ کا تعین کرۂ فلکی میں ہوچکا ہے۔

ب و ب اصغر۔ Bursoe mindres کوکب — Kocab.

ب جاثی علی الرکبہ — Lecrta (the Lizard)

بوقلموں

ایک شکل شمالی درمیان قیفاوس اور الدجاجہ کے (جدید) طریق الشمس کو اگلے زمانہ میں کہتے تھے۔

طریق الخاتون — Lady's way

کیونکہ شمس عربی میں مونث ہی۔ عربی زبان میں ہر چیز خوبصورت مفید اکثر مونث ہوتی ہی اس کی بہت

Lugging of tides.

تاخیر جو مدبجر میں مابین تربیع اول اور کمال کے اور تربیع آخر اور محاق کے ہوتی ہے بہ سبب مجموعی جذب وانجذاب سرین کے۔

تربیع آخر ماہتاب — Last quarter of moon (Siequarter)

عرض کوکب — Latitude Celastial.

دائرۃ البروج پر عظیمے عمودی فرض کئے جاتے ہیں ان کو دوائر عرضیہ کہتے ہیں کسی ستارے کی دوری دائرہ البروج سے اسی عرضیہ پر ناپی جاتی ہے جو کسی ستارے میں گذرتا ہو عرض کوکب کو وہی نسبت دائرہ البروج سے ہی جو میل کو معدل النہار سے۔

عرض کوکب بالنسبت مرکز ارض — Latitude geocentric

قوسی فاصلہ کسی جرم فلکی کا دائرہ البروج کے شمال یا جنوب میں جس کی رصد کا مرکز ارضی سے حساب کریں۔

توسی فاصلہ کسی جرم فلکی کا دائرۂ البروج سے شمال یا جنوب میں جن کی رصد کا مرکز شمس سے حساب کریں۔ Latitude Halio-centric

ایک صغیرہ سطح ارضی پر متوازی دائرہ استوائی Latitude parallel of

عرض بلد Latitude Terrestrial.

توسی فاصلہ کسی مقام پر سطح زمین پر دائرہ استوائی کے شمال یا جنوب میں۔

Latus Rectum or Parameter

وہ وتر جو کسی قطع مخروطی کے فوکس میں گذرتا ہوا قطر اعظم پر عمود ہو اس کو ناظم مستقیم کہتے ہیں اگر قطر اعظم کو ۲ ا فرض کریں اور خروج المرکز کو خ تو ناظم مستقیم = ۲ ا (۱ - ح^۲)

سال کبیسہ۔ Leap year

سال شمسی اصطلاحی رواجی ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے اور ہر چوتھے سال ۳۶۶ دن کا جس کو سال کبیسہ کہتے ہیں لیکن گرگوری نے ہر چار صدیوں میں تین دن ساقط کر دئے ہیں جو صدی کا سال ۴۰۰ سے تقسیم نہ ہو سکے اس میں فروری ۲۸ ہی دن کا لیتے ہیں اگرچہ جولیائی تعدیل سے اس کی فروری ۲۹ دن کی ہوتی۔ اس طرح ۱۷۰۰ و ۱۸۰۰ و ۱۹۰۰ سالہائے میں فروری ۲۸ دن کا لیا گیا۔ البتہ ۲۰۰۰ میں ۲۹ دن کا شمار کیا جائیگا۔

طریقۂ اقل مجذورات Least squares method of

معادلات شرطی کے حل کے لئے گاس نے یہ طریقہ ایجاد کیا تھا کہ اولاً جملہ معادلات کو عدد رکن اول مساوات سے ضرب کر کے جمع کرلیں۔ پھر جملہ معادلات کو رکن دوم کے عدد سے ضرب دے کے جمع کرلیں اور اسی طرح جملہ ارکان کے اعداد سے ضرب دے دے کے جمع کرے۔ آخر میں معادلات فوق الواحد مجہولات کے قاعدہ سے حل کریں۔

طرۂ پھندنا Lemnis Cate ایک فیتہ جو نیچے لٹکا یا جائے۔

اِسفینہ میں جو سحابیہ واقع ہے اس کے درمیان میں ایک تاریک دھبہ نظر آتا ہے اس سحابیہ کو احیاناً سحابیہ ثقبۃ المفتاح بھی کہتے ہیں۔

عدسہ Lens

ایک شیشہ جو دونوں رخوں سے محدب ہو۔ انعطافی دوربین کے شیشے۔

ع۔ اسد۔ شیر۔ ہ سنگھ پانچویں برج کا نام ہے۔ اس کا مشہور ستارہ قلب الاسد ہے۔ Leo (the Lion)

اسد اصغر Leo Minor (the Lesser Lion)

شمالی اشکال سے ہے درمیان دب اکبر اور اسد کے واقع ہے۔

اسدیہ۔ Leonids

مرکز تناسب شہاب ثاقب جو برج اسد میں ہی ہر سال ۱۳ - ۱۴ نومبر کو اس کا ظہور ہوتا ہے ہر تیس سال کی مدت میں یہ تناثر زور شور سے ہوتا ہے۔ اخیر تناثر ۱۸۹۹ء میں ہوا تھا۔

ارنب۔ اشکال جنوبی سے۔ درمیان جبار اور فاختت کے واقع ہے Lepus (the Hare)

۶ میزان فارسی ترازو ہندی تلا آسمانی ساتواں برج ہے۔ Libra (the Balance)

توازن Libration.

ماہتاب کی حرکت اپنے محور کے گرد متشابہ ہے لیکن زمین کے گرد اس کے دورہ کی حرکت غیر متشابہ ہے اس لئے کہ مدار کی شکل بیضوی ہے۔

محوری اور دوری حرکتوں کے تفاوت ایک پس و پیشی حرکت قرص قمر سے ظاہر ہوتی ہے جس سے کسی قدر حصہ دوسری جانب کے نیم کرہ کا مشرقی اور مغربی کناروں پر نظر آجاتا ہے اس کو توازن طولی کہتے ہیں دوسرا توازن عرضی ہے اس کی علت یہ ہے کہ قمر کا محور حرکت مدار پر عمود نہیں ہے۔

توازن روزانہ۔ (دیکھو دایرنل لائریش) Libration Diurnel

حرکت نور سالانہ Light year

وہ مسافت جو نور ایک سال میں طے کرتا ہے۔ ستاروں کا بعد زمین سے اکثر اس قیاس سے بیان کیا جاتا ہے کہ کتنے برسوں میں روشنی ستارہ کی زمین تک پہنچتی ہے۔ اگر اختلاف منظر معلوم ہو تو سال نور کے مسافت طے کرنے کے اس طرح دریافت کئے جائیں کہ اختلاف منظر کو ثانیہ کی کسر کی صورت مقسوم علیہ فرض کریں اور ۳٫۲۵۸ کو مقسوم بنائیں خارج قسمت سالہائے مطلوبہ ہوں گے۔

کنارہ Limb

کنارہ آفتاب ماہتاب یا کسی ستارہ کے قرص کا۔

حدود حیلولت Limits, Ecliptic

حصّہ العرض (یعنی قوس جو عقدہ قمر اور قمر کے مقام میں واقع) کی وہ قوسی (یا زاویہ کی) مقدار جس میں حیلولت کلی یا جزئی ممکن ہے۔ واضح ہو کہ مدار حال قمر دائرۃ البروج کے ساتھ نقطہ تقاطع کے ساتھ جس کو زہرا یا عقدہ کہتے ہیں ۵ درجہ ۹ دقیقہ کا زاویہ بناتا ہے (اس زاویہ کو زاویہ میلان مدار قمر کہتے ہیں) اور قرص شمس کا قطر مرئی تقریباً ۳۲ دقیقہ اور قمر کا قطر مرئی تقریباً ۳۱ دقیقہ ہے (بہ حساب اوسط) جہاں دونوں مداروں کے درمیان کم از کم اتنا فاصلہ ہو کہ دونوں جرم ایک دوسرے کو چھوتے ہوئے نکل جائیں وہاں حیلولت نہیں ہو سکتی اور جہاں اس سے بھی کم فاصلہ ہو گا وہاں لامحالہ ایک حصّہ جرم سفلی کا علوی کے جرم کے ایک حصّہ کا حاجب ہو جائیگا اور جس قدر فاصلہ کمتر ہوگا اسی قدر محجوب حصّہ زیادہ حتیٰ کہ جہاں فاصلہ برائے نام ہو وہاں حجاب کلی واقع ہوگا۔ زمین کے سایہ کا قرص اور قمر کے قرص کے حجاب کے لئے بھی ایسی ہی صورت ہو گی جس حد کے اندر حجاب یا حیلولت ہو سکتی ہے اس کو حد حیلولت کہتے ہیں اگر قمر حاجب اور شمس محجوب ہو تو حد کسوفی کہنا چاہئے۔ اور اگر زمین کا سایہ حاجب اور ماہتاب محجوب ہو خسوفی حد کہنا چاہئے اور اگر کسی ثابتہ کا حجاب ہو تو لفظ حیلولت یا حجاب (بلاقید) کہہ سکتے۔ حیلولت یا حجاب اصطلاح عام ہے کسوفی حد ۱۶ درجہ ۵۸ دقیقہ تک عقدہ قریب سے اور خسوفی حد ۱۱ درجہ ۲۱ دقیقہ ہے۔

ظل کی بھی دو صورتیں ہیں ایک امبرا یعنی ظل مستقیم دوسرے پنمرا ظل ثانوی اس کو اپنے مقام پر سمجھنا چاہئے۔

زمین کے کسی مقام پر وقت وسطی وقت مقامی زمان بلدی Local Time

طول کوکب Longitude Clestial

یعنی اول حمل سے بعد کسی کوکب کا علی التوالی دائرۃ البروج پر۔ اگر عرض کوکب بھی معلوم ہو تو ان دونوں مرتبوں سے کوکب کے مقام کا تعین کرہ فلکی میں ہو جاتا ہے۔

طول مرکز ارضی Longitude Geo centric

اس کو طول تمثیلی یا تقویم کوکب کہتے ہیں۔ یعنی ستارہ کا مقام جو کہ بالفرض مرکز ارض سے مرصود یا محسوب ہو۔

طول کوکب مرکز شمسی — *Longitude Heliocentric*

یعنی طول کوکب جو مرکز شمس سے مرصود مشہود یا محسوب ہو۔

طول بلد — *Longitude Terrestrial*

کسی مقام کا فاصلہ کسی مقام معین سے جہاں پہلا دائرہ نصف مقرر کریں مشرق یا مغرب کی سمت میں مثلاً فی زمانناگرین وچھ میں پہلا نصف النہار مقرر ہے۔

طول نقطہ بعد اقرب — *Longitude of Perihelion*

سیارہ یا ذات الذنب کے نقطہ بعد اقرب یا حضیض کے طول دائرہ البروج پر مرکز شمس کے حوالے سے اگر اس کو مرکز شمسی طول بعد اقرب کہیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

کنج رجعت — *Loop of Retrogress*

اصطلاح قدیم میں اس کو قوس رجعت کہتے تھے یہ کنج جرم کے طریق مرئی میں سطح فلک پر پیدا ہوتا ہی جب جرم استقامت سی رجعت یا اس کے بالعکس چلتا ہے۔

انور — *Lucida*

جو ستارہ کسی مجمع النجوم میں سب سے زیادہ روشن ہو مثلاً انور الثریا ثریا میں۔

ایک یونانی دیوی کا نام ہے۔ *Alecyone*

آفتاب کی سطح پر چھوٹے چمکتے ہوئے داغ دکھائی دیتے ہیں۔ *Luculi.*

نور الارض۔ زمین تاب — *Lumiere Cendree.*

ہلال ایک شبہ یا دو روزہ پر ایک کسی قدر روشن گروہ نظر آتا ہے وہ زمین کی روشنی ہی جو سطح قمر پر منعکس ہوئی ہے

دور قمری — *Lunar cycle.* — دورہ میطونی ز دیکھو *Meteonic cycle*

یہ وہ دور قمر نہیں ہے جس کو منجم قدیم فارس کے تجویز کرتے تھے جس کی مدت ہزار ہا سال کی ہی خواجہ حافظ نے جس کی شکایت کی ایں چہ شورے است کہ در دور قمرے بینم ٭ ہمہ آفاق پر از فتنہ و شرے بینم

ابعاد قمر — *Lunar Distances.*

آفتاب یا سیارہ یا ثانیہ سے مرکز قمر کی دوریاں جو ہر تین گھنٹہ کے لئے المانک میں درج ہوا کرتی ہیں۔

اختلافات قمر Lunar Inequalities.

قمر کی رفتار میں حرکت متشابہ سے جو فرق پائے گئے ہیں بوجہ کشش آفتاب یا سیاروں کے دیکھو -

Lunation شہر قمری۔ Synodic Month

شکل ہلالی Lune

دو دائروں کے تقاطع سے جو ہلال نما شکل پیدا ہوتی ہے۔

بھیڑیا Lupus (the Wolf)

الذئب جنوبی شکلوں سے ہے۔

Lynse اشکال شمالی سے ہے۔

شلیاق Lyra (the Lyre)

اشکال شمالی سے ہے۔

اس کا سب سے روشن ستارہ نسر واقع ہے ا شلیاق۔

شلیاق Lyriels

ایک مرکز تناثر شلیاق جو اپریل ۱۹ - ۳۰ تک واقع ہوتا ہے۔ شلیاق سے نکلتا ہوا معلوم ہوتا ہے (۱°۷ + ۲۷۰°)

تاریک داغ Maculoe.

آفتاب کے تاریک داغوں کے لئے مستعمل ہے لفظی معنی داغوں کے ہیں۔

سحابیہ کبیر و صغیر۔ Magellanic clouds

اس نام کے دو سحابی جرم کہکشاں سے علیحدہ نصف کرہ جنوبی میں آنکھ سے نظر آتے ہیں دونوں میں چھوٹے ستارے اور ستاروں کے گچھے اور سحابہ نظر آتے ہیں۔

طوفان مقناطیسی Magnetic Storm

زمین کی مقناطیسی کیفیت میں ایک نمایاں تغیر بعض اوقات حادث ہوتا ہے اس کی علت غالباً وہ تغیرات ہیں جو آفتاب

میں حادث ہو کر اضطراب خاص پیدا کرتے ہیں۔ اس سے متناطیسی سوئیوں میں فرق پڑتا ہے بعض اوقات روشنیاں بھی نمایاں ہوتی ہیں۔

Maia. — ثریا کے ایک ستارہ کا نام ہے

Major Axis of orbit — قطر اعظم مدار بیضوی میں

قطر اعظم وہ ہے جو کہ فوکسین میں گذرتا ہے۔

Malus. — مالوس۔ سفینہ کا ایک حصہ ہے

Marfik c ophiuchi — مرفق

صاحب بہادر خانی ذو ستارے مرفق راست اور افق چپ پر لکھے ہیں و مرفق چپ طرفق راست الحوار کے دو ستارے۔ (۱) فرس اعظم۔ فرس اعظم اشکال شمالی سے ہے۔

Markab (a pagasi) — مرکب۔

Mars. — مریخ۔

مریخ کا بعد اوسط ۰۰۰ و ۰۰ و ۱۴۱ میل ایام دورہ ۶۸۷۔

اس سیارہ کا قطر ۴۲۰۰ میل ہے اس کی سطح پر جو نشان نظر آتے ہیں وہ زمین اور پانی کے آثار ہیں۔ اس پر ہوا کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس پر حیوانات کسی قسم کے ہوں۔ اس کے دو قمر چھوٹے چھوٹے ہیں (دیکھو سیارہ)

Mrsic K herculis

Mass — مایہ جوہر

مادہ مطلق کی ایک مقدار جو کسی جسم میں ہو جو کہ ثقل اور حجم سے بذات خود معرا ہے۔

کمیت مادہ مطلق کے اعراض سے ہے مثلاً وہی مادہ جو زمین پر ہے اس کی کمیت مشتری پر کے اتنے ہی مادہ سے مختلف ہے بلکہ زمین پر ہر جگہہ وزن میں تفاوت ہوتا ہے۔

Mass of Binary stars — مادہ مطلق کواکب مضعف

آفتاب کے مایہ کو واحد فرض کر کے ارکان کواکب مضعف کا مایہ دریافت کیا جاتا ہے اگر بعد کسی کواکب مضعف کا

معلوم ہو تو اس کے اختلاف منظر سے ایک رکن کا بعد اوسط دوسرے رکن سے دریافت ہوسکتا ہے بشرطیکہ مدار کے مبادی معلوم ہوں یعنی بعد اوسط زمین و آسمان کے قیاس سے دریافت ہوں گے۔ کیپلر کے قانون سوم کو وسعت دے کے نظام مضعف کا مادہ مطلق بقیاس مایہ آفتاب معلوم ہوگا۔ بلکہ بقیاس مجموع مایہ آفتاب و زمین مگر ازبسکہ زمین کا مایہ نسبتاً بہت قلیل ہے لہذا اس کو حساب میں نہ لیں گے۔ حساب کا طریقہ بہت سادہ ہے۔

نصف قطر اعظم جو دریافت ہو چکا ہے اختلاف منظر پر تقسیم کرو (دونوں ثوانی قوس میں لئے جائیں) خارج قسمت دونوں رکنوں کی دوری زمین و آفتاب کی دوری کے قیاس سے ہوگا۔ اب خارج قسمت کو مکعب کرو اور اس مقدار کو مدت دور کے برسوں کی تعداد سے تقسیم کرو حاصل مجموع مایہ مضعف رکنوں کا بقیاس مایہ آفتاب کے ہوگا۔

Mass of sun planet

مادہ مطلق (مایہ) کسی سیارہ کا بطور کسی مادہ مطلق آفتاب کے جس کو واحد مانا ہے ہوتا ہے۔ کبھی آفتاب کے مایہ کو زمین کے مایہ کو واحد فرض کر کے بیان کرتے ہیں (دیکھو مبادی کواکب ضمیمہ میں)

Masym Herculis معصم

زیچ بہادرخانی میں ح جاثی علی الرکبہ ثالی ازاں سہ کہ مر معصم چپ است لکھا ہے۔

Maxima and minima of variable stars

اعظم النور اور اصغر النور جب کواکب متغیرہ سے بہت روشن ہو تو اعظم النور ہے اور جب بہت کم روشنی ہو تو اصغر النور ہے۔

Mazzarath قدیم نام شعریٰ کا ہے

Mean abstance بعد اوسط

نصف قطر اعظم جو کہ درمیان بعد ابعد اور بعد اقرب کے وسط ہے۔

Mean Motion. حرکت وسط

اگر بعد اوسط کو نصف قطر مان کے ایک دائرہ کھینچیں اور اس کو دائرہ حرکت متشابہ فرض کریں تو وہ حرکت وسط ہوگی مضعف ستارے کی وسط برابر خارج قسمت ۳۶۰ درجہ تقسیم کیا ہوا تعداد سالہائے دور پر۔

نصف النہار وسطی — *Mean noon*

شمس وسطیٰ کا مرور دائرہ نصف النہار پر۔

محاسبین نے ایک نقطہ متحرک بنام شمس وسطی فرض کیا ہے جو دائرہ معدل النہار پر دائما متشابہ حرکت کرتا رہتا ہے جیسے گھڑیاں اور کلاک اسی شمس وسطی کے مطابق حرکت کرتی ہیں۔ اگر آفتاب حقیقی سے اوقات کا شمار کیا جاتا تو کبھی حساب نہ ہوسکتا کیونکہ آفتاب حقیقی کی رفتار ہر وقت بدلا کرتی ہے۔ البتہ بعد اوسط پر حرکت وسطی اور حقیقی دونوں تقریباً مساوی ہوتی ہیں۔

یوم شمس وسطی — *Mean Solar Day*

وہ زمانہ جو ایک نصف النہار وسطی سے دوسرے نصف النہار وسطی تک یعنی آفتاب وسطی کے دو مروں کے درمیان کا زمانہ۔

وقت شمسی وسطی۔ — *Mean Solar Time*

یعنی زاویہ ساعت (دائر یا فصل دائر) بحساب حرکت ۱۵ درجہ فی گھنٹہ ایک درجہ مساوی ۴ منٹ کے۔

شمسی وسطی — *Mean Sun*

نقطہ فرضی حرکت متشابہ سے

وقت وسطی — *Mean time*

بحساب شمس یا نقطہ مفروض حرکت متشابہ سے

معدل النہار کے دائرہ پر یہی وقت ہماری جیبی گھڑیوں اور بڑی گھڑیوں میں رہتا ہے۔

بسوط — *Mebsuta (E geminorum)*

یعنی یدالمبسوط

(دیکھو اثیر) واسطہ مقاوم — *Medium Resisting (See ether)*

ς الجوزاء المقبوضہ (یدالمقبوضہ) — *Mekbuda (ζ geminorum)*

α القیطس منکب — *Menkab (aceti)*

عربی۔ Mekabnan (Banriga) Menkibdhi linan

منکب ممسک العنان یہ منکب چپ پر عیوق ہے۔ قدر اول کا ستارا اور منکب
رات پر قدر دوم کا ستارہ ہے صاحب زیج بہادر خانی لکھتے ہیں ح آن کہ بر منکب چپ است ، آں کہ بر منکب است است

تعدیل ماہانہ۔ Menstruul eruation

ایک ظاہری تغیر مقام آفتاب کا طول ہیں جہت سے کہ ماہتاب کی گردش میں زمین اور ماہتاب کے مرکز ثقل کے گرد ہے نہ مرکز زمین کے گرد۔

مراق۔ ب دب اکبر Marak B Urs or majoris

تسطیح مرکیٹر Mercators projection

تسطیح کرہ کی نقشہ بنانے کے لئے۔ وہ کرہ کو اس طرح ظاہر کرتی ہے کہ گویا ہر چشم ناظر ہر نقطہ کرہ کی سطح کا علی الاتصال
یکے بعد دیگرے دیکھتی ہے (سر جان ہرشل)

عطارد Mercury.

(تفصیل مبادی کے لئے دیکھو ضمیمہ۔)

آفتاب سے قریب ترین سیارہ جس کے دورہ کی مدت ۸۸ یوم ہے۔ بعد اوسط ۳۶۰۰۰۰۰۰ میل اس کے
مدار کا انحراف استدارہ سب سیاروں سے زیادہ (۰٫۲۰۵) ہے قطر ۳۰۰۰ میل۔

نصف النہار Meridian Celas tial

وہ عظیمہ جو قطبین فلک اور کسی مقام مفروض کے سمت الراس اور سمت القدم میں گذرتا ہے اس عظیمہ کے
قطبین نقطہ مشرق و مغرب ہیں۔

نصف النہار مبدئی Meorindian prime

وہ نصف النہار جس سے طول بلاد مشرق یا مغرب کی طرف شمار کئے جاتے ہیں ہمارے زمانہ میں گرینوچ
کا نصف النہار مبدء رہا ہے۔

ہندوؤں کے علم ہیئت میں اجین مبدء تھا۔ ہماری کتابوں میں بحر اطلانٹک کے جزائر خالدات سے شمار کیا جاتا
تھا۔ گرینوچ سے تقریباً بیس درجہ مغرب میں واقع ہے قدیم علماء کا مبدء تھا۔

Meridian terrestrial.

نصف النہار ارضی۔

سطح ارضی پر ایک عظیمہ جو قطبین زمین اور مقام ناظر سے گذرتا ہے۔ زمین کے نقشوں میں یہی خطوط دئے ہوئے ہیں
دس دس یا پانچ پانچ درجہ کے فاصلہ سے مبد یعنی صفر گرین وچ کا نصف النہار ہے۔

Marape (33 Tauri)

ایک ستارہ ثریا کا ہے ۲۳ الثور

Mesartim (γ Arietis)

من الشرطین ح الحمل

صاحب زیج بہادرخانی مقدم الشرطین (ا الحمل) موخر الشرطین (ب الحمل) راس الحمل پر دو ستاروں کا
نشان دیتے ہیں۔

Metearic stones

احجار شہابی

آسمان سے کبھی کبھی پتھر گرتے ہیں ان میں سے اکثر بہت تحقیقی اور سندی ہیں ان کے اقسام یہ ہیں۔

(1) Siderites

کوکبی

وہ پتھر جن میں لوہے کی مقدار غالب ہوتی ہے۔

(2) Sider olites

مشابہ کوکبی

وہ جن میں لوہے کے مادہ حجری بمقدار کثیر شریک ہوتا ہے۔

Arolites.

حجریات

وہ جو تقریباً مادہ حجری سے بنے ہوتے ہیں۔

Metears

شہاب جمع شہب

اجسام روشن جو دفعتاً ہوائے محیط میں روشن نظر آتے ہیں اور نہایت سریع حرکت کر کے غایب ہوجاتے ہیں اس
ظہور کو تاروں کا گرنا یا ٹوٹنا کہتے ہیں۔ یہ چھوٹے اجرام ہیں جو ہوائے محیط سے ٹکرا کے مشتعل ہوجاتے اکثر بڑے بھی ہوتے ہیں
جن کو آتشی گولے کہتے ہیں۔ ان کی رفتار کا تخمینہ ۴۴ میل فی سکنڈ ہے۔

عموماً ۷۰ یا ۸۰ میل کی بلندی پر دکھائی دیتے ہیں اور سطح زمین سے ۵۰ یا ۵۵ میل کی بلندی پر غائب ہوجاتے ہیں
آتشی گولے کبھی کبھی پانچ میل سے دس میل کی بلندی تک پہنچ جاتے ہیں۔

طریق اقل مجذورات (دیکھو مجذورات) یا مربعات. *Method of least squares.*

دورۂ میطونیہ جس کو میطون اور نقطیمون نے ۴۳۲ ق م دریافت کیا تھا۔ *Metonic cycle*

معلوم ہوا کہ ہر ۱۹ سال کے بعد محاق اور بدر سال کی انہیں دنوں میں پڑتے ہیں جیسے پہلے دور میں پڑے تھے کیونکہ دور میطونیہ ۲۳۵ شہور قمری ہوتے ہیں جو برابر ۶۹۳۹٫۶۹ ایام کے ہیں جن کے تقریباً ۱۹ سال شمسی ہوتے ہیں (تقریباً ۲ گھنٹہ کا تفاوت ہے)

ایک فرانسیسی مقیاس طولی ہے جس کی مقدار ربع محیط زمین کا ایک کروڑواں حصہ کے ۱، الین کے برابر میطر مانا گیا تھا۔ میٹر کی مقدار برابر = ۳۹٫۳۷۰۷۹ انچہ = ۳٫۲۸۰۸۹ فیٹ کے ہے (*Metre*)

میٹر کی مقدار یاد رکھنے کا یہ طریقہ سہل ہے ۳ فٹ ۳ انچہ ایک بٹائیں یا تہائی ہر رقم میں تین کا ذکر آتا ہے میٹر کے سوویں حصہ کو سنٹی میٹر اور ہزارویں حصہ کو ملی میٹر کہتے ہیں اس کا حساب المشاری نظام پر ہے جس سے سنٹی میٹر کی مقدار ۰٫۴ انچہ کے برابر ہے تقریباً حساب میں کمال سہولت ہوتی ہے۔ سطح اور حجم کے پیمانے بھی میٹر کو اصل قرار دے کے مقرر کئے ہیں۔

خرد پیما *Micrometer*

چھوٹے زاویہ ناپنے کا آلہ۔ قرص آفتاب ماہتاب اور سیارات کے ناپ کا آلہ۔

خردبین *Microscope.*

آلات رصدیہ کی تقسیم بہت باریک ہوتی ہے اس کے دیکھنے کے خردبینی چشمے لگے ہوتے ہیں۔

خوردبینی *Microscopium*

اشکال جنوبی سے ہے۔ جدید علم ہیئت ہیں۔

نصف النہار *Mid Day*

نصف اللیل *Mid night*

آفتاب کا زمین کے نیچے دائرہ۔

نصف اللیل پر گذرنا جو کہ دائرہ نصف النہار کا وہ حصہ ہے جو افق کے نیچے ہے۔

میماس Mimas

داخلی یا قریب ترین قمر تابع زحل مدت دور ۲۲ گھنٹہ ۳۷ منٹ بعد اوسط ۱۱۷۰۰۰ میل اس کو سر ولیم ہرشل نے دریافت کیا تھا تاریخ ۱۵ ستمبر ۱۷۸۹ء۔ اس کا قطر تقریباً ۱۰۰۰ میل ہے غالباً قدر نجومی پکرنگ کے نزدیک ۱۲٫۸۔ یہ زحل کے بہت ہی قریب ہے اس لئے بہت ہی قوی دوربین سے نظر آسکتا ہے۔

قطر اقصر Minor Axis of orbit.

مدار بیضوی میں جو قطر مرکز بیضوی پر قطر اطول پر عمود ہوتا ہے۔

منطقۃ الجوزا Mintaka

δ الجبار میں تین ستارے درمیان شکل میں ہیں S. orionis.

نہایت عجیب متغیر ستاروں میں ہے۔ Mira o Ceti.

اس کی قدر نجومی ۱٫۷ سے ۵ تک متغیر ہوتی ہے جب بہت سے بہت تغیر ہویا ½ ۸ سے ۹ تک کم سے کم میں مدت تغیر بہ حساب اوسط ½ ۳۳۱ ایام ہے مگر اس میں اختلاف بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس میں لمعانی خطوط اکثر اہل رصد نے دیکھے ہیں۔

مراخ Mirach Bandromedae, E Bootis.

ا ہر سیاوش x مرفق Persei Mirfak

ب کلب اکبر مرزم Bcanis magoria Mirzam

Mizar ƺ Urse magonis, ε Bootis

کرکدن گینڈا Monoceros (the Uniccorn)

یہ شکل الجبار کے مشرق میں ہے اس میں سے دائرہ معدل النہار گذرتا ہے۔

ماہ مرکزی شہر مرکزی Month Anonealistic.

سیر ماہتاب کی اوج سے اوج تک مدت ۲۷ یوم ۱۳ گھنٹہ ۱۸ منٹ ۴۷٫۳ سکنڈ ماہ کی حرکت کے ساتھ اوج کی حرکت ملا لیتے ہیں۔ تو یہ مدت پوری ہوتی ہے۔

Month Draconic

فرض کیا گیا ہے کہ ایک تنین یعنی اژدہا کرہ فلک کے نصف حصہ کو محیط ہے جس کے سر اور دُم میں نصف دَورہ ۱۸۰ درجہ کا بعد ہے ۔ راس التنین راہو ذنب التنین کیت ہی شہر تنینی بعینہ جوہر ہے جو کہ شہر جوزہری ہی ۔ یہ مہینہ قمر اور راس قمر کی حرکتوں کا مجموعہ ہے ۔

Month Nodical — شہر جوزہری

سیر ماہتاب ایک جوزہر سے اسی جوزہر تک مدت ۲۷ یوم ۵ گھنٹہ ۵ منٹ ۸ ر ۳۵ سکنڈ ۔

Month Sidereal. — ماہ نجومی ۔ شہر نجومی

یہ سیر ماہتاب کی حرکت خاصہ کے اعتبار سے ہے ۔ ماہتاب کی سیر ایک ثانیہ سے اسی ثانیہ تک مدت ۲۷ یوم ۷ گھنٹہ ۴۳ منٹ ۴ ر ۱۱ سکنڈ ۔

Month Synodical — شہر قمری ماہ قمری

ایک اتصال شمسی سے دوسری اتصال شمسی تک (محاق سے محاق تک یا ہلال سے ہلال یا کسی وضع اضافی سے اسی وضع تک) اس کی مدت ۲۹ دن ۱۲ گھنٹہ ۴۴ منٹ ۷ ر ۲ سکنڈ ہے ۔ سیر ماہتاب حرکت اضافی کے حساب سے ہی ۔ اس دورہ ماہتاب کو آفتاب سے متصل ہونے کے لئے اس قدر قوس اور طے کرنا ہوتی ہے جو کہ آفتاب دورہ قمر کی مدت میں طے کرتا ہے ۔ ماہ کی حرکت خاصہ اور آفتاب نے جو قوس طے کی ہے اس کی حرکت قمر کے مجموعہ کا نام ہے ۔

Moon. — چاند ۔ ماہ ۔ ماہتاب ۔ قمر

زمین کا اکلوتا چاند اس کا بعد اوسط ۶۰،۲۷ مرتبہ زمین کے استوائی قطر کے برابر ہے یعنی نصف قطر استوائی کو واحد فرض کریں تو چاند کی دوری زمین بحساب اوسط ہو گی اس کا یہ مطلب ہوا کہ اگر تیس زمینوں کے قطر کا ایک زینہ بنائیں تو ماہتاب تک پہنچ سکتے ہیں ۲۳۸۸۵۴ میل ۔ بعد اقرب ۲۲۵۷۴۲ میل بعد ابعد ۲۵۱۸۶۸ میل مخرج المرکز ۱/۱۸ ستارہ اور میلان مدار کا ۵ درجہ ۸ دقیقہ ۔ ماہتاب کا قطر ۲۱۶۳ میل کا ہی ۔ اس کا مایہ زمین کے مایہ کا ۱/۸۱ ہی اور ثقل نوعی اس کے جوہر کا پانی کے وزن نوعی کو واحد مان کے ۴۰ ہے ۔

کواکب طریق القمر Moon calmination stars

ماہتاب کے آسمانی راستہ پر یا اس کے قریب جو ستارے پر واقع ہیں۔ مرکز قمر سے ان کی دوری سے کسی مقام کا طول بلد استخراج کرتے ہیں۔ اکثر ستارے ایسے بھی ہیں جن کو چاند چھپا لیتا ہے۔ یہ منظر بہت ہی عجیب اور خوشنما ہوتا ہے۔

دیکھو اختلاف منظر Moons parallactic ineruality

راس المثلث۔ Triangale × مثلث Moth allath

حرکت متزاید Motion accelarated.

وہ رفتار جو علی الاتصال سریع ہوتی جاتی ہے۔ زمین کی جانب جو جسم گرتا ہے وہ اس کی مثال ہے جس قدر زمین کے قریب آتا جاتا ہے اسی قدر رفتار سریع ہوتی جاتی ہے۔

حرکت مرئی و حرکت حقیقی Motion apparent and real.

زمین سے جو حرکت مرصود ہوتی ہے وہ مرئی ہے اور آفتاب کے گرد جو حرکت محسوب ہو وہ حقیقی مثلاً ستارہ جب رجعت کرتا ہے تو یہ رجعت مرئی ہے درحقیقت رجعت نہیں ہوتی حرکت رجعی برخلاف توالی (مشرق سے مغرب کی طرف) نظر آتی ہے حالانکہ حرکت حقیقی کبھی خلاف توالی نہیں ہوتی۔

حرکت علی التوالی (مشرق سے مغرب کی طرف) حرکت مستقیم Motion Direct

دیکھو (Droper motion) حرکت خاصہ Motion proper.

طولی حرکت کسی کوکب کی اپنی ذاتی رفتار سے۔

حرکت اضافی Motion pelatie

اضافی حرکت سے مراد وہ حرکت جو دو ستاروں کی حرکت سے مرکب ہو کے عالم رویت میں آئے مثلاً اگر دو جرم مختلف رفتاروں سے ایک دوسرے کے متوازی چل رہی ہوں ایک ہی سمت میں تو ان کی اضافی حرکت دونوں کی رفتاروں کا حاصل تفریق ہوگا۔ اگر مقابل کی سمت میں چل رہے ہوں تو دونوں حرکتوں کا مجموعہ اضافی حرکت ہوگی۔

Motion Retrograde

حرکت رجعی - رجعت

رفتار سیاروں کی فلک میں جب کہ مشرق سے مغرب کی دکھائی دیتی ہو ستاروں (بروج) یعنی خلاف حقیقی حرکت کے جو کہ مغرب سے مشرق کی طرف ہوتی ہے یعنی حرکت اگرچہ علی التوالی ہے لیکن خلاف توالی دکھائی دے تو اس کو رجعت یا حرکت استوائی کہتے ہیں یہ مرئی حرکت مرکب ہی سیارہ کی حرکت اور زمین کی حرکت حول شمسی سے کبھی یہ اصطلاح شمس کی حرکت روزانہ کے لئے مستعمل ہوتی ہے بلکہ حرکات قمر اور سیارات اور ثوابت کے لئے جو زمین حرکت روزانہ کے سبب سے نظر آتی ہے در اصل زمین حرکت کرتی ہی اور دوسرے اجرام حرکت کرتے نظر آتے ہیں۔

Mountans Lunar

جبال قمری

بڑے بڑے غاروں کے ساتھ سطح قمر پر اونچے اونچے پہاروں کے سلسلے بھی ہیں بعض کے نام زمین کے پہاڑوں کے نام سے نامزد ہیں۔ منجملہ الپس۔ کاکیشن (قاف) اپی نائین کارپے تھی ین پری نیز راک مونٹس میں (بلند ترین ... ۲۵ فٹ) لائنسٹر پہاڑ ... ۲۶ فٹ وغیرہ۔ قمر کے قطر اور حجامت کو دیکھئے نسبتاً زمین کے پہاڑ بلند تر ہیں۔ اکثر سیاروں اور غاروں کے نام مشاہد حکما اور علما ہیئت کے ناموں سے مشرف ہیں۔

Mukdim — مقدم (E Virginis) Vindemiatria

Muphraid — مفرد (Y Bootis) - بھی کہتے ہیں۔

Mural circle

لبنۃ

اس دائرہ کو دیوار کی سطح پر نصب کرنے میں یہی وجہ تسمیہ ہی۔ یہ دائرہ سطح نصف النہار میں لگایا جاتا ہی۔ اس کے ذریعہ غایت ارتفاع کواکب معلوم کرتے ہیں۔

Musca (The fly)

الذباب

ایک شکل ہے صلیب جنوبی کے جنوب میں۔

Nadir

(نظر)

وہ نقطہ جو شاقول کی سمت میں نقطہ سمت الراس کے مقابل ہے دیکھو سمت الراس۔ Zenith

Nath — الناطح — The butting

قرن الثور Balls Horn یہ ستارہ ثور کے قرن (سینگ) پر ہے

اتار جزر Neap tide

وہ جزر (اُتار) جو قمر کی تربیع اول اور آخر میں ہوا کرتا ہے جزر (اُتار) اور مد (چڑھاؤ) کی موجوں کی بلندی میں ۴ : ۱۰ کی نسبت ہوتی ہے دیکھو (Spring Tide) مد۔

سحابیات Nebulae.

دھندلے بڑے بڑے داغ روشنی کے دوربین سے نظر آتے ہیں اس کی قسمیں یہ ہیں۔

Annular.

Clleptic.

Spiral

plenetary

orebulus Stars

اس کے سوا غیر منتظم جیسی الجبار اور اسفینہ کے عظیم سحابیات ستاروں کے گچھے کو بھی سحابیات کہتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اکثر سحابیات گیس کی صورت میں ہیں سحابہ کے چھوٹے ٹکڑے کو لطخہ کہتے ہیں۔

احتمال سحابیت Nebular Hypo the sis.

وہ نظریہ جس کو لاپ لیس نے تجویز کیا تھا جس سے نظام شمسی کی علت کی توضیح کی جاتی ہے۔

آفتاب اور ستارے گھومتے ہوئے سحابی مادہ کے ٹھنڈے ہو کے منجمد ہونے سے پیدا ہوئے ہیں جو کہ نظام شمسی کی تکوین سے پہلے نیپچوں کے مدار سے آگے تک فضا میں پھیلا ہوا تھا۔ تکاثف کے ہنگام میں اس مادہ سے متعدد حلقے پیدا ہو گئے تھے وہ مرورِ زمانہ سے منجمد و متحد ہو کے آفتاب اور ستارے بن گئے جس میں متبوع اور توابع شامل ہیں۔ اس احتمال کی تائید اور تردید میں متعدد بحثیں ہوئیں۔ مبسوطات میں اس مسئلہ کو دیکھنا چاہیے

سحابیت Nebulosity

وہ ستارے جن کے گرد سحابی مادہ ہے۔ Neubulous Stars

ایسے ستاروں کو نطحہ یا نطحے کے ستارے کہتے ہیں الجبار دو ستارے۔

Nekkar (B Bootis)

Neptune

نیچوں۔

یہ سیارہ نظام شمسی سب سی دور ہے۔ اس سے دور تر کوئی سیارہ اب تک علوم نہیں ہوا ہی ستمبر کی ۲۳ تاریخ ۱۸۴۶ء میں اس کو دار السلطنت برلن میں لی ویریر نامی فلکی نے دریافت کیا تھا۔ اس کے دریافت کا سبب یورانس کی رفتار کا اختلاف ہوا بعد اوسط نیچوں آفتاب سے ۲۷۸۹،۰۰۰،۰۰۰ میل مدت دورہ ۱۶۴ ۳/۴ سال قطر نیچوں ۳۶،۰۰۰ میل کا ہی۔ قدر نجومی ۸ ہے کم قوت دوربین سے بھی دیکھ سکتے ہیں اگر آسمان میں مقام معلوم ہو۔ اس کا صرف ایک ہی قمر ہے جو ۵ دن ۲۱ گھنٹہ ۲ منٹ میں گردش پھر جاتا ہے بعد اوسط قمر کا ۲۶۲،۰۰۰ میل ہی۔ قوی دوربین سے یہ دہندلا چاند دکھائی دے سکتا ہی لیکن غالباً یہ بہت بڑا ہی۔

New moon.

لفظی معنے نیا چاند۔

ہماری اصطلاح میں ہلال سے مراد ہے جب کہ چاند محاق سے نکل کسی قدر حصہ روشن ہو جاتا ہی لیکن اصطلاح اہل فرنگ میں عین اتصال جب آفتاب اور ماہتاب کا طول بعینہ ایک ہو جس کو ہم محاق کہتے ہیں اور اہل ہنود اماوس۔ ہندو منجم بھی اتصال سے نیا مہینہ شروع کرتے ہیں۔ اماوس یعنی اتصال کے بعد سے ان کی تاریخ کا پہلا یوم وضعی جس کو تتھ کہتے ہیں شروع ہوتا اور جب آفتاب سے بارہ درجہ دور ہو جاتا ہی تو پریوا (پہلی تاریخ) تمام ہو کر دوج لگتی ہے دوج کو اول نظر آتا ہے جس کو چندر درشن یعنی رویت ہلال کہتے ہیں۔ ہلال غروب آفتاب کے بعد مغرب کے افق پر ظاہر ہوتا ہے۔

Newtonian Telescope

نیوٹن کی ایجادی دوربین۔

یہ انعکاسی دوربین ہے۔ بڑے آئینہ سے شیشہ بصر کے پاس شعاعیں ایک دوسرے چھوٹے آئینہ میں عموداً منعکس ہوتی ہیں۔

Nehal or Alnihal. النحل **B. Leporis**

Nodes.

عقدتین

دو نقطۂ تقاطع کسی سیارہ مدار کا دائرۃ البروج کے ساتھ جس نقطہ تقاطع سے سیارہ جنوب سے شمال کی طرف جاتا (چڑھتا ہے) اس کو عقدہ صاعدہ عقدہ صعود کہتے ہیں اور اس کے مقابل جب کہ سیارہ شمال سے جنوب میں اترتا ہے عقدۂ نازلہ یا عقدۂ نزول کہتے ہیں اور جو خط دونوں عقدوں میں واصل ہو اس کو خط جوزہرین یا خطِ عقدتین کہتے ہیں۔ وہ خط جو کہ سطح مدار سطح دائرۃ البروج میں فصل مشترک ہے۔

دیکھو شہر جوزہری North nodical جوزہری مہینہ Nodical month

Nonagosimal point. نقطۂ عاشر۔

لفظی ترجمہ ۹۰ درجہ کا بعد دائرۃ البروج کے سب سے بلند نقطہ کا ارتفاع جو وقت مفروض میں آسمان پر ہے کسی ستارہ کو مشرق کے افق پر مان کے چار نقطہ آسمان پر فرض کئے گئے ہیں جن میں اوتاد اربعہ (۱) طالع وہ نقطہ جو افق مشرق پر ہو (۲) رابع وہ نقطہ زیر زمین جو ۹۰ درجہ کے فاصلہ پر طالع سے ہے (۳) سابع (ساتواں) اس کو غارب بھی کہتے ہیں وہ نقطہ جو ۱۸۰ درجہ کے فاصلہ پر افق مغرب میں غایب ہونے والا ہو (۴) عاشر جس کو وتد آسمان بھی کہتے ہیں یہ طالع سے دسواں برج ہے یہ طالع سے ۲۷۰ درجہ کے فاصلہ پر حرکت توالی کے حساب سے ہے اور اگر الٹا حساب لیں تو ۹۰ درجہ کا فاصلہ طالع اور غارب دونوں سے افق کے اوپر اس کا مقابل رابع ہے جو تحت افق طالع اور غارب دونوں سے ۹۰ درجہ کے فاصلہ پر ہوتا ہے۔

Noon Mean and Apparent نصف النہار وسطی و حقیقی۔

جب نقطہ موہوم شمس وسطی نصف النہار پر گذرتا ہے اس کو نصف النہار وسطی کہتے ہیں اور جب حقیقی کا مرور ہوتا ہے تو اس کو نصف النہار حقیقی کہتے ہیں۔ نصف النہار حقیقی کو مرئی بھی کہتے ہیں۔

Narma (the Rale) نارمہ۔ اشکال جنوبی سے ہے۔

Normal Disturbing force عمادت قوت قسری۔

اگر قوس کے کسی نقطہ پر کوئی خط مماس اور نقطہ مماس پر عمود نکالا جائے جو محور قوس پر منتہی ہو تو اس کو عماد کہتے ہیں۔ اور یہ عماد مرکب قوت قسری کا ضلع ہو تو وہ مقدار قوت قسری جو اس عماد کی سمت میں عمل کرتی ہو تو اس کو قوت قسریہ عمادی کہینگے۔

North Polar distance بعد قطب شمالی

وہ قوس جو کہ درمیان قطب شمالی اور کسی کوکب کے ہو اس کو بعد شمالی یا تمام میل یا تمام بعد از معدل کہتے ہیں

سحابیہ کبیرہ و سحابیہ صغیرہ یہ دونوں سحابہ نصف کرۂ جنوبی میں واقع ہیں اس میں اکثر ستاروں کے گچھے بھی ہیں۔

Magellanic Clouds ان کا دوسرا نام سحاب مع قبلہ کبیر و صغیر۔

Nucleus. راس۔ مخ۔ لب

ستارہ ذوالصفیرہ یا ذوالذنب و مدار تارہ کا سر یا دماغ۔

Number golden. لکھا جا چکا ہے۔ دیکھو ذہبی عدد۔

Number of Eclipses سالانہ شمار کسوفات وخسوفات کا

کسوفات اور خسوفات کا ممکن شمار ۷ ہے اور ضرور ہے کہ دو ہوں اگر صرف دو ہوں تو دونوں کسوف ہوں گے اگر ۷ ہوں تو پانچ کسوف اور دو خسوف ہونگے تین خسوف سے زیادہ سال میں نہیں ہو سکتے اور کبھی سال میں ایک بھی نہیں ہوتا دورہ سیروسی یعنی ۱۹ سال میں عموماً ستر حیلولات ہوتے ہیں ۲۹ خسوف اور اہم کسوف۔

Number of Fixed stars. شمار ثوابت۔

صرف نگاہ سے بشرطیکہ قوی ہو ۰۰۰ ۷ سے زیادہ ستارے نظر نہیں آسکتے۔ سب سے زیادہ قوی دوربین سو ملین سے زیادہ نہیں دکھا سکتی۔

ہماری قدیم کتابوں میں مرصود و ثوابت کا شمار یہ ہے۔

Nutation Lunar. نیوطش۔

قطبین فلک کے (دائرمعدل کے قطب) قطب البروج کے گرد حرکت کرتے ہیں جو اختلاف ہوتا ہے بہ سبب جذابہ قمر کے۔ اس کی مدت برابر مدت دورہ خاصہ عقدتین کے ۱۸ سالی ۲۲۰ یوم ہیں۔

Nutation monthly نیم ماہانہ۔ اختلاف ماہانہ

قطبین معدل کی قطب البروج کے گرد حرکت میں بوجہ تغیر میل قمر کے اختلاف ہوتا ہے۔ اس کی مدت نیمہ ماہ یعنی ایک پاکھ ہے۔

Nutation solar

قطبین معدل کے قطب البروج کے گرد حرکت میں بوجہ تغیرات میل شمس اس کی مدت نصف سال شمسی ہے۔

Oberon

اُبرن۔

یورانس کا قمر جو سب سے بعید ہی سیارہ سے اس کا بعد اوسط مرکز سیارہ سے ۳۸۹۰۰۰ میل ہے مدت دورہ ۱۳ دن ۱۱ گھنٹہ ۷ منٹ۔ اس کا قطر معلوم نہیں ہوا۔ قوی دوربین سے نظر آسکتا ہی۔ سر ولیم ہرشل نے ۱۱ جنوری ۱۷۸۷ء میں دریافت کیا تھا۔

Object glass.

عدسۃ الشی۔ شے کی طرف کا شیشہ۔

بڑا شیشہ دوربین کا جو شے سے قریب تر ہوتا ہے۔ اگر عدسہ نظر کو انسی کہیں تو اس کو شئی کہنا چاہیئے۔ بعض دوربینوں میں دُہرا شیشہ ہوتا ہی ایک دوسرے سے چپاں۔ بعض میں دونوں میں چند انچہ کا فصل ہوتا ہے۔ خارجی دہرا محدب کرون گلاس کا بنا ہوا داخلی دہرا مقعر ہوتا ہی فلنٹ گلاس کا بنا ہوا۔

Object Test

آسمانی جرم دھندلی روشنی کے جو دوربین قوت استفادہ نور کے لئے کام میں لاتے ہیں یعنی دوربین میں کس قدر روشنی لینے کی قوت ہے

Oblute Spheroid

چھٹا کرہ۔ بیضوی نما کرہ۔

وہ مجسم جو بیضوی کے قطر اقصر کے گرد حرکت کرنے سے پیدا ہوتا ہی۔ زمین کی شکل ایسی ہی ہے۔ قطر استوائی قطر قطبی سے ۲۷ میل زیادہ ہی (نصف قطر استوائی ۳۹۶۳٫۲۹۶ میل قطبی ۳۹۴۹٫۷۹۱ میل اوسط ۳۹۵۹٫۱ میل)

Obliquity of the Ecliptic

میل کلی۔

وہ زاویہ جو درمیان دائرہ معدل النہار اور دائرۃ البروج کے ہی تقریباً ۲۳ درجہ ½ ۲۷ فیٹ ہی لیکن اس میں تغیر ہوتا رہتا ہی۔ کم سے کم ۲۱° ۵۹' و ۳۶'' اور زیادہ سے زیادہ ۲۴° ۳۵' ۵۸'' دیوجانس اپولونیہ کے باشندہ نے ۵۰۴ سال ق۔م دریافت کر لیا تھا کہ فصلوں کی تبدیلی میل کلی کی کمی بیشی سالانہ پر موقوف ہی مقصود یہ ہے کہ جب آفتاب نقطہ تقاطع اول حمل معدل اور دائرۃ البروج نقطہ اول حمل پر ہوتا ہے دن رات برابر ہوتے ہیں

یہاں میل صفر ہے اب اگر آفتاب شمالی ہو تو یوماً فیوماً میل زیادہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ جب نقطۂ انقلاب صفر پر پہنچتا ہے تو میل کلی کے برابر ہو جاتا ہے اس کے بعد میل کم ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ راس المیزان نقطہ اعتدال خریفی پر پہنچ کے جو دوسرا نقطہ تقاطع ہے پھر دن رات برابر ہو جاتے ہیں۔ بعدہٗ آفتاب جنوب میں آجاتا ہے دن گھٹنے لگتا ہے میل جنوبی یوماً فیوماً بڑھتے بڑھتے پھر نقطہ انقلاب شتوی پر میل کے برابر ہو جاتا ہے پھر میل کم ہونے لگتا ہے یہاں تک نقطہ اعتدال ربیعی اول حمل پر پہنچ کے صفر ہو جاتا ہے اور دوسرا دور یا سال شروع ہوتا ہے۔

Observatory رصدگاہ۔ رصدخانہ۔ رصد

وہ تعمیر جو ستاروں کے اشکال و اوضاع دریافت کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔ اس تعمیر میں یا اس کے آس پاس آلات رصدیہ نصب کئے جاتے ہیں۔ اگلے زمانہ میں بلند منارے اور گہرے کنوئیں اس مقصد کے لئے بنائے جاتے کنوؤں میں دن کو ستارے نظر آتے ہیں مصر کا منارہ بھی دن کو اس زمانہ کے قطب تارے کے دیکھنے کے لئے بنایا گیا تھا۔

Occultation انخفا۔ حیلولت۔

جب ایک جرم کے ٹھیک نیچے سے دوسرا جرم مثلاً چاند یا ظل ارضی گذرتا ہے تو اوپر کا جرم کلاً یا جزاً پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ ماہتاب جب آفتاب کو چھپا دیتا ہے تو کسوف ہوتا ہے جب چاند زمین کے سایہ میں آجاتا ہے تو خسوف ہو جاتا ہے۔ قمر کبھی سیارہ کو اور اکثر ستاروں کو چھپا دیتا ہے آفتاب کے جرم سے بھی کواکب پوشیدہ ہو جاتے ہیں مگر بہ سبب آفتاب کی تیز روشنی کے یہ منظر دکھائی نہیں دیتا۔ کبھی سیارات بھی بعض ثوابت کو پوشیدہ کر دیتے ہیں لیکن ایسا اتفاق شاذ و نادر ہے۔

Octans (octant) اشکال جنوبیہ سے ہے ایسی شکل میں قطب جنوبی واقع ہے۔

Offing افق البحری۔

عموماً افق کے لئے جہاں آسمان زمین ملتی ہوئی دکھائی دیتے ہیں خصوصاً سمندر کی سطح پر۔

Okda عقدہ × **Piscium** الحوت

Opaque.

حاجز۔ غیر شفاف۔

وہ جرم جس میں روشنی بالکل نہیں نظر آتی۔ غیر شفاف ہی۔

نیم شفاف جس میں کچھ روشنی وار پار دکھائی دیتی۔ شفاف جس میں بالکل روشنی کی روک نہیں ہوتی۔

Opera glass

دو چشمی دوربین جس کو لگا کے تھیٹر دیکھتے ہیں اکثر سیاروں کی تشکلات دیکھنے میں کام آتا ہے۔

Ophinchues the Serpent Bearer

عربی ہوا۔ ہندی سپیرا۔ ف مارگیر۔

اشکال فلکی سے ہے ہر فلس سے عقرب تک پھیلا ہوا ہی اس شکل میں معدل النہار کا دائرہ گذرتا ہی۔

Opposition

استقبال مقابلہ۔

جب دو جرموں میں نصف دائرہ ۱۸۰° کا فصل ہو۔ یہ فاصلہ اس عظیمہ پر لیا جاتا ہی جو دونوں جرموں میں گذرتا ہی جب ماہ کامل ہوتا ہے تو آفتاب اور ماہ میں نصف دائرہ کا فصل ہوتا ہی۔ استقبال صرف چاند کے لئے کہتے ہیں کیونکہ اس نقطہ سے ماہتاب گویا آفتاب کی پیشوائی کو بڑھتا ہی یعنی یوماً فیوماً قریب ہوتا جاتا ہی حتیٰ کہ اتصال ہو اُس کے بعد چاند سورج سے دور ہوتا جاتا ہے ہندو اتصال کے بعد سے اجیالا پاکھ شکل پکش اور استقبال کے بعد کرشن پکش لیتے ہیں۔ ایک ہندی دوہرا قمر کا مقام منطقۃ البروج پر دریافت کرنے کے لئے مشہور ہے۔

شکل پکش میں پانچ نے اور کرشن پکش میں پینتیس منتھ کو دونا کیجئے تو پاؤ گے رنبن حاصل معنی یہ ہی کہ جے ہندی تتھ گذرے ان کو دگن کر و پھر اگر اجیالا پاکھ تو پانچ اس پر زیادہ کرو اگر اندھیارا پاکھ ہو تو ۳۵ زیادہ کرو جو عدد اس طرح حاصل ہو اس کو جس برج میں آفتاب ہو وہاں سے ابتدا کر کے پانچ پانچ عدد ہر برج کو جس برج پر عدد ختم ہو جائیں۔ پانچ یا پانچ سے کم اسی برج میں چاند (رجنبس) ہوگا۔ اگر عربی مہینہ سے شمار کریں تو تاریخ کے عدد کو دو چند کر کے ہر صورت میں پانچ عدد اضافہ کرنا چاہئے کیونکہ تاریخ عربی کا شمار ایک سے ۲۹ یا ۳۰ تک ہوتا ہے بخلاف ہندی کے کہ ایک پکش کے گذرنے پر پھر ایک دو سے شمار شروع ہوتا ہے۔

مدار - Orbit

ایک جسم کے دوسرے کے گرد حرکت کرنے سے جو شکل قوس (دائرہ بیضوی مکانی یا زاید پیدا ہو) اس کو مدار کہتے ہیں ستاروں کے مدارات بیضوی - جو پتھر زمین پر پھینکا جاتا ہے یا توپ کا گولہ وہ مکانی قوس چلتا ہی - دو صغیرہ (گیسو دار) ذو ذنب (مدار ستاروں کے مدار قطع مراد ہوتا ہی (دیکھو تعریف ہر سہ قطوع -)

تشریق - Orientation

کسی عمارت یا نقشہ کی سمتیں بحوالہ نقطہ مشرق مقرر کرنے کو تشریق کہتے ہیں -

شکاری . The Hunter الجبار - Orion

خوبصورت اشکال فلکی سے ہی - دائرہ معدل اس کے وسط سے گذرتا ہی - اس لئے یہ تمام روئے زمین پر نظر آتا ہے - عوام عرب اسی کو جوزا، کہتے ہیں - اس کے سر پر تین چھوٹے ستارے مثل ث کے تین نقطوں کے ہیں اس کو راس الجبار کہتے ہیں اس کے ما ورا ربط الجوزا و رجل الیمنیٰ رجل الیسریٰ مشہور ستارے اسی شکل کے ہیں -

مرکز تناثر شہب اکتوبر کی ۱۸ - ۲۰ تک ہر سال یہ الجبار کے ایک نقطہ سے نکلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں (۹۰° + ۱۵°) ان کی رفتار بہت سریع ہوتی ہی اور روشن لکیر پڑتی ہے - Orinids.

ایک آلہ سیارات کے آفتاب کے گرد گھومنے کی نمائش کے لئے اول آزیری نے ایجاد کیا تھا - Oreery

Orthogonal Disturbing force

مسئلہ اختلاف رفتار میں وہ رکن قوت قسری کا جس کی تاثیر عمودی اسی سطح پر ہوتی ہی جس میں جسم تناثر وقت مفروض پر واقع ہو اور مرکز قوت قسری (جذابہ) کے گرد حرکت کرتا ہوا ہو -

ایک طریقہ کرہ کی تسطیح کا - Orthograpine progection.

(باقی آئندہ)

ادب

مکاتیب (نواب محسن الملک مرحوم و نواب وقار الملک مرحوم)

مولوی محمد امین صاحب زبیری مارہروی مہتمم تاریخ ریاست بھوپال نے بڑا کام کیا کہ نواب محسن الملک مرحوم اور نواب وقار الملک مرحوم کے خطوط چھاپ دئیے۔ ان کے حاصل کرنے میں انھیں بہت کچھ کھکھیڑ اُٹھانی پڑی ہوگی خانگی خطوں میں اکثر وہ باتیں مل جاتی ہیں جو دوسری تحریروں یا تقریروں میں نظر نہیں آتیں۔ اُن میں مخاطب جب کوئی دوست یا رازدار ہوتا ہے تو انسان دل کھول کر اُن خیالات کا اظہار کرتا ہے جو عام طور پر لوگوں میں نہیں کر سکتا۔ یا بعض اوقات ایسے افراد ہوتے ہیں جن کی نسبت یہ گمان ہوتا ہے کہ معاملہ انھیں کی حد تک رہیگا اور اس کا افشا نہ ہوگا۔ اور اس لئے وہ کبھی کبھی ایسے اسرار بیان کر جاتا ہے اور دل کی ایسی باتیں لکھ جاتا ہے جو کبھی وہ زبان پر نہ لاتا اور نہ حوالۂ قلم کرتا اور شاید اسی کے ساتھ اُس کے سینہ میں مدفون رہ جاتیں۔ لیکن اُسے کیا خبر کہ رقیب گھات میں لگے ہوئے ہیں جو اُس کے ایک ایک پرچے کو ڈھونڈھ نکالینگے اور اُس کے راز کو ڈنکے کی چوٹ بیان کرینگے۔ خانگی خطوط کی اشاعت اُردو ادب میں ایک نئی چیز ہے۔ سب سے اول مرزا غالب کے خطوط شائع ہوئے جو اُردو زبان کی جان ہیں۔ وہ بہت مقبول ہوئے اور ہمیشہ شوق سے پڑھے جائینگے۔ اس کے بعد بعض اور اصحاب کے خطوط بھی شائع ہوئے ہیں۔ مولوی محمد امین صاحب نے یہ خوب کیا کہ اُن دونوں بزرگوں کے خط یک جا جمع کر دئیے کیونکہ ان کی زندگی کے حالات اور کام کچھ ایسے ساتھ ساتھ

اور ایک ہی قسم کے واقع ہوئے ہیں کہ ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہو سکتے۔ دونوں پہلے سرکار انگریزی کے ملازم تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے بعد ریاست حیدر آباد میں گئے اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے اور دونوں نے بقول نواب محسن الملک بادشاہی نہیں خدائی کی۔ پھر دونوں یکے بعد دیگرے حیدر آباد سے واپس ہوئے تو علی گڑھ پہونچے۔ اور ایک دوسرے کے بعد علی گڑھ کالج کے سکرٹری ہوئے اور مرتے دم تک قومی کام میں مصروف رہے۔ ایسے دو ہم عصر شخص مشکل سے ملینگے جن کے کارنامے بالکل ایک ہی قسم کے ہوں اور پھر اپنی عادات و خصائل اور اصول میں ایک دوسرے سے کوسوں دور ہوں۔ یہ خطوط ان دونوں کی سیرتوں کا آئینہ ہیں۔ ایک سیاسی عیّاریوں کا بادشاہ ہے۔ تو دوسرا صاف گوئی اور استقلال میں اٹل ہے۔ ایک ہَوا کو دیکھتا اور زمانہ کے موافق چلتا ہے تو دوسرے کو اپنے ایمان اور صداقت پر اعتماد ہے۔ ایک اپنی فصاحت سے کام نکالتا ہے تو دوسرا اپنی صاف گوئی سے۔ ایک اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے دل لبھاتا ہے تو دوسرا اپنے منطقی دلائل اور معاملے کی تہ تک پہنچ کر قائل کرتا ہے۔ ایک کی خوش بیانی اور ظرافت اور دوسرے کا وقار اور صبر و سکون دونوں قابل داد ہیں۔ دونوں کے اخلاق اپنے اپنے رنگ میں دل فریب اور بے مثل ہیں۔ مگر ایک گتھی کے سلجھانے میں انجام اور نتیجے کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور برے بھلے ہر قسم کے طریقے کو کام میں لاتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ جس طرح ہو سکے یہ مصیبت ٹل جائے پھر خواہ کچھ ہی ہوتا رہے! دوسرا اپنے اصول پر نظر رکھتا ہے اور اس سے ایک اینچ نہیں ہٹنا چاہتا خواہ انجام اور نتیجہ کچھ ہی ہو۔ ایک معاملات کو دیکھ کر جلد جلد رنگ بدلتا بگڑتا اور خوش ہوتا ہے، دوسرا پہاڑ کی طرح ایک جگہ پر قایم ہے۔ جس پر بیرونی حوادث کا بہت کم اثر ہوتا ہے۔ سیرت کا یہ اختلاف ان خطوں میں صاف نظر آتا ہے۔

نواب محسن الملک کے خطوں میں فصاحت اور روانی ہے۔ وقار الملک کے خطوں میں قوت اور معاملہ فہمی پائی جاتی ہے۔ محسن الملک کے خطوں میں جوانی کی بے چینی اور جنون ہے اور وقار الملک کے خطوں میں بڑھاپے کی دانائی اور دُور اندیشی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ محسن الملک ہمیشہ جوان رہے اور وقار الملک سدا کے بڈھے تھے۔ محسن الملک جذبات سے مغلوب ہو جاتے تھے اور وقار الملک جذبات پر غالب آنے کی کوشش کرتے تھے۔ محسن الملک ذراسی آہٹ سے چوکنے ہو جاتے تھے۔ اور وقار الملک

معمولی افواہوں کو ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے اُڑا دیتے تھے۔ محسن الملک معاملہ کا رنگ بدلتا دیکھ کر مضطرب ہو جاتے اور ریشہ دوانیاں شروع کر دیتے اور وقار الملک معاملہ کو معاملہ سمجھ کر سکون کے ساتھ مقابلے کے لئے تیار ہو جاتے۔ غرض دونوں کے خط پڑھنے کے قابل ہیں اور جو لوگ اُس زمانہ کے اور خاص کر ریاست حیدرآباد اور علی گڑھ کے حالات سمجھنا چاہتے ہیں وہ ان خطوں کے پڑھنے میں خاص لطف حاصل کریں گے۔ محمد امین صاحب قابل شکریہ ہیں کہ انھوں نے یہ دلچسپ مجموعہ شایع کر دیا۔

کتاب مولوی محمد امین صاحب سے مل سکتی ہے۔ قیمت ایک روپیہ ہے۔

سرگزشتِ الفاظ۔ اس کتاب کے مؤلف مولوی احمد دین صاحب بی اے وکیل لاہور ہیں۔ الفاظ بھی ایک طرح انسان کی طرح جاندار ہیں وہ بھی انسان کی طرح پیدا ہوتے، مرتے، بڑھتے اور گھٹتے ہیں۔ ہر لفظ اپنے ساتھ ایک تاریخ رکھتا ہے جو خود اس کی ذات میں پنہاں ہے۔ وہ گزشتہ زمانہ کی تہذیب اور معاشرت کی یادگار ہے وہ قومی ترقی کے ساتھ ترقی کرتا اور قومی تنزل کے ساتھ تنزل کرتا ہے۔ یہ بھی انقلاب زمانہ سے، انسان کی طرح کبھی ادنیٰ سے اعلیٰ اور اعلیٰ سے ادنیٰ، شریف سے رذیل اور رذیل سے شریف ہو جاتا ہے۔ لیکن ہر لفظ زبان میں ایک منصب رکھتا ہے اور اس کے صحیح استعمال پر وہی قادر ہو سکتا ہے جو اس کی سیرت سے آگاہ ہے یہ انشا پردازی کا بڑا گُر ہے۔ قابل مولف نے لفظ کے ہر پہلو پر نظر ڈالی ہے اور تحقیق کی داد دی ہے اور ساتھ ساتھ مثالیں دے کر اپنے دعوے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ موضوع بہت دلچسپ مگر ساتھ ہی بہت مشکل اور محنت طلب ہے اور اسی لئے اس میں کہیں کہیں لغزش یا کوتاہی کا ہو جانا لازم ہے مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "میز کی اصلیت کا پتہ لگانا سہل نہیں۔ تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ لفظ پرتگالی ہے۔ پرتگالی زبان میں اسے اس طرح لکھتے ہیں (mesa)" ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ "اسلامی دنیا میں صلوٰۃ کا تقدس اور احترام مسلّمہ ہے اور ایک مسلمان کی زبان پر اس کی عظمت و شان روز روشن کی طرح عیاں ہے لیکن قوم کی سبک سری خفتِ عقل اور ضعف ایمان کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اس قابل تحریم و مقدس لفظ کو جمع کی صورت میں ایک ذلیل حرکتِ انسانی کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ کہاں صلوٰۃ اور کہاں صلواتیں"۔ یہ صحیح ہے لیکن اگر وہ

صلوٰۃ کے لغوی معنوں کی تحقیق کرتے تو انھیں معلوم ہو جاتا کہ یہ لفظ کس طرح ادنیٰ سے اعلیٰ ہو گیا اور پھر اُردو میں جمع کی صورت میں کن ذلیل معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ یہی تو زمانہ کے آثار چڑھاؤ ہیں۔ ایک جگہ چھوئی موئی کے متعلق لکھا ہے کہ "چھوا تو موئی، بدن خشک، پژمردگی طاری اور بس"۔ بدن خشک کبھی نہیں ہوتا بلکہ چھونے سے بدن سکیڑ لیتی ہے۔ مشعلچی کو لکھتے ہیں کہ اردو میں آکر باورچی خانے میں برتن صاف کرنے کی عفت کے لئے مخصوص ہو گیا۔ ابھی تک تو یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا ممکن ہو آیندہ یہی ہو جائے۔ اٹکل کے متعلق لکھا ہے کہ "اگرچہ ابتدا میں قیاس اور رائے قائم کرنا ہی تھا لیکن اب قیاس اور رائے کی وقعت اٹکل پچو کی ترکیب میں ظاہر ہوتی معلوم ہوتی ہے اٹکل اب بھی قیاس اور اندازے ہی کے معنوں میں مستعمل ہے ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ "مدرسہ، تعلیم گاہ اور مکتب سے یقیناً اعلیٰ رتبہ کی چیز ہے" ہمارے خیال میں یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ مدرسہ تعلیم گاہ سے ہر حالت میں اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔

"جلاب، انگریزی میں جیلپ، مکسیکو کے ایک شہر جلاپا کے نام سے ہے" قابل مؤلف نے یہ نئی بات لکھی ہے جو درست نہیں معلوم ہوتی۔ ہماری تحقیق میں یہ لفظ گلاب کا معرّب ہے۔ کراہت سے بچنے کے لئے مسہل کے لئے استعمال ہونے لگا ہے۔ رضائی۔ محمد رضا موجد کے نام پر ہے"۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے یہ لفظ دراصل رزائی ہے چونکہ یہ عموماً رنگے ہوئے کپڑے کی بنائی جاتی ہے اس لئے یہ نام پڑ گیا۔

پاکھنڈ کے لغوی معنی مولف نے وید کے برخلاف بدعت بیان کئے ہیں اور اصطلاحی معنی، وہ عبارت جو دکھاوے کی ہو۔ حرامزدگی، بدذاتی، شرارت۔ لیکن لفظ کی تحقیق سے گریز کیا ہے۔ پاکھنڈ مرکب ہے پا اور کھنڈ سے۔ پا کے معنی بدلنے والے یا حفاظت کرنے والے کے ہیں جس سے مراد دھرم لی جاتی ہے۔ کھنڈ کے معنی منتشر کرنے اور توڑنے کے ہیں۔

بعض الفاظ پردہ پوش ہوتے ہیں۔ یعنی کسی مکروہ یا ناگوار شے یا خیال کو اچھے اور خوشنما الفاظ میں ادا کرتے ہیں مؤلف نے متوالا کے لفظ کو بھی انھیں میں شمار کیا ہے۔ وہ اسے مت (سمجھ۔ عقل) اور والا سے مرکب سمجھے ہیں حالانکہ یہ لفظ مد اور والا سے مرکب ہے۔ مد کے معنی ہندی اور سنسکرت میں عرق، شراب اور مستی کے ہیں۔ کثرت استعمال سے د ت سے بدل گئی ہے۔ ان دو حرفوں کا بدل باہم ہوتا ہے۔

اسامی کے ایک معنی امیر کے بھی لکھے ہیں۔ درحقیقت یہ امیر کے معنوں میں نہیں آتا بلکہ بعض اوقات مالدار سے مراد ہوتی ہے مگر اس میں ہمیشہ ذم کا پہلو ہوتا ہے۔

مؤلف نے منجملہ اور بحثوں کے غیر مستعمل الفاظ کی طرف بھی توجہ فرمائی ہی جو کتابی خزانوں میں بند اور بیکار پڑے ہیں اور جن سے ہم ناواقفیت یا کم فہمی کی وجہ سے کام نہیں لیتے۔ ہمیں اس خیال سے بالکل اتفاق ہی۔ درحقیقت ایسے الفاظ اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں جن کا استعمال اب نہیں رہا یا جو ٹکسالی نہیں سمجھے جاتے۔ حالانکہ وہ بعض خیالات کے ادا کرنے میں بہت کام آسکتے ہیں۔ افسوس ہی کہ قابل مؤلف نے اس بحث کو نہایت مختصر طور سے چند سطروں میں بیان کر دیا ہی۔ یہ چنداں قابل شکایت نہیں کیونکہ اس مختصر کتاب میں ہر بحث تفصیل سے بیان نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن شکایت اس کی ہے کہ انھوں نے مثال کے طور پر ایک لفظ بھی تو ایسا نہیں لکھا جو اُن کی رائے میں رواج دینے کے قابل ہی اگر وہ چند مثالیں بھی لکھ دیتے تو ناظرین کو مؤلف کے مطلب کے سمجھنے میں بہت آسانی ہوتی۔

بہرحال یہ ایسی باتیں ہیں جن پر نظر ثانی کی ضرورت ہی الفاظ کی تحقیق میں اکثر غلطی ہوجاتی ہی اور اس سے کتاب کی قدر و قیمت کم نہیں ہوسکتی۔ قابل مؤلف نے انگریزی زبان کی مشہور کتاب ریورنڈ ٹرنچ کی تالیف (Study of words) کو پیش نظر رکھا ہی بلکہ اس کا چربہ اتارا ہی۔ ترتیب بھی وہی ہے اور انداز بیان بھی قریب قریب اسی طرح کا ہی البتہ جہاں اصل کتاب میں انگریزی، فرانسیسی، لاطینی لفظ تھے، مؤلف نے ان کی جگہ سلیقہ سے اردو، ہندی، فارسی، عربی الفاظ داخل کر دئے ہیں انداز بیان میں کسی قدر مولانا آزاد مرحوم کا بھی تتبع کیا ہے اور کہیں کہیں اُن کی تصانیف سے بھی مدد لی ہی اور یہ کتاب بھی مرحوم ہی کے نام سے معنون کی ہی۔

لائق مؤلف کی محنت قابل داد ہے۔ یہ کتاب طلبہ اور عام شائقین کے لئے بہت کارآمد ہی اس سے اُن کے دلوں میں الفاظ کی تحقیق، لغوی، معروف اور اصطلاحی معنوں کے فرق، حالات زمانہ کے اثر سے معنوں میں تغیّر و تبدل اور لفظوں کی اصل دریافت کرنے کا شوق پیدا ہوگا اور یہ ادب کی تحصیل میں بہت کچھ مدد دیتا ہی۔

خوشی کی بات ہی کہ پنجاب گورنمنٹ نے ازراہِ قدردانی مؤلف کو انعام عطا فرمایا ہی اور وہ اس کے مستحق تھے۔

مولوی احمد دین صاحب بی اے وکیل لاہور سے مل سکتی ہے۔ چھوٹی تقطیع۔ تعداد صفحات ۳۰۸ قیمت دو روپیے۔ چھپائی بھی اچھی ہے۔

قوم پرست۔ بنگال کے نامور ناٹک نویس بابو دوجیندر لال رائے کے ایک ناٹک کا ترجمہ ہے

جناب سدرشن صاحب نے اردو زبان میں ترجمہ کیا ہی قابل مترجم نے اس میں "اہم رد و بدل" بھی کئے ہیں ہمیں حیرت ہی کہ ایسے ناٹک میں جو ہمارے ہی ملک کا ہی اور اس کا لکھنے والا بھی ایک ہندوستانی ہی اہم رد و بدل کی کیا ضرورت واقع ہوئی تھی۔ یہ ناٹک المیہ ہے اور خاتمہ بہت دردناک ہی۔ قصہ تاریخ راجستان سے لیا گیا ہے جو صرف اس قدر ہی کہ تھوڈا کی راج کماری تارا نے عہد کیا ہی کہ جو بہادر سورما میرے وطن کو آزاد کریگا وہی میرا مالک ہوگا۔ اُس وقت تارا کے حُسن کا گھر گھر چرچا تھا۔ میواڑ کے رانا کے کنور پرتھوی راج نے یہ مہم فتح کی اور تارا کے دل کا مالک بن گیا۔ اودھر جب اُس نے یہ سنا کہ اس کی بہن پر اس کے خاوند پربھو راؤ نے طرح طرح کے ظلم توڑ رکھے ہیں تو وہ بہادر شیر دل فوراً بہن کی عزت بچانے کے لئے سروہے پہنچتا ہے۔ مگر اس کا بہنوئی پربھو راؤ اُسے زہر دیدیتا ہے۔ اگرچہ قصہ صرف اتنا ہی مگر اس میں اور کئی شاخسانے نکل آتے ہیں بعض کیرکٹر بہت قابل تعریف ہیں۔ مصنف نے بڑی خوبی کے ساتھ انسانی نفس اور خصائل کو دکھایا ہی۔ راجپوتوں کی بہادری غیرت اور حمیّت کا بہت خوب مرقع ہے اور اخلاقی لحاظ سے بھی قابل عبرت ہی اور بعض مقامات پراثر ہیں سدرشن صاحب کا ترجمہ بھی بہت اچھا ہے۔

کتاب بہت اچھے کاغذ پر خوب چھپی ہے۔ رام کُتیا بک ڈپو لاہور سے ایک روپیہ میں مل سکتی ہی۔

کُنجِ عافیت ۔ یہ ایک چھوٹا سا دلچسپ قصہ ہی جس کے مصنف جناب سدرشن صاحب ہیں۔ اس میں اُنھوں نے انگریز عورت اور اس کے مقابلے میں ایک ہندی عورت کی سیرت نہایت خوبی سے دکھائی ہے۔ پڑھنے کے قابل ہے۔

قابل مصنف کو اگرچہ زبان کے محاورے میں کہیں کہیں لغزش ہو جاتی ہی۔ لیکن اپنے خیال کے ادا کرنے میں قدرت حاصل ہی۔ اُن کی دوسری کتابوں کی طرح یہ بھی خوب چھپی ہے۔

مینیجر صاحب رام کُتیا بک ڈپو لاہور سے ۶ر میں مل سکتی ہے۔

محبت کا انتقام ۔ یہ ناٹک جناب سدرشن صاحب کی تصنیف ہی اُردو میں بہت کم ایسے ناٹک ہیں جو

قابل قدر یا قابل مطالعہ ہیں۔ البتہ جناب نورالٰہی اور محمد عمر صاحبان کے ترجموں نے بہت اچھا سامان مہیا کر دیا ہے اور ان صاحبوں کی محنت قابل شکریہ ہے اس ناٹک میں مصنف نے جدّت دکھائی ہے۔ قصّہ اگرچہ مختصر ہے لیکن محبت و انتقام کی کشمکش نے جو ایک ہی جلوے کے دو کرشمے ہیں ناٹک کے اثر اور حسن کو بڑھا دیا ہے ایک طرف انتقام کا جوش اور دوسری جانب محبت کی آگ ہے جن کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں باقی تمام جذبات بھسم ہوگئے ہیں۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ مصنف نے شروع سے آخر تک اسے اس طرح نبھایا ہے کہ کہیں فضول گری کی گنجایش نہیں۔ ہماری رائے میں اسے بنگالی ناٹک "قوم پرست" پر ترجیح ہے۔

رام کتیا بک ڈپو لاہور سے ایک روپیہ میں مل سکتا ہے تعداد صفحات ۲۰۵۔

مکمل شرح دیوان غالب۔ غالب کا کلام ایک لازوال نعمت ہے۔ جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا ہے اس کی قدر اور بڑھتی جاتی ہے۔ جب تک اُردو زبان زندہ ہے اس کے زندہ رہنے میں کلام نہیں۔ اگرچہ۔ بلکہ اگر یہ بھی نہ رہے تو بھی یہ کلام زندہ رہیگا۔ کیونکہ اس کا کمال محض الفاظ اور زبان پر منحصر نہیں بلکہ ان قیود سے بالا و برتر ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی متعدد شرحیں لکھی جا چکی ہیں اور آیندہ سینکڑوں لکھی جائیں گی اور فاضل شارح اس کلام کے سائے میں اپنی جدّت اور ذہانت کے دکھانے کے موقع ڈھونڈینگے اور بقائے نام کا وثیقہ سمجھیں گے حال میں مکمل شرح کے نام سے ایک شرح دیوان غالب کی شائع ہوئی ہے۔ اس کے مولف مولوی عبدالباری صاحب آسی اُلدنی سکرٹری انجمن خاصان ادب لکھنؤ ہیں۔ یہ ایک بڑی ضخیم کتاب ہے۔ مؤلف نے اس کے لکھنے میں بڑی محنت کی ہے۔ معانی و مطالب کے بیان کرنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اکثر دوسرے اساتذہ کے (اور کہیں کہیں اپنے بھی) شعر نظیر میں پیش کئے ہیں اگرچہ بعض مقامات پر یہ بے جوڑ اور بے محل معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرے شارحوں کی بھی موقع بموقع اصلاح کرتے جاتے ہیں اور جہاں کہیں ضرورت ہوتی ہے بعض اشعار کے کئی کئی معنی بیان کرتے ہیں۔ یہ کام م د بیش دوسرے شرح نویسوں نے بھی کیا ہے لیکن ایک خاص بات جو اس شرح میں ہے وہ سب سے نرالی ہے۔ فاضل شارح نے اس کتاب میں جودت طبع غیر معمولی جدّت اور طباعی کا عجیب و غریب ثبوت دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایک آدھ اور شرح میں بھی کہیں کہیں جدت

نظر آتی ہے مگر اس سے بدمذاقی کا رنگ جھلکتا ہے۔ مگر یہاں فاضل شارح نے ذوقِ سخن کے پردہ میں جو گُل کھلائے ہیں وہ قابلِ دید ہیں۔ اس کے متعلق کچھ زیادہ لکھنا عبث ہے۔ صرف نمونے کے طور پر دو چار مثالیں لکھی جاتی ہیں ان سے خود ان کے کمال کا اندازہ ہو جائے گا۔

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

"اس شعر میں نکتہ یہ ہے کہ جب دل جل گیا تو اب افسردگی کی آرزو ہے۔ جلنے کے بعد ہی افسردگی پیدا ہوتی ہے" یہاں شارح نے جلنے کے لغوی معنی لئے ہیں۔ جب جلنے کے بعد افسردگی کا پیدا ہونا لازم ہے تو پھر آرزو کے کیا معنی۔

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی
میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

"ننگ وجود محض تناسب الفاظ کے لئے ہے باقی خیریت ہے"۔ کیا داد دی ہے۔ مرزا صاحب زندہ ہوتے تو اس کی ضرور داد دیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ذوقِ سخن بھی متعدی ہے۔ فاضل شارح پر مولانا طباطبائی کا سایہ پڑا ہے۔

یہ لاشِ بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

اس شعر کی تعریف کے بعد لکھتے ہیں کہ "میرے مکرم استاد مولانا سید ابو الحسن صاحب ناطق گلاوٹھی اپنی خاص زبان میں محاورات کے پردے میں اس مضمون کو یوں ادا فرماتے ہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ ناطق بیٹھا بیٹھا چل بسا ہائے کیا کمبخت کو رکھی ہوئی سی آگئی

حق استادی سے قطع نظر کرکے میرے نزدیک یہ اس مضمون کا بہترین شعر ہے رکھی ہوئی سی آگئی ممکن ہے کہ لکھنؤ کا محاورہ نہ ہو مگر دلی کا ایک محاورہ ہے جو اسی موقع کے لئے وضع ہوا ہے ایک میرا شعر اسی مضمون کا ہے

خدا آسی کو بخشے اُس کی باتیں یاد آتی ہیں بڑا سیدھا مسلمان تھا بڑا سچا مسلماں تھا"

غور کرنے کا مقام ہے کہ ان دو شعروں کو مرزا کے شعر سے کیا نسبت ہے۔ علاوہ اور خوبیوں کے مرزا صاحب

کے شعر میں جو درد ہے وہ ان میں کہاں۔

اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

فرماتے ہیں کہ " دوچار ہونے سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ کبھی اس کی کسی سے جنگ ہوتی"۔ کیا خوب نکتہ پیدا کیا ہے۔

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

" یعنی ہم وہ آشفتہ سر تھے کہ کبھی اپنے سر و پا کا ہوش نہیں رہا اور یہ حالت کچھ آج نہیں بلکہ بچپن میں بھی ایسے ہی تھے کہ شوخی سے ہم نے مجنوں کے سر میں مارنے کو جب پتھر اٹھایا تب اپنا سر یاد آیا اور پھر وہ پتھر اپنے ہی سر میں مار لیا"۔ اپنے سر میں مار لینے کی ایک ہی رہی۔

کل کے لئے کر آج نہ خسّت شراب میں
یہ سوئے ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں

" کل سے مراد روز قیامت ہے کہتا ہے کہ روزِ قیامت کے خوف سے شراب میں خسّت نہ کر کیوں کہ اس سے ساقی کوثر کی شان میں سوئے ظن پیدا ہوتا ہے کہ اگر شراب بری ہوتی تو ساقیِ کوثر کو یہ کام کیوں سپرد ہوتا"۔ کیا خوب شرح فرمائی ہے۔ فاضل شارح کے یہ عجیب و غریب نکتے قابل داد ہیں۔

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی
ہیں کتنے بے حجاب کہ یوں ہیں حجاب میں

فرماتے ہیں کہ " شرم ایک ادائے معشوقانہ ہے کوئی نہ ہو تو خود ہی سے شرمانا چاہئے۔ وہ اگرچہ شرمائے ہوئے ہیں مگر حجاب سے بے حجاب ہونا بھی ایک امر خلاف شرم و ادائے معشوقانہ ہے" یہاں چاہئے کا لفظ خاص لطف رکھتا ہے۔ اور دوسرے مصرع کی جو شرح فرمائی ہے وہ انھیں کا حق ہے۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اس شعر میں غلطی سے تیزرو کی جگہہ راہ رو لکھا گیا ہے - اس شعر کی شرح ملاحظہ ہو - آخری جملہ قابل غور اور بہت پُرلطف ہے - فرماتے ہیں کہ "میں تلاش منزل مقصود میں سرگرداں اور دیوانہ ہو رہا ہوں - انتہا دیوانگی کی یہ ہے کہ اپنے راہبر کو بھی نہیں پہچانتا کہ کون مجھ کو میری منزل پر پہنچا دیگا - اس دیوانگی میں جس راہ رو کو تیز جاتا ہوا دیکھتا ہوں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی وہیں جا رہا ہے اور اسے بھی میری طرح جلد پہونچنے کے لئے اضطراب ہے - بس اسی خیال کی بنا پر اس کے ساتھ ہو لیتا ہوں کہ وہ کسی دوسری جگہہ جا رہا ہے اور اس کی منزل اور ہے تو پلٹ آتا ہوں کوئی اور تیز رو ملتا ہے پھر اس کے ساتھ ہو لیتا ہوں - یہ شعر گویا ایک تصویر دیوانگی ہے اور محاکات شاعری اسی کا نام ہے" - (بہت خوب)

اس کے بعد فاضل شارح نے شاعری اور مصوّری پر بحث فرمائی ہے اور دونوں کا مقابلہ کیا ہے - اس کے ضمن میں فرماتے ہیں " ان (مصوروں) کا یہ کمال مرئی اور مادی چیزوں تک منحصر اور محدود ہے - غیر مرئی چیزوں کی تصویر اگر مصوّر کھینچے گا تو بدقت کھینچے گا اور وہ بھی ایسی کہ جس کے دیکھنے سے اس کی حالت پر پورا پورا عبور غیر ممکن ہے - اس سے میری مراد جذبات ہیں - یعنی فرض کر لیجیئے کہ غصہ، تمکنت، غرور، سادگی، متانت - اُجڑے ہوئے کھنڈروں کے نقشے، ہرے بھرے باغوں کی سرسبزی اور رونق بہتے ہوئے چشمے کی روانی وغیرہ کو ایک چابک دست مصوّر کھینچ سکے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ غصہ، تمکنت، غرور، سادگی کے وجوہات، بھیانک جگہہ کے اسباب اور اُن کے اجڑ جانے کے اوقات، دریا کی روانی کے ساتھ اُس کے عمق وغیرہ کو کیونکر دکھا سکتا ہے"

اس آخری جملے میں جذبات کی کیا اچھی تشریح فرمائی ہے، اس بحث میں آگے چل کر فرماتے ہیں کہ " فردوسی افراسیاب کے غصّے اور غیرت، اس کے غرور، تمکنت، تکبّر، دلیری اپنے مقابلے پر دنیا کو ذلیل سمجھنے اور زمانے کے حیرت انگیز انقلاب کی یوں تصویر کھینچتا ہے -

زشیر شتر خوردن و سوسمار — عرب را بجائے رسید ست کار
کہ ملک عجم را کنند آرزو — تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو"

اس شرح سے یہ بالکل نئی بات معلوم ہوئی ہے کہ یہ اشعار افراسیاب کے جذبات کا خاکہ کھینچتے ہیں۔

غالب خدا کرے کہ سوار سمند ناز
دیکھوں علی بہادرِ عالی گہر کو میں

اس کی شرح میں تو فاضل شارح نے کمال ہی کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ " سوار سمندِ ناز سے مراد نازنیں علی بہادر یا تو کسی کا نام ہے جو مصنف کے دوستوں میں ہیں یا بہادر عالی گہر علی کی صفت ہے جس سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہیں "

غرض یہ شرح لطفِ سخن کے تمام اوصاف کے ساتھ سامان تفریح بھی ہے۔ صدیق بک ڈپو امین آباد لکھنؤ سے مفصلہ ذیل قیمت پر مل سکتی ہے۔ قسم اوّل بلا جلد ۳ مجلد للعہ قسم دوم بلا جلد عہ اور مجلد ہے تعداد صفحات ۲۱۴۔ آخر میں مرزا کے حالات اور اُن کی شاعری، حالات "طبعی" اور تصانیف پر پورے پونے دو صفحہ کا مضمون تحریر فرمایا ہے۔

تذکرۂ اعجازِ سخن ۔ یہ اُردو شعرا کا جدید تذکرہ ہے جس کے مولف جناب شیر علی خاں صاحب سرخوش ہیں۔ لیکن جس سلسلہ میں یہ کتاب داخل ہے اس کا عجیب و غریب نام ہے نہ معلوم کیا سمجھ کر یہ نام رکھا گیا ہے اور کتاب کس مناسبت سے اس سلسلے میں شایع کی گئی ہے بہر حال یہ " سلسلۂ ستم ظریف بک ڈپو " لاہور کی دوسری کتاب ہے۔ یہ کتاب میں نے بڑے شوق سے شروع سے آخر تک پڑھی۔ کیونکہ مولف نے پہلے ہی صفحہ سے بہانگ دہل ایک جدت کا اعلان کیا ہے اور آخر تک موقع بے موقع اس راگ کو الاپا ہے۔ اُن کی رائے ہے کہ اردو زبان نے پنجاب، میں جنم لیا ہے اور اس کے ثابت کرنے کی بہت کچھ کوشش کی ہے۔ یہ خیال پہلی بار ہمارے سننے میں نہیں آیا، بلکہ اس سے قبل بھی ہم بعض احباب سے سُن چکے ہیں اور کچھ عرصہ ہوا ایک صاحب " شیر پنجاب " کے کسی رسالے میں اس پر ایک مضمون بھی لکھا تھا مولف تذکرہ کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ شمالی ہند میں اوّل اوّل پنجاب ہی میں مسلمان آئے اور اُن کی حکومت قائم ہوئی اور ہندو مسلمانوں میں میل جول شروع ہوا اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد انھوں نے ہندی شعرا اور پرانے اساتذہ کے کلام میں سے بعض الفاظ چن چن کر بتائے ہیں جو پنجابی ہیں۔ چونکہ یہ الفاظ پنجابی زبان میں اب بھی مستعمل ہیں اس لئے اُن کی رائے میں اردو پنجاب سے نکلی اور اردو پنجابی ایک ہی زبان ہیں۔

پہلے یہ وہی زبان تھی جسے پنجابی کہتے ہیں ترقی کرتے کرتے اس کی شکل صورت بدل گئی اور پنجابی وہی پنجابی کی پنجابی رہی جو صدیوں پہلے تھی۔ یا مثلاً سورداس کے ہاں سے ساج (ساز) جہاج (جہاز) اور تلسی داس کے کلام سے گنی (غنی) اور گریب نواج (غریب نواز) کی مثالیں پیش کر کے یہ کہنا کہ یہ پنجابی لفظ ہیں۔ زبردستی کی بات ہے۔ یہ فارسی لفظ ہیں اور جب ہندی میں بولے یا لکھے جائیں گے تو لا محالہ ان کی یہی صورت ہو جائے گی۔ یہ استدلال درست نہیں۔ اصل یہ ہے کہ آریاؤں کی ایک شاخ کابل سے ہوتی ہوئی شمالی ہند پہنچی اور اسے آنے اور اور بسنے میں ایک مدت لگی۔ اور عرصہ دراز کے بعد ان کی زبان کو ادبی شان نصیب ہوئی۔ یہ زبان سنسکرت ہے جس کے معنی "شستہ" کے ہیں۔ لیکن یہ علما اور اہل انشا کی زبان تھی۔ عام لوگ بھی تو آخر کوئی زبان بولتے ہونگے اور اس وقت بھی اُن کی کوئی زبان ہو گی جب آریا اوّل اوّل اس ملک میں داخل ہوئے یا جب آریاؤں کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ یہ ممکن نہیں کہ آریاؤں کے قدوم کے ساتھ ہی ملک کی زبانیں یک لخت مٹ گئی ہوں وہی قدیم پراکرتیں تھیں، جن میں سے بعض کو علمی اور ادبی درجہ بھی حاصل ہوا۔ ان زبانوں میں بہت کچھ تغیر تبدل ہوا اور سنسکرت کا بھی اُن پر بہت اثر پڑا، لیکن اُن کی حیثیت قائم رہی۔ جو آریا کہ شمالی ہند میں آئے وہ اِنڈوایرین (ہند آریائی) کہلائے اور اُن کی زبان بھی اسی نام (ہند آریائی) سے موسوم ہوئے۔ یہی سنسکرت ہے اب آپ پراکرتوں کے اس آخری دور کا خیال کیجئے کہ ابھی جدید ہند آریائی زبانیں اس سے نکل کر پھولی پھلی نہیں تھیں اُن پراکرتوں کا نام اپ بھرانش (بگڑی ہوئی بولی) ہے اور یہی شمالی ہند کی جدید زبانوں یعنی ہندی، پنجابی مرہٹی وغیرہ کی اصل ہیں۔

اب ہندی کی کئی شاخیں ہیں راجستانی، پچھمی ہندی، پوربی اور بہاری۔ بلحاظ اصل کے پچھمی یا مغربی ہندی کا تعلق پنجابی سے بہت گہرا ہے اور وہ ہندی جو آج کل ادب وانشا میں کام آتی ہے اور اردو دونوں پچھمی یعنی مغربی ہندی کی شاخ سے نکلی ہیں اس لئے اردو کا تعلق پنجابی سے بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن محض الفاظ کی مماثلت سے یا ہندی مشترکہ الفاظ پیش کر کے یہ استدلال کرنا کہ اردو پنجابی سے نکلی ہے درست نہیں ہے۔ ورنہ اس دلیل پر تو مرہٹے اور گجراتی بھی یہ کہنے کو تیار ہو جائیں گے کہ اردو ہماری زبان سے نکلی ہے۔

مولف تذکرہ اردو مصنفوں اور مورخوں سے سخت ناراض ہیں کہ انھوں نے اس امر پر مطلق توجہ نہیں کی کہ اردو پنجابی الاصل زبان ہے اور اردو زبان کی تاریخ لکھتے وقت پنجابی کی اہمیت اور گہرے تعلق کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ سب سے زیادہ مورد الزام ان کی نظروں میں بیچارے مولوی محمد حسین آزاد مرحوم ہیں کہ وہ اتنی مدت پنجاب میں رہے اور پھر بھی اس حقیقت سے ناآشنا رہے۔ سچ ہے، این سعادت بزور بازو نیست۔ لیکن آزاد مرحوم یا دوسرے مصنفین کو تعصب یا طرفداری کا الزام دینا کس قدر ناانصافی ہے۔ آزاد مرحوم نے اپنی کتاب آبحیات اُس وقت لکھی جبکہ ہماری زبان میں ایسی باتوں کا چرچا تک نہ تھا اور بہت سی باتیں ایسی تھیں جو اس وقت تک تحقیق بھی نہ ہوئی تھیں۔ مرحوم نے باوجود اس کے کہ انگریزی اور دوسری یورپی زبانوں سے واقف نہ تھے جو کچھ کیا وہ بہت قابل قدر ہے۔ یہانتک کہ خود مولف تذکرہ اُن کے قدم بہ قدم چلنے پر فخر کرتے ہیں۔

بعض باتیں اس تذکرہ میں قابل مولف نے ایسی لکھی ہیں جو اُسی دیار کے لوگ لکھ سکتے ہیں اور جن پر جدت کا لفظ صحیح معنوں میں صادق آتا ہے۔ مثلاً وہ اس امر کے ثبوت میں کہ اردو نے پنجاب ہی میں جنم لیا ہے ایک زبردست دلیل پیش کرتے ہیں جو میں اُنھیں کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔ حقیقت میں قابل غور اور لائق مطالعہ ہے۔ فرماتے ہیں:

"اس کے علاوہ ایک سائنسی دلیل صوبہ پنجاب کے مردم خیز ہونے کی یہ ہے کہ انسان کی بہترین غذا گیہوں ہے جو ہمارے دماغ کو بیحد تقویت پہنچاتی ہے اور وہ اہل پنجاب کے روزمرہ استعمال کی چیز ہے غرض کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایک خاص مشرقی زبان جیسے کہ اُردو ہے اس ملک میں پیدا نہ ہوئی ہو۔ ہاں بیشک ہوئی ہے"!!

اللہ رے زور!!!

اب فرمائیے، ایسے ظالم کا کیا کرے کوئی؟ غرض شروع کے کوئی تیتیس ۳۳ صفحے انھوں نے اسی بحث کے نذر کر دئے ہیں۔ جس کا عنوان تاریخ زبان اُردو ہے اس کے بعد چند ورق شعر و شاعری کی حقیقت پر تحریر فرمائے ہیں اس میں اُنھوں نے چند شعر لکھے ہیں اور اُن کی خوبیاں بتائی ہیں۔ یہ تقریباً سب کے سب مولانا حالی کے مقدمے سے نقل کئے گئے ہیں۔ مثلاً پہلا شعر ہے "وقت پیری شباب کی باتیں + ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں" اس کے متعلق فرماتے ہیں "دیکھو اس شعر میں ایک قسم کی روانی یعنی وزن شعر بھی پایا جاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو

شعر شعر نہیں بلکہ نثر ہو جائے "۔ تخیل کے متعلق ایک انوکھا خیال ظاہر فرمایا ہے کہتے ہیں کہ " زبان انگریزی میں خیال کو امیجنیشن کہتے ہیں ۔ اس کے متعلق مولانا حالی نے اپنے مقدمہ شعر و شاعری میں بڑی بڑی بحثیں پیش کی ہیں کہ خیال کس طرح شعر پر اپنا اثر کرتا ہے ۔ مگر میری دانست میں خیالات صرف ہمارے محسوسات ہی کی توسیع کا دوسرا نام ہے اور ہماری تمام ذہنی کیفیات کی بنا حقیقت میں انھی حواس خمسہ پر ہے .... پس جو بات ہمارے حواس ہی سے خارج ہو مثلاً دیو دل پریوں وغیرہ کا وجود تو جو شاعری ان باتوں پر قائم کی جائے گی ۔ وہ بھی اصلیت سے بالکل دور ہوگی ۔ گویا کسی شعر کی اصلیت کی تصدیق ہمارے حواس خمسہ ہی سے ہونی چاہیے " جب شاعری کا دائرہ اس قدر محدود اور تنگ کر دیا جائے تو پھر آدمی بجائے شاعری کے بڑھئی کا کام کیوں نہ کرے جس کی تصدیق ہر وقت حواس خمسہ سے ہوتی رہے ۔

موضوع شاعری کے متعلق لکھتے ہیں کہ " اب شعر کا مدعا اور شعر گوئی کا موضوع وہ نہیں رہا ہے ..... بلحاظ موضوع شاعری ان میں تعلقات سے اپنا قدم کبھی باہر نہیں رکھ سکتی ۔ الوہیت ، حکومت اور حسن صورت " حسن صورت سے مطلب صرف مرد عورت کا حسن ہی مراد نہیں بلکہ " پہاڑ، دریا ، جزیرے ، آبشار ، باغ ۔ نہریں پھول اور مختلف قسم کے مناظر فطرت ہیں "۔ " لہذا حسن وعشق کے بجائے ہمارے شعرا کو آئندہ مناظر قدرت اور جذبات فطرت کی طرف متوجہ ہونا چاہیے "۔ شاعری کی تعریف طرح طرح سے کی گئی ہے ، کسی نے قوت خیال پر شعر کی بنیاد رکھی ہے ، کسی نے الفاظ کے حسن پر ، کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ کہا ہے ۔ مگر مؤلف تذکرہ کے خیال میں " یہ سب فن شعر کے اصول مفروضہ یا تھیوریاں ہیں ۔ پریکٹیکلی یعنی عملیۃً شعر گوئی کے لئے صرف سجیشن (Suggestion) کی بڑی ضرورت ہے ۔ یہ ایک انگریزی لغت ہے جس کے معنی شورٰی یا ایک بات سے دوسری بات کا احساس ہوتا ہے " اس کے بعد فرماتے ہیں کہ قدما کے لئے حسن وعشق کا ایک ایسا واحد جامع مضمون تھا کہ ان کو شعر گوئی اور سخنوری کے لئے کسی اور مضمون کے تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی ۔ حالانکہ ہمارے ہاں معاملہ برعکس ہے ۔ اب شعر و شاعری میں سب سے زیادہ وقت طلب امر انتخاب مضمون ہے " آگے چل کر انھوں نے سب سے بڑی اور خاص چیز شاعری کے لئے استفادہ کو قرار دیا ہے ۔ جس کی مثال انھوں نے یہ دی ہے کہ پہلے آبحیات لکھی گئی ۔ اس کے بعد اسی مضمون کو زیادہ تحقیق کے ساتھ حالی نے لکھا اور اس سے " مستفاد "

ہو کر شبلی نے موازنۂ انیس و دبیر اور شعر العجم میں حسن شعر کے متعلق بہت سے نکتے لکھے۔ یا سوفی کی نظم سے اکبر نے "مستفاد" ہو کر ایک نظم روانیٔ دریا کے عنوان سے لکھی۔ اور جب یہ نظم شہباز کی نظر سے گذری تو انھوں نے "مستفاد" ہو کر آب رواں کے عنوان سے ایک نظم تصنیف کی۔

بعض بعض رائیں عجب ہیں۔ کہتے ہیں کہ مبتدی شعرا یا دوسرے درجہ کے شاعر مصنفین کے لئے یہ ایک وسیع میدان ہے کہ وہ نظم الصبیان کی تصنیف میں طبع آزمائی کریں۔" حالانکہ بچوں کی نظمیں لکھنے کے لئے اعلیٰ درجہ کے شاعر کی ضرورت ہی۔ مبتدی سے اس کی توقع کرنا عبث ہی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قابل مؤلف شعر کی حقیقت سے کہاں تک واقف ہیں۔ ایک دوسری جگہہ فرماتے ہیں کہ "حیات جاوید میں سرسید کی بیوگرافی ایسی مکمل و مستند لکھی ہے کہ اگر اسی میں سرسید کے وہ خطوط جو بعد کو چھپے درج ہوتے تو اُردو میں انگریزی کی اعلیٰ سے اعلیٰ سوانح عمریوں کا نمونہ بنتی" محض ان خطوط کے درج کر دینے سے۔ کیا عجب بات ہی۔ ایک دوسری جگہہ لکھتے ہیں کہ "مولانا حالی نے دو مرثیے بھی لکھے ہیں۔ مرثیۂ غالب اور مرثیہ حکیم محمود خاں، یہ دونوں ان کے دیوان میں موجود ہیں۔ ان کے ساتھ چودہری خوشی محمد ناظر کا مرثیۂ سرسید احمد خاں بھی ملا لو، تو پھر ان تینوں مرثیوں سے "مستفاد" ہو کر اُردو میں بہتر سے بہتر سے دردناک مرثیہ تصنیف کرنا چنداں مشکل نہیں رہتا۔" اس خیال کا مولف نے کئی جگہہ اعادہ کیا ہے چنانچہ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ جو نمونہ مجموعہ کلام شبلی نے پیش کیا ہے اگر اسی قسم کی متعدد کتابیں اردو میں اور تصنیف کی جائیں تو پھر ہمیں بوستاں، سکندر نامہ، اور شاہنامہ جیسی کتابیں تصنیف کرنے میں کچھ دقت واقع نہ ہو۔ کیونکہ بوستاں اصل میں چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہی ہیں جو حکیم لقمان، شاہ پور یا حجاج بن یوسف وغیرہ ایسے مختلف شخصوں کی منظوم سیرتوں سے لبریز ہیں اسی طرح سکندر نامہ محض سکندر اعظم کی تاریخی داستان کو پھیلا پھیلا کر لکھ دیا گیا ہے۔ یا شاہنامہ میں رستم کے حالات و واقعات ہی نظم کئے گئے ہیں" کیا سہل نسخہ بتایا ہے اور ساتھ ہی چند الفاظ میں جو بوستاں سکندر نامے اور شاہنامے پر لاجواب تنقید فرمائی ہے۔ اس سے قابل مولف کا ذوق سلیم ظاہر ہوتا ہی۔ دوسرے ہی صفحہ پر پھر یہ ارشاد ہوا ہی کہ "اگر ہمارے غزل گو شعرا قافیہ پیمائی کو آیندہ ترک کر دیں اور اسی طرح ادبی رسائل کے شاعر نامہ نگار بھی کچھ تھوڑی سی مدت توجہ دے کر اپنے ملک یا قوم کی تمام اعلیٰ سیرتوں اور کیرکٹروں کو نظم کر ڈالیں تو اسی ادنی ابتدا سے پھر

ہمارے ہاں اردو میں بھی راماین، مہابھارت۔ ہومر کا الیڈ اور فردوسی کا شاہنامہ وغیرہ ایسی ضخیم کتابیں نظم میں موجود ہو جائیں"۔ گویا راماین، مہابھارت، اور الیڈ کی بڑی خوبی یہ ہو کہ وہ منظوم ہیں اور ضخیم ہیں۔ امید ہے کہ ہماری غزل گو شعرا اور رسالوں کے شاعر نامہ نگار ضرور اس قابل قدر مشورے پر عمل کریں گے۔

مولانا شبلی کے کلام پر جو تنقید فرمائی گئی ہے وہ بھی خاص توجہ اور قدر کے لائق ہے امید ہو کہ اردو کلام کے نقاد اس سے ضرور "مستفاد" ہوں گے۔ فرماتے ہیں کہ" وہ دراصل ایک جبلّی شاعر نہ تھے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے مگر ایک طرف اسلامی تاریخ اور مشاہیر اسلام کی سیرتوں کا مطالعہ اور دوسری طرف شعر فہمی اور ہر قسم کے اردو فارسی نظموں کے حسن و قبح کی تحقیق کے جذبے نے جو بعد کو موازنۂ انیس و دبیر اور شعرالعجم میں اپنا رنگ دکھانے لگا، انھی دو اتفاقی باتوں نے مولانا کو شاعری کے دائرہ میں لاڈالا"۔ آگے چل کر لکھتے ہیں" آپ کے عام حالات زندگی اور طریق بود و ماند سے صاف واضح ہوتا ہے کہ آپ ہرگز شاعر بننا نہیں چاہتے تھے یا اس طرف ان کی دلی توجہ مطلق نہ تھی بایں ہمہ جو نظمیں مولانا شبلی نے اپنی یادگار چھوڑی ہیں وہ ان شعرا کے لئے جو قومی روایات یا بعض ملکی مسائل سادہ طور پر نظم کرنا چاہیں ایک اچھا نمونہ ہیں"۔ ایک دوسری جگہ اُن کے اردو کلام کی داد ان الفاظ میں دی ہو" اُردو میں ان کا ایک مجموعۂ کلام اور اپنے بڑے بھائی کا ایک دردناک مرثیہ ہے۔ جن کو مولانا نے اپنا خاص رجحان طبیعت اور اپنی قوت نظم اچھی طرح دیکھ بھال کر لکھا ہے ایک دوسرے مقام پر مولانا کے متعلق فرمایا ہو کہ" مولانا شبلی نے موازنۂ انیس و دبیر میں جمہور شعرا کے خلاف دبیر کو ایک مبتذل شاعر ثابت کرنے کی بہت کوشش کی تھی مگر ناکام رہے" معلوم نہیں یہ رائے انھوں نے کہاں سے قائم کرلی۔

امیر خسرو کا اردو کیا ہندی کلام بھی باوجود تلاش کے اب تک دستیاب نہیں ہوا اور جو پہیلیاں وغیرہ اُن سے منسوب کی جاتی ہیں اُن کے متعلق بھی صحیح طور سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں کونسی ان کی ہو اور کونسی الحاقی ہیں مگر قابل مولف نے اس مشکل کو کس خوبی سے حل فرمایا ہے۔ کہتے ہیں کہ" زمانے نے خسرو کا وہ اردو کلام جو عوام کی عقل و فہم سے کچھ بالا تھا، بالکل معدوم کردیا" مولف کی تحریر سے امیر خسرو کی نسبت ایک اور نئی بات معلوم ہوئی ہے" امیر خسرو کے عہد سے پہلے زبان اردو کبھی بول چال کی حد سے آگے نہیں بڑھی لہذا اس نے جو کام کیا وہ کرنیل گلکرسٹ (جس کو حکومت نے بیسیوں اسسٹنٹ اور مدد معاون بھی دے رکھے تھے)

کی ادبی کارگزاریوں سے زیادہ سخت مشکل تھا۔ مثلاً اس کو ادنیٰ ادنیٰ ڈھکوسلوں اور نملوں سے لے کر اس وقت کے لحاظ سے بہت اعلیٰ درجہ کی غزلوں تک خود تصنیف کرنی پڑیں تاکہ یہ زبان علمی حیثیت سے ملک میں رائج ہو جائے۔" کاش وہ اپنے انتخاب میں اردو کی اُن اعلیٰ درجہ کی غزلوں میں سے ایک آدھ ہی نقل فرما دیتے۔

ایک دوسری بات جو تاریخی لحاظ سے خاص وقعت رکھتی ہے یہ تحریر فرمائی ہے کہ "قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے خلجیوں اور تغلقوں کے زمانۂ حکومت میں امیر خسرو کو سرکاری طور پر اس زبان کی ترویج کے لئے بعض درسی کتابیں مثلاً خالق باری وغیرہ تالیف کرنے کا حکم ہوا اور اس نے اس کتاب کے علاوہ غزلیں، گیت، دوہرے، انمل دو سخنے اور پہیلیاں وغیرہ بھی خاص اسی غرض سے تصنیف کی تھیں۔" فاضل مؤلف نے خلجی اور تغلق بادشاہوں کو غالباً پنجاب کا کرنل ہالرائڈ سمجھا ہے۔

شعرا اور شاعری کے متعلق آپ کی کچھ رائیں درج ہو چکی ہیں لیکن نمونے کے طور پر دو رائیں اور درج کی جاتی ہیں۔ ناسخ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "شاعری حقیقت میں قافیہ پیمائی نہیں ہے بلکہ استعارہ و تشبیہ وغیرہ کے زور سے ایک معمولی سی بات کو لطیف اور خوش گوار بنا دینا ہے اور یہ بات ناسخ کے کلام میں ہر جگہ واضح پائی جاتی ہے۔"

دوسری رائے ملاحظہ فرمائیے "مولانا حالی، مجروح اور سالک دہلوی نے جو مرثیے (مرزا غالب کے) لکھے ہیں وہ تینوں بے نظیر اور بے مثل ہیں اور مرزا غالب کی دلی تمنا کو پورا کرتے ہیں۔" حالانکہ مجروح و سالک کے مرثیوں کو مولانا حالی کے مرثیے سے کیا نسبت ہے۔ مؤلف کا ذوقِ سخن عجیب قسم کا ہے وہ ہر شاعر کو جو غزل کے علاوہ کسی مضمون پر تک بندی کر سکتا ہے اعلیٰ درجے کا شاعر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ جہاں اُنھوں نے اُن شعرا کے نام گنوائے ہیں جن کا کلام ہر ادنیٰ اور اعلیٰ شاعر کے لئے رہنمائی کا کام دیتا ہے وہاں اُنھوں نے اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ اُن سب شاعروں کے نام بلا تکلف لکھ دیئے ہیں جو غزل کے علاوہ دوسرے مضامین بھی نظم کر سکتے ہیں۔ ان کو وہ "نیچرل گو" شعرا کا خطاب عطا فرماتے ہیں۔

مؤلف نے بار بار شعرا کو یہ ہدایت کی ہے کہ انھیں گرد و پیش کے حالات و واقعات سے "مستفاد" ہو کر قومی، تاریخی اور نیچرل مضامین پر نظمیں لکھنی چاہییں اور تاریخی واقعات و روایات کو نظم کرنا چاہیئے۔ لیکن اُنھوں نے ایک عالم بے عمل کی طرح محض زبانی نصیحت ہی نہیں کی بلکہ شعرائے زمانۂ حال پر رحم کھا کر یا ذوقِ سخن سے بے تاب ہو کر

نمونے کے طور پر اپنا ایک قطعہ بھی پیش کیا ہے جسے حضرت سرخوش (مولف تذکرہ) کا خلاصۂ کلام کہنا چاہیئے۔ میں باوجود اس طوالت کے اس کی نقل کرنے پر مجبور ہوں۔ امید ہے کہ ناظرین کرام مجھے معاف فرمائیں گے اور کچھ تعجب نہیں کہ پڑھنے کے بعد وہ اس قدر محظوظ ہوں کہ میرا شکریہ ادا کریں۔ قطعہ یہ ہے۔

شاہ وگدا

مبتلا ایک مرض میں ہوا شاہِ اسپین
سب یہ کہتے تھے کہ اب جینا ہوا اس کا محال

تھا خلل معدے میں سینے پہ خلش تھی پیہم
دل گھٹا جاتا تھا جتنی کہ بڑھی اس کی ملال

ڈاکٹر جمع ہوئے سب شہر کے بلوائے حکیم
سب نے دکھلائے جو اس فن میں وہ رکھتے تھے کمال

نہ ہوا جب کہ طبیبوں کی دواؤں کا اثر
جوتشی آئے وہاں، آئے نجومی، رمّال

عمر ہے شاہ کی کتنی ابھی دیکھو باقی
اہلِ تنجیم سے دربار نے پوچھا یہ سوال

متفق ہو کے کہا سب نے نہیں شاہ کو مرض
نہ کوئی عارضہ، ہم دیکھ چکے اس کی فال

دیو غم ہے کوئی سینے پہ چڑھا اس کے مگر
ہو گئی جس سے بہت اس کی طبیعت نڈھال

اہلِ دربار نے پھر پوچھا کہ کیا اس کا علاج
دیو غم کس طرح ہو سینے کا اس کے پامال

سب نے مل کر کہا اس درد کا ہے چارہ ایک
سب کتابوں میں لکھا اپنی یہی ہے احوال

واسطے شاہ کے اس شخص کا لے آؤ قمیص
نہ ہوا جس کو کبھی درد و غم و رنج و ملال

کی تلاش اس کی تو اک پایا فقیرِ آزاد
غم و غصہ کا تھا دل کو کبھی جس کے نہ خیال

پر نہ تھا تن پہ قمیص اس کے نہ کرتہ کوئی
خوش تھا وہ ننگا منگا۔ یونہی رہتا تھا نہال

الغرض صدمے ہیں شاہوں کو بھی درپیش یہاں
مال و دولت سے نہیں جاتا کبھی دل کا وبال

یہ بھی خیال رہے کہ مولانا حالی کے بعض قطعات کے ساتھ اسے درج کیا گیا ہے۔ اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا۔ اگر حضرت سرخوش اپنے کلام کا مجموعہ شائع فرمادیں تو یہ شعرا کے لئے شمع ہدایت کا کام دے گا۔ اگر شاعری یہی ہے تو وائے بر شاعری۔ اس تذکرے کا "جزو ثالث" "انتخابِ کلام مشاہیر شعرائے اُردو قدیم مع تذکرہ و تبصرہ موسوم بہ بیاضِ سرخوش"، ہے جو کل کتاب کے دو تہائی حصے سے بھی زیادہ ہے۔ اُن کی مختلف رایوں اور اُن کے قطعہ سے اُن کے ذوقِ سخن کا ایک حد تک اندازہ ہو چکا ہے۔ انتخابِ کلام سے اس میں اور مدد ملے گی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ غزل کو

اس قدر حقیر سمجھتے ہیں کہ اسے قابل انتخاب خیال نہیں کرتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "غرض جذبات فطرت، نیچرل و قومی اشعار اور عام اخلاقی و ملکی نظمیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ ادب اُردو میں دستیاب ہو سکتی ہیں وہ سب اس بیاض میں جمع کی گئی ہیں۔ اگرچہ اس قسم کی مفید نظموں کا ایک وسیع انتخاب علی گڑھ سے بھی شائع ہو چکا ہے مگر اس میں بعض بعض عامیانہ خیال کی نظموں کو بھی کتاب کا حجم بڑھانے کے لئے جگہ دی گئی ہے۔ حالانکہ موجودہ (یعنی مولف کے۔ اڈیٹر) انتخاب میں ہر ایک شاعر کی صرف دو ایک ایسی نظمیں منتخب ہو کر درج ہونگی کہ اُن سے بہتر اس شاعر کے دیوان یا مجموعۂ تصنیف میں یا اس کے قلم سے کبھی نکلی ہی نہوں" اب اس انتخاب کی خود ہی مثال دے کر تشریح بھی فرما دی ہے۔ جس کے ہم بہت ممنون ہیں۔ ملاحظہ ہو "مثلاً ذوق اور غالب کی اچھی سی اچھی غزلیں عام تذکروں میں قلمبند کی گئی ہیں مگر میری ذاتی رائے ہے کہ اگرچہ غزل میں ذوق اور غالب کے برابر یا اُن کے کچھ قریب قریب حال کے شعرا نے بھی غزلیں کہہ ڈالی لیکن جو سہرا پہلے مرزا غالب نے کہا اور پھر اس کی تقلید ذوق نے کی، باوجودیکہ صدہا شعرا نے اس بارے میں بہت سعی و کوشش بھی کی ہے مگر ویسے سہرے پھر کبھی تصنیف نہیں ہوئے۔ لہٰذا اس بیاض میں صرف ایسے ہی نادرالوجود مگر مفید اشعار انتخاب ہو کر درج کئے جائیں گے جیسے یہ سہرے" اس کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور حقیقت یہ ہے کہ فاضل مؤلف نے اپنے اس قول پر پورا عمل کیا ہے۔ مثلاً خواجہ میر درد کے کلام میں سے صرف تین اُردو اور چار فارسی رباعیاں انتخاب فرمائی ہیں۔ میر تقی میر کی صرف ایک مثنوی "جھوٹ کی مذمت" انتخاب کی گئی ہے جو میر صاحب کے ادنیٰ کلام میں سے ہے۔ انشا کے ہاں سے مثنوی "درہجو زنبور" مثنوی درہجو کھٹمل، مچھروں کی شکایت پسند فرمائی گئی ہے ناسخ کے کلام میں سے ایک غزل لکھنؤ کی تعریف میں درج کی گئی ہے۔ شاید اس خیال سے کہ مسلسل ہے اور عشقیہ نہیں۔ البتہ آتش پر خاص عنایت ہے کہ ان کی غزلوں میں سے مختلف اشعار انتخاب فرمائے گئے ہیں۔ غالب کے کلام میں سے علاوہ سہرے کے جکنی ڈلی کی تعریف بھی درج کی گئی ہے محض اس خیال سے کہ ایک خاص مضمون پر مسلسل غزل ہے کیا نظرِ انتخاب ہے اور اس کے بعد آم کا منظوم خط جو انھوں نے نواب علاءالدین خاں مرحوم کو بطور تفنن کے لکھا تھا اور اس کا منظوم جواب بھی منتخب فرمایا گیا ہے۔ ایسے انتخاب پر بے اختیار لاحول بھیجنے کو جی چاہتا ہے۔ مومن کے ہاں سے کچھ انتخاب نہیں کیا گیا۔ اکبر کے وہ بہت مداح ہیں اور اس مداحی پر روانیِ دریا کی نظم منتخب فرمائی ہے اور ایک مشہور قطعہ جو پردہ پر ہے اس سے ناظرین اُن کے ذوقِ سخن اور انتخاب کا اندازہ فرما سکتے ہیں۔

ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ قابل مؤلف کا فہم عالی مرزا غالب کے کلام کی خوبیوں کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ وہ اُن کی شوخی، ظرافت آزادہ روی اور تخیل کی بلند پروازی کو کسی اور ہی بات پر محمول کرتے ہیں اور اُن کی سیرت پر

اُنھوں نے ایسے رکیک اور عامیانہ حملے کئے ہیں کہ جیسے کوئی کسی بازاری معمولی آدمی پر کرتا ہے جن کے ذکر سے ہم اپنا قلم آلودہ کرنا نہیں چاہتے۔

تذکرے میں کہیں کہیں تاریخی غلطیاں بھی ہوگئی ہیں۔ مثلاً مولانا شبلی کے انتقال کی نسبت لکھا ہے کہ "مولانا شبلی نے یورپ، مصر اور شام وغیرہ کا بھی سفر کیا تھا مگر کشمیر میں سیر کرنے کو گئے تھے کہ بخار چڑھا اور وہاں ۵ راگست ۱۹۱۴ء کو رحلت پا گئے"۔ یہ سراسر غلط ہے۔ بیدل کو دہلوی لکھا ہے حالانکہ وہ پٹنہ عظیم آباد کے رہنے والے تھے۔ چہار درویش اور باغ و بہار دو جدا کتابیں سمجھ لی گئی ہیں۔ یہ ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں۔

غرض کہاں تک لکھوں کتاب کیا ہے ایک سمندر ہے۔ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ قابل مؤلف کی نظر بہت وسیع ہے، اردو زبان، اس کی تاریخ اور ادب، شاعری، لغت، صرف و نحو، معانی و بیان وغیرہ پر جس قدر کتابیں اب تک لکھی گئی ہیں کوئی اُن سے نہیں بچی۔ قدیم و جدید شعرا کا تمام کلام اُن کی نظر سے گزر چکا ہے چشم بد دور خود بھی شاعر ہیں۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ ذوقِ سلیم ہزار ہا دفتر پڑھنے کے بعد بھی نصیب نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس تذکرے میں اعلیٰ سے اعلیٰ رائوں کے ساتھ ادنیٰ سے ادنیٰ مضحکہ خیز خیالات اس طرح ملا کر رکھ دیئے ہیں کہ ذوقِ صحیح پر گراں گزرتا ہے۔ اور کتاب کے طرز تحریر نے اُسے اور ناگوار اور گراں کر دیا ہے۔ ابتدا میں مجھے تعجب ہوا تھا کہ یہ کتاب "سلسلہ ستم ظریف" میں کیوں داخل کی گئی لیکن کتاب ختم کرنے کے بعد ثابت ہوا کہ بے شک وہ اسی سلسلے کے لائق تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ قابل مؤلف سے بڑھکر کوئی ستم ظریف نہیں ہو سکتا۔

قابل مؤلف نے دیباچے میں تحریر فرمایا ہے "اُمید ہے کہ میری یہ ناچیز کوششیں رائگاں نہیں جائیں گی۔ اور اس تذکرہ کی بعض جدت طرازیوں کی محض وسعتِ ادب کی نگاہ سے ضرور قدر کی جائے گی"۔ ہم اس دعا و آرزو میں ان کے ساتھ شریک ہیں اور ساتھ ہی ناظرین کو یہ خوش خبری سناتے ہیں کہ اس کا دوسرا حصہ بھی عنقریب شائع ہونے والا ہے۔

لکھائی چھپائی کچھ اچھی نہیں۔ تقطیع چھوٹی تعداد صفحات ۳۴۴ قیمت دو روپے آٹھ آنے (عـہ ۸ر)

ستم ظریف بک ڈپو، لاہور سے مل سکتی ہے۔

بزمِ اُردو

اُردو نظم ونثر کا یہ ایک جدید انتخاب ہے جس کے مرتب کرنے والے حکیم الدین احمد عارف صاحب حیدر آبادی ہیں۔ رائج الوقت درسی کتب کے برخلاف اس کتاب کے انتخابات میں ایک خاص ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے، اور نظم ونثر کے حصوں کو سات ابواب مثلاً وطنیت، پیغامِ عمل، آدابِ اخلاق وغیرہ پر تقسیم کرکے ہر ایک کے ذیل میں پانچ پانچ مضامین دیے گئے ہیں۔

متاخرین کے ساتھ ہی ساتھ دورِ حاضر کے ممتاز اہلِ قلم کے مضامین کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ چنانچہ سرسیدؔ اور ڈپٹی نذیر احمدؔ کے مضامین کے دوش بدوش مولوی سید سلیمانِ ندوی اور مولوی وحید الدین سلیمؔ کے مضامین بھی نظر آتے ہیں۔ حصہ نظم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ غزلوں کو بالکل جگہ نہیں دی گئی، بلکہ جتنی نظمیں ہیں سب مسلسل اور مستقل عنوانات پر ہیں۔ اس حیثیت سے اس انتخاب کو اپنے پیشرووں پر ضرور کچھ نہ کچھ فوقیت حاصل ہے۔ مؤلف صاحب اس کتاب کو جماعت مڈل کے طلبا کے لیے تجویز کرتے ہیں ہماری رائے میں یہ اُس جماعت کے لیے ضرورت سے زیادہ مشکل، اور کسی قدر غیر موزوں بھی ہے۔ جماعتہائے وسطانیہ کے لیے اُردو کی درسی کتب کا منشا، اعلیٰ ادبی ذوق پیدا کرنے کی بجائے، صحیح انشا پردازی وتقریر کی قدرت ہونا چاہیے۔ اور اس غرض کو پورا کرنے کے لیے نصاب میں، نظم ونثر کے آسان اور مشکل نمونوں کے تمام درمیانی مدارج تدریج شامل کرنے چاہئیں۔

تاریخ اُردو، مروجہ تعلیم، مقصدِ حیات، علمائے سلف، یہ ایسے مضامین ہیں جو طلبا کی استعداد سے بالاتر ہیں۔ کتاب کی ترتیب ادبی حیثیت ضرور رکھتی ہے، لیکن تعلیمی ضرورتوں کو کچھ زیادہ پورا نہیں کرتی، اخلاقی مضامین کے مفید ہونے سے کون انکار کرسکتا ہے، لیکن طلبا کے خیالات کا ساتھ دینا بھی ضروری ہے۔

اس کتاب کے حصہ مکتوبات کے متعلق ہم صرف اسی قدر کہیں گے کہ ایسے خطوط کو جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے خانگی، اور بہت کچھ تلمیح طلب ہوں حتی الوسع خارج کردینا چاہیے۔ مثلاً حسن نظامی صاحب کا خط بنام محمود فاطمہ ماہ بانو کے نام طلبا کے لیے زیادہ دلچسپ نہیں ہوسکتا، چائے خانم، اور یہاں بہت یاد آتا ہے۔ یہ اشارات اُن کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ مکتوبات خواہ فرضی ہوں یا اصلی، ایسے ہوں جو خط کے ذریعہ سے ادائے مطلب کا طریقہ سکھا سکیں۔ اسی طرح سے حصہ نظم میں حضرت اکبر مرحوم کی مشہور نظم "کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے"

کو تمام تر شریک کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا، اسی طرح سے مرحوم کے دوسرے ظرافت آمیز اشعار بھی مثلاً "رنگ گورے کا ہیٹ سونے کی" نصاب کے لیے کچھ زیادہ موزوں نہیں ہیں۔

کتاب چھوٹی تقطیع پر ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب کچھ اچھا ہے، مطبع نظام دکن واقع بازار عیسیٰ میاں سے ۶؍ میں مل سکتی ہے۔

انجامِ زندگی یہ ایک ۲۴۶ صفحہ کا افسانہ ہے جو مسلسل تمدن دہلی میں شائع ہوتا رہا اور اب کتاب کی شکل میں ظاہر ہوا ہے، اس کی لکھنے والی "الم رقم" جنابہ ضیاء بانو صاحبہ ہیں کتاب میں تین لڑکیوں کی ازدواجی زندگی بیان کی گئی ہے اور چونکہ ایک کو دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے اسے تین افسانوں کا مجموعہ کہنا زیادہ مناسب ہوتا۔

پہلی لڑکی صغیرہ ان بدقسمت ہستیوں میں سے ہے جو والدین کی مصلحتوں پر قربان کر دی جاتی ہیں۔ اس کا نکاح ایک ساٹھ سال کے مرد رحمت علی نامی سے ہوا ہے جو رشتہ میں لڑکی کا چچا بھی ہوتا ہے۔

دوسری لڑکی بلقیس کی شادی ایک ہونہار گریجویٹ محمد تقی کے ساتھ ہوئی ہے اس کی زندگی ویسی ہی ہے جیسی کہ اوسط درجہ کے خوشحال گھرانوں کی ہوا کرتی ہے۔

تیسری لڑکی زمرد اُن لڑکیوں کے نمونہ کے طور پر لی گئی ہے جو اپنی بدسلیقگی سے نہ صرف اپنے شوہروں کو ناراض کرتی ہیں بلکہ اُن کی بدکاری کا سبب بھی بنتی ہیں۔

کتاب میں باوجود تلاش کیے، پلاٹ کی کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ ایک ہی کتاب میں تین قصوں کا لکھنا، اور وہ بھی اس طرح سے کہ پہلے باب میں پہلی لڑکی کا قصہ، دوسرے میں دوسری کا اور تیسرے میں تیسری لڑکی کا وعلیٰ ہذا نہ صرف پڑھنے والوں کے لیے باعث زحمت ہے جنھیں باب تلاش کر کے تسلسل قائم رکھنا پڑتا ہے، بلکہ اس کی وجہ سے خود مصنفہ ربط کو قائم نہ رکھ سکی ہیں۔ صـ۳ پر زمرد کی شادی "نثار حسین صاحب کے لڑکے" سے ہوتی ہے، لیکن اُس کے بعد ہر موقعہ پر زمرد کے شوہر کا نام نثار حسین نظر آتا ہے، بلکہ صـ۱۴۵ پر تو بلقیس کے شوہر کا نام بھی محمد تقی کی بجائے نثار حسین ہی ہو گیا ہے۔ زمرد کے لڑکے حمید کا ذکر کتاب میں اس وقت آیا ہے جب کہ اس کا شوہر اُسے طلاق دے چکا ہے، اس لڑکے کی عمر پانچ سال بتلائی گئی ہے، تینوں لڑکیوں کی شادیاں ایک ہی سال ہوئی ہیں، صغیرہ

۲ سال میں بیوہ ہو جاتی ہے۔ اس مدت میں زمرد کے لڑکے کا چار پانچ سال کا ہو جانا، اور بلقیس کی شادی کو "پانچ سال گزرنا" تعجبات سے ہے! صفحہ پر رحمت علی کی دو مرحومہ بیویوں سے تین اولادیں دکھائی گئی ہیں، لیکن صفحہ پر صغیرہ کی ۴ سوتیلی اولادوں کا تذکرہ ہے!

یہ کتاب لڑکیوں کے لیے لکھی گئی ہے، اور چاہیئے تھا کہ اخلاق و تہذیب کا کوئی پہلو ہاتھ سے نہ دیا جاتا، لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس تصنیف کا دامن متعدد اخلاقی دھبوں سے بھرا ہوا ہے اور ایسی عبارتیں درج کی گئیں جو اپنی انتہائی بداخلاقی کی وجہ سے خلاف قیاس نظر آتی ہیں۔ ہم چند مثالیں دیتے ہیں۔

(۱) رحمت علی کی "دو داشتہ عورتوں" کا تذکرہ نہایت آزادی کے ساتھ کیا گیا ہے، اور اس کی "رنڈی بازی" کا بھی ذکر کیا گیا ہے، ہمارے تعجب کی اس وقت کوئی انتہا نہیں رہتی جب ہم یہ غور کرتے ہیں کہ یہ صاحب ۶۰ سال کے بزرگ اور دائم المرض ہیں۔ اسی طرح سے "چاوڑی بازار" کا ذکر بھی کیا گیا ہے، اور وہ بھی تلمیح طلب پیرایہ میں!

. . . .

(۲) صغیرہ کی سوتیلی لڑکی جو رشتہ میں اس کی چچازاد بہن بھی ہوتی ہے اپنے باپ کی شادی کے متعلق یوں رائے زنی کرتی ہے۔

"آپا کو کوئی اور نہ جڑتا تھا تو چچا رحمت علی! پر کیوں نظر ڈالی، باپ ہی سے نہ کر لیا"!!

(۳) صغیرہ کا خسر جو اس کے دادا کا بڑا بھائی بھی ہے اپنی بہو کی کسی تقریب میں جانے کے خلاف یوں گہر افشانی کرتا ہے:-

دیدہ ہوائی ہو گیا ہے، دادا کی ڈاڑھی پکڑ کر کہدیا ہوتا کہ میرا نکاح نہ کرو، میرے لیے تو کوئی کوٹھا لے دو۔

واضح رہے کہ یہ اس "معزز سوداگر" کی گفتگو ہے جس کا ایک ۶۰ برس کا لڑکا ہنوز بقید حیات ہے، اور یہ گفتگو حقیقی چھوٹے بھائی کی پوتی کے ساتھ ہو رہی ہے!

(۴) بلقیس کی ماں (جو ایک اوسط درجہ کے سرکاری عہدہ دار کی بیوی ہے) اپنی اس بیاہی ہوئی بیٹی کو ہنوز چالوں کی دلہن ہے" یہ قیمتی نصیحت کرتی ہے:-

"بیٹا! یہ مرد کسی کے نہیں ہوتے۔ ان کے چاؤ چونچلوں پر اعتبار نہ کرنا . . . .

اگر میاں سے بے تکلف ہوگئیں تو ناکوں چنے چبوا دے گا .... تمہارے ابا اور سب لوگ کہتے ہیں کہ لڑکا بڑا پارسا ہے، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کمائی کہاں جاتی ہے" یہ پوری گفتگو، اور بالخصوص آخر کا معنی خیز کنایہ جس پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے، ایک ماں کے منہ سے کس قدر اچھا معلوم ہوتا ہے۔

(۵) صغیرہ بیوہ ہو چکی ہے، اور میکے میں ہے، ایک دن اُسے چپکے چپکے روتے دیکھ کر حقیقی دادی یوں گویا ہوتی ہے:۔

"لکھے کی پوری، کرموں کی پھوٹی! اچھے تقدیر کی ہوتی تو میاں کو کیوں کھا جاتی ...... خدا خیر کرے یہ ڈاین تو اس گھر کو کھائے بغیر نہ رہے گی"۔

یہ سب مثالیں ہندوستانی اخلاق اور معاشرت کی کیسی شگفتہ تصویریں ہیں! جن لوگوں نے "لڑکیوں کی انشاء" کا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات کا انصاف کریں گے کہ "الم رقم" صاحبہ نے "مصورِ غم" صاحب کی تحریرات سے کہاں تک فیض حاصل کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسی ہی کتابوں کو دیکھ کر بجائے افسوس کے خوشی ہوتی ہے کہ ہمارا ادب دوسری زبانوں میں منتقل نہیں ہوتا۔

کتاب میں خلاف فطرت واقعات کی بھی کوئی کمی نہیں ہے تسکین وتشفی، راہ راست پر لانا، بُرا انجام دکھانا، ان سب کا واحد ذریعہ خواب ہے، ہر الم موقعہ پر خواب میں ایک پیر مرد نظر آتے ہیں، اور تلقین کرتے ہیں ذیل میں کتاب کے صـ۵۹ سے تھوڑی سی عبارت نقل کی جاتی ہے، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس روشن خیالی کے زمانہ میں اوہام پرستی کے سوا اور کوئی نام لے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؛۔

"ایک دن کا ذکر ہے کہ سارا گھر بیٹھا ہوا ہے مزے مزے کی باتیں ہو رہی ہیں، باہر کے دروازے کی چٹخنی آپ ہی آپ کھل گئی اور ایک کفن پوش شخص اندر داخل ہوا۔ اس نے صغیرہ کے باپ، ماں، دادی نانی سب کو خطاب کر کے کہا "صغیرہ مظلوم صغیرہ کا خون تمہاری گردن پر ہے .... یہ الفاظ کہکر یہ کفن پوش روح رخصت ہوگئی، یہ بات معمولی نہ تھی، اس نے سب کو پریشان کر دیا"۔

کتاب کی زبان اور انشار کے چند نمونے درج کیے جاتے ہیں، "مصورِ غم علامہ راشد الخیری کی تحریرات کی فریفتہ" خاتون سے ان غلطیوں کا سرزد ہونا تعجب ہے۔ اس امر کا فیصلہ ہم ناظرین کی رائے پر چھوڑتے دیتے ہیں کہ ان غلطیوں میں بیچارے کاتب کا کہاں تک حصہ ہے :۔

"تمہاری ساس تمہارے شوہر کی ماں ہے، اُس کا اس گھر پر بڑا زور ہے"

....

"ماناکہ تمہارے ذمہ چار کی تیاری نہیں پھر بھی تمہارے اس کام میں ہاتھ لگ جانے سے خاوند کی اسیری کے لیے ایک ضمانت ہے"۔

....

"سچے سچ" "تومار" "دم دھانسا" "شعلہ لگا" "کنگھی رکھا ہوا ہے" "میاں کھانے سے فراغت ہوئے" "کچوکے" (کچوکے)، "جہیز بھی ملکیت قرار دی جاکر تقسیم ہو جائے" "روتے روتے آنکھیں سجھالیں" "عزیز و آقارب" "تور کی آواز" "صور" وغیرہ وغیرہ۔

سب سے آخر میں ایک ضروری عرض کتاب کے نام کے متعلق بھی کرنا ہے، اس کتاب کا نام انجام زندگی ہے، جو اس میں شک نہیں کہ "صبح زندگی" "شام زندگی" "نوحہ زندگی" "شب زندگی" کے ساتھ نسبت معنوی رکھتا ہوا ضرور معلوم ہوتا ہے۔ لیکن نفس کتاب سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا بلکہ "سمرنا کے چاند" کی طرح "انجام زندگی" بھی کتاب کے آخر میں صرف مصنفہ کی اس دعا میں نظر آتا ہے؛

"خدا سب کو اور مجھے نیک اور کامیاب زندگی بسر کرنے کی توفیق دے اور زندگی کا انجام اچھا ہو"

کیا اچھا ہو اگر ہماری تعلیم یافتہ خواتین اپنے صحیح ادبی ذوق کو بے جا تقلید کی نذر نہ کر دیں بلکہ تقلید و تتبع میں بھی امتیاز و تنقید کا پہلو ہاتھ سے نہ دیں۔ ملک میں زنانہ انشا پردازی کے بہتر سے بہتر نمونے موجود ہیں، محترمہ محمدی بیگم صاحبہ مرحومہ، بیگم صفدر علی صاحبہ، بنت نذر الباقر صاحبہ ان سب معزز خواتین کے افسانے موجود ہیں۔ کیوں نہ اُن سے فائدہ اُٹھایا جائے، اور انھیں اپنی ابتدائی کوششوں کا نصب العین بنایا جائے۔ کتاب کی قیمت ۸ر ہے۔

پتہ ذیل پر مل سکتی ہے۔ کمال بک ڈپو، مٹیا محل۔ دہلی۔

دیوانِ درد (اُردو)

خواجہ میر درد۔ کا کلام خاص انداز رکھتا ہے۔ میر تقی میر کے ساتھ اگر کسی کا نام آتا ہے تو وہ خواجہ صاحب ہی ہیں۔ خواجہ صاحب کے کلام میں علاوہ حُسنِ زبان حُسنِ بیان اور سوز و گداز کے خاص وقار پایا جاتا ہے وہ کبھی بھول کر بھی پستی کی طرف نہیں جاتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عاشقانہ کلام میں تصوّف کی چاشنی اس مناسبت سے دی ہے کہ اُس نے اُردو غزل گوئی کی آبرو رکھ لی ہے۔ اس زمانہ میں جو خواجہ صاحب کے دیوان پائے جاتے ہیں وہ اس بُری طرح سے غلط سلط چھپے ہیں کہ انھیں دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ جناب سید راس مسعود صاحب (المخاطب بہ نواب مسعود جنگ بہادر) کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ انھیں ایک صحیح نسخہ کی طبع کا خیال پیدا ہوا اور یہ زیرِ تبصرہ دیوان انہیں کی سعی کا نتیجہ ہے۔ اسی کے ساتھ ہم مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی المخاطب بہ نواب صدر یار جنگ بہادر کے ممنون ہیں کہ انھوں نے متعدد قلمی نسخوں سے مقابلہ کر کے صحت کا انتظام فرمایا اور ایک ایسا اچھا مقدمہ لکھا کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اس مقدمہ میں مولانا نے تحقیق و جستجو کی پوری داد دی ہے اور خواجہ صاحب کے حالات اور تصانیف کی تلاش اور مطالعہ میں بہت کاوش اور محنت سے کام لیا ہے اِسے پڑھ کر حقیقت میں خوشی ہوتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ کاش ان کے کلام پر اس سے زیادہ تنقید و تبصرہ ہوتا۔

یہ دیوان مطبع نظامی بدایوں میں بہت سلیقے اور نفاست سے طبع ہوا ہے۔ مولوی نظام الدین حسن صاحب مالک مطبع بدایونی قابلِ مبارک باد ہیں کہ وہ اُردو اساتذہ کا کلام اس خوبی کے ساتھ طبع کر رہے ہیں۔ قیمت مجلد ۱۲؍ غیر مجلد ۸؍

دیوان جان صاحب

نظامی پریس بدایون کے ہاں سے خواجہ میر درد کے کلام کے ساتھ جان صاحب کا دیوان بھی شایع ہوا ہے۔ سچ ہے جہاں پھول ہیں وہاں کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ ڈر ہے کہ نظامی صاحب نے جو نیک نامی اور شہرت اردو ادب کی خدمت سے حاصل کی ہے وہ کہیں اس قسم کے کلام کی اشاعت سے زائل نہ ہو جائے۔ البتہ اس کی داد دینی پڑتی ہے کہ نظامی صاحب نے اس دیوان کے مقدمہ کے لیے ایسے موزوں اور مناسب صاحب کو تجویز کیا ہے کہ اُن سے بہتر شاید ہندوستان

بھر میں کوئی دوسرا نہ ملتا۔ آغا حیدر حسن صاحب دہلوی کو دلی کی بیگماتی زبان پر بہت بڑی قدرت حاصل ہے وہ عورتوں کے خیالات کو ٹھیٹ انہیں کی زبان میں اس طرح ادا کر جاتے ہیں کہ خود عورتیں بھی دنگ رہ جاتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اُن کے لب و لہجے اور وضع و ترکیب میں ایسی ملائمی اور نزاکت پائی جاتی ہے کہ بہت سی عورتوں کو بھی نصیب نہیں اگر کوئی اُنہیں پردے کے پیچھے باتیں کرتے سنے تو سمجھے کہ دلّی کی کوئی نازنین اپنی سہیلیوں میں بیٹھی باتیں کر رہی ہے۔ میر علی جان صاحب نے اگر زنانہ بول چال کی نظم میں نام پایا تو آغا حیدر حسن صاحب اس کے مقابلہ میں نثر کے جانصاحب ہیں۔ حق یہ ہے کہ میر صاحب کی قدر کچھ آغا صاحب ہی کر سکتے تھے۔ چنانچہ مقدمہ خوب دل کھول کر لکھا ہے۔ پورے چوراسی صفحے رنگے ہیں اور اس میں رطب و یابس سبھی کچھ آگیا ہے۔

جان صاحب کی شاعری جیسی کچھ ہے معلوم ہے اس پر آغا "جان صاحب" جو کچھ چاہتے لکھتے۔ لیکن قیامت یہ کی ہے کہ اُسے اُس کے کلام سے بہت بڑا محب وطن، قوم پرست اور تارک موالات ثابت کیا ہے اور وہ بھی ایسے اشعار سے کہ اُن کا پڑھنا اور سُننا تو درکنار کاغذ پر لکھتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ یہ دیکھ کر ہمیں ڈاکٹر سید محمود صاحب کا وہ مقدمہ یاد آگیا جو انہوں نے نظامی صاحب ہی کی فرمائش سے اُن کے مطبوعہ دیوان غالب پر تحریر فرمایا ہے۔ اُس میں بھی ڈاکٹر صاحب نے بڑی جدت کی ہے اور مرزا غالب کو بہت بڑا قوم پرست (نیشنلسٹ) اور محب وطن ثابت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مرزا صاحب کا بہت سا کلام جو اُن کے دوستوں اور ہوا خواہوں نے خارج کر دیا اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ باغیانہ کلام تھا۔ یہ خیال پہلے پہل ہم نے ڈاکٹر سر اقبال سے سُنا تھا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر سید محمود وہیں سے لے اُڑے۔ ایسی بھونڈی باتیں لکھنا گویا شاعر کا مضحکہ اُڑانا ہے۔ آغا جان صاحب نے اس سے بڑھ کر ستم ظریفی کی ہے کہ جان صاحب کے گندے اور ناپاک شعروں سے یہ استدلال کیا ہے۔ کہاں بیچارہ جانصاحب اور کہاں قوم پرستی اور حب وطن۔

ایک دوسرا ستم یہ ڈھایا ہے کہ جانصاحب کے کلام کا مقابلہ سیفو کی شاعری سے کیا ہے۔ جان صاحب کے مقابلہ میں سیفو کا نام لینا ادبی کفر ہے۔ کہاں ایک عاشق صادق اور کہاں ایک بیسوا، کہاں وہ پاک جذبہ اور کہاں یہ چھوٹی نقالی۔ ہماری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ ان دو شاعروں کے کلام میں کونسی شے مشترک تھی۔ ایک قدیم زمانہ کی نامور عورت شاعرہ اور ایک اس زمانہ کا مرد شاعر ہے جو عورتوں کی بولی میں شعر لکھتا ہے۔ ان کا آپس میں کیا

مقابلہ؟ رہی اِن دونوں کی شاعری سو اُس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سیفو کے متعلق ایک قدیم صاحب نظر مصنّف کا قول ہے کہ "یہ عجیب و غریب ہستی ہے۔ تم تاریخ میں ہزار ڈھونڈو ایک عورت بھی ایسی نہ پاؤ گے جو کسی پہلو سے بھی اس کے مقابلہ میں آسکتی ہو" ایک دوسرا نقاد لکھتا ہے "اس کے کلام میں آگ بھری ہوئی ہے" اس کا مقابلہ جان صاحب سے کیا جاتا ہے۔ یہ ذوقِ سلیم کا خون کرنا ہی نہیں بلکہ پڑھنے والوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنی ہے۔

ایک کام بہت اچھا کیا ہے کہ آخر میں مشکل اور غریب الفاظ اور محاورات کی فرہنگ بھی لگا دی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ آغا صاحب نے جان صاحب کے کلام کو بہت غور سے پڑھا ہے۔ اور مقدمہ لکھنے میں بہت محنت کی ہے۔

ایک بات اور نئی اس کتاب میں دیکھنے میں آئی کہ آغا صاحب نے (کتاب سے الگ) صرف اپنا مقدمہ ہزہائی نس نواب صاحب رام پور کے نام پر معنون کیا ہے۔ خدا کرے مقبول ہو۔

کتاب چھوٹی تقطیع پر بہت اچھی چھپی ہے۔ اور مجلد ہے۔ قیمت عصر۔ نظامی پریس بدایوں سے مل سکتی ہے

جولیس سیزر یہ شیکسپیر کے ایک مشہور ڈرامے کا ترجمہ ہے جسے مولوی سید تفضل حسین صاحب نے اُردو میں کیا ہے۔ شیکسپیر کے بعض ڈراموں کے ترجمے اور صاحبوں نے بھی کیے ہیں لیکن جس خوبی اور فصاحت کے ساتھ یہ ترجمہ کیا گیا ہے وہ بلاشبہ قابل قدر ہے۔ اگرچہ بعض بعض الفاظ اور جملوں کے ترجمے میں ہمیں اختلاف ہے تاہم بحیثیت مجموعی ترجمہ کی خوبی سے انکار نہیں ہوسکتا۔ مثلاً مترجم نے مارک انٹونی کی تقریر میں Ambition کا ترجمہ ہر جگہ ظلم کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ یا صفحہ ۹۱ پر یہ عبارت "بس اب آندھی چلے، موجیں بپھریں اور کشتی والو، طوفان برپا ہوگیا، ہر چیز بازی میں لگا دو" اصل کے مطابق نہیں۔ اصل میں حکم نہیں ہے بلکہ ہر چیز بادا باد کا اشارہ ہے۔ تحکّم سے اصل مفہوم کی صورت بدل گئی ہے۔ ترجمے میں اس قسم کی اور بھی بعض فروگزاشتیں موجود ہیں ہمیں امید ہے کہ جس طرح قابل مترجم نے طبع ثانی میں بعض اصلاحیں فرما دی ہیں، طبع ثالث میں یہ فروگذاشتیں بھی رفع کر دیں گے۔ باوجود اس کے مترجم قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے شیکسپیر کے ڈرامے کا ترجمہ

ایسا اچھا کر دیا ہے کہ اُردو داں اصحاب جو انگریزی سے واقف نہیں مصنف کے خیالات اور مفہوم سے اُسی طرح لطف حاصل کر سکتے ہیں جس طرح انگریزی داں اصل کتاب کے پڑھنے سے ۔ اور یہ ترجمے کی بہت بڑی خوبی ہے۔

کتاب کے شروع میں مولوی سید ہاشمی صاحب نے بہت اچھا مقدمہ لکھا ہے جس میں اُس زمانے کے تاریخی اور سیاسی حالات کا خاکہ کھینچا ہے اس سے ناظرین کو اصل ڈرامے کے سمجھنے میں بہت بڑی مدد ملے گی۔ اس کے بعد قابل مترجم نے اس ڈرامے پر ایک تبصرہ لکھا ہے جس میں اشخاص ڈراما کی سیرت اور اُن کے جذبات اور خیالات اور اس وقت کی سازشوں کے حالات درج ہیں۔ یہ بھی انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس سے کتاب کا افادہ اور وقعت بڑھ جاتی ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک مفید ضمیمہ ہے جس میں روما اور اس وقت کی سیاسی جماعتوں اور اشخاص ڈراما کے تاریخی حالات درج ہیں۔ کتاب اچھی چھپی ہے۔ مترجم مولوی سید تفضل حسین صاحب ناظم مدارس درجہ اول ضلع کریم نگر (حیدرآباد دکن) سے مل سکتی ہے۔ قیمت درج ہے۔ مگر صحیح طور سے پڑھی نہیں گئی۔

عروض

گلزارِ عروض

مصنف حکیم سید الطاف حسین صاحب کاظم فریدآبادی

فن عروض پر اس زمانے میں دو تین کتابیں نظر سے گزریں جن میں حضرات مولفین نے اس فن کو نہایت سہل اور آسان صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور جناب کاظم کو اس میں بہت کامیابی ہوئی ہے۔ آپ کا رسالہ گلزارِ عروض اگرچہ چالیس صفحات کا مختصر رسالہ ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ حکیم صاحب نے ایک بالکل نئی شاہ راہ ڈھونڈھ نکالی ہے اور عروض کی دشوار گذار دلدل میں پھنسنے سے اس کے شائقین کو بالکل بچا دیا ہے۔ عروض ایک فنِ لطیف کی حیثیت سے دنیا میں آیا۔ لیکن اس کی بنیاد ناقص اصول پر تھی۔ زحافات کی گتھیوں نے

بہت مشکل بنا دیا تھا۔ عربی عروض اور عربی عروضیوں کی تقلید نے کسی طرح آسان راستہ نہ بنانے دیا۔ مگر حکیم صاحب نے سب سے اول اس دائرہ سے قدم نکالا۔ آپ فنِ عروض و شعر میں کافی مہارت رکھتے ہیں۔ اور زبان اُردو سے حقیقی محبت ہی کا سبب تھا کہ گلزارِ عروض وجود میں آیا۔ حکیم صاحب کی یہ رائے بالکل صائب ہے کہ "عروض بھی صرف و نحو کی طرح نظرت کے لحاظ سے سراسر ناموزوں ہے۔ غیر ضروری مشکلات کا گورکھ دھندا ہے۔ طلبا کے لیے سخت دشوار ہے ۔ . . . . . عربی عروض کے اصول ناقص تھے۔ ان پر ناواجب استقلال کیا گیا . . . . محققانہ آزادی سے کام لیا جائے تو ایک مختصر کتاب زیادہ مفید ہے . . . . عروض کوئی ضروری چیز نہیں۔ اس کا فائدہ قلیل ہے۔ وہ صرف یہ اطمینان دلاتا ہے کہ جس بحر میں کہنے والے نے کہا ہے، وزن درست ہے۔ یا دونوں مصرعے وزن میں یکساں ہیں۔ عروض نہ شعر کہنا سکھاتا، نہ شعر کے لیے بحر تجویز کرتا، نہ شعر کا مضمون سُجھاتا ہے۔"

ممکن ہے کہ عربی عروض کی تقلید فرض جاننے والے اختلاف کریں۔ مگر یہ حقیقت ہے (اور بالکل صحیح حقیقت) جناب کاظم صاحب نے اس ضرورت کے لیے صرف پانچ ارکان۔ گُل۔ صبا۔ چمن۔ فصل۔ بہار۔ تجویز کئے ہیں۔ انھیں سے تمام اوزان درست اور بحریں مکمل ہو جاتی ہیں۔ نہ اجزائے اولیہ ہیں جن سے ارکان بنتے ہیں۔ یعنی سبب خفیف و ثقیل۔ نہ وتد مجموعہ ہے نہ مفروق نہ فاصلہ کبریٰ کی حاجت نہ صغریٰ کی۔ نہ ترکیب ارکان اور فعولن۔ فاعلن۔ مفاعیلن وغیرہ ارکان کی۔ زحافات کا جنگل عروض کے لیے ایک ہولناک جنگل تھا جس سے اُسے گزرنا پڑتا ہے۔ کاظم صاحب نے اس کا وجود ہی باقی نہ رکھا۔ عروض کے بہت سے قواعد اور کلیے دقعات کی صورت میں لکھ لیے ہیں کہ بآسانی ذہن نشیں ہو جائیں۔ بحریں جو اُردو میں مروج و مبتذل ہیں۔ صرف اُنھیں کو بیان کیا ہے اور یہی مناسب بھی تھا۔ بحروں کے نام وہی رکھے ہیں جو عربی میں تھے۔ البتہ اُن بحروں کو جن میں زحاف واقع ہوا ہے ایک اور جدید اور خوبصورت لقب دیا گیا ہے۔ مثل بحر رمل نرگس۔ سوسن۔ سنبلی۔ رعنائی۔ یمبری۔ یہ نئے نام زیادہ تر اُردو میں متعارف ہیں۔ لہذا مقبول ہوں گے اور جلد یاد رہ سکیں گے۔ بعض القاب البتہ قابل تبدیلی ہیں مثلاً اقحوانی۔ عبہری۔ ضیمرانی۔ آخر عربی الفاظ لینے کی کیا ضرورت ہے۔ بعض جگہ قدیم عروض کے زحافات اور اصطلاحات کے نام آگئے ہیں۔ مناسب تھا کہ اُن کی تعریف فٹ نوٹ (حاشیۂ زیریں) میں لکھ دی جاتی کہ پھر ہر ناواقف کو دوسری کتاب کی احتیاج بھی نہ ہوتی۔ بعض مقامات کسی قدر مزید وضاحت چاہتے ہیں۔ اور ایک آدھ

جگہ لغزشِ قلم بھی ہوگئی ہے۔ مثلاً قافیہ کی بحث میں لکھا ہے۔

"جہاں الفاظ قافیہ عربی جمع ہوں۔ جیسے عالمین۔ کاملین۔ ایسے لفظوں میں قافیہ کی شرطیں اصلی لفظ واحد ہی میں دیکھی جائیں گی"۔

لیکن یہاں 'عربی' کی قید بیکار ہے۔ اُردو فارسی کے الفاظ جمع قافیہ واقع ہوں تب بھی یہی عمل ہوگا۔ مثلاً یاران کا قافیہ دشمنان صحیح نہیں ہے۔ نہ دوستوں کا یاروں۔ البتہ جس طرح رخساروں۔ گلزاروں درست ہے۔ اسی طرح گلزارہا۔ یارہا۔ اور یاراں۔ گنہگاراں بھی۔ رسالہ میں طباعت وکتابت کی غلطیاں بھی رہ گئیں ہیں جو مبتدی کے لیے تکلیف دہ وپریشان کن ثابت ہوں گی کہ جابجا ہیں۔ مجموعی حیثیت سے یہ مختصر رسالہ بہت مفید ہے۔ اسی طرح اور واقفان فن بھی اگر توجہ کریں تو بہت عمدہ نتائج مترتب ہو سکتے ہیں اور اس فن کی کافی اصلاح ہو سکتی ہے۔ رسالہ کی لکھائی چھپائی معمولی ہے اور قیمت ۱ر

جناب مصنف صاحب سے چتلی قبر کوچہ روح اللہ خاں دہلی کے پتہ پر ملے گا۔

تلخیص عروض وقافیہ

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں اب تک عروض وقافیہ پر جو کتابیں شائع ہوئی ہیں اُن میں کوئی جدت نہیں۔ اپنے خشک مضامین اور اُلجھی بحثوں سے ناقابلِ اعتنا ہیں۔ وہی تصرفات وزحافات کی پیچیدہ راہیں۔ وہی اصطلاحات کی طولانی اور غیر مختتم داستانِ بے مزہ۔ غرض جو تھوڑا بہت فائدہ اور غایت اس فن شریف کی بتائی جاتی ہے وہ بالکل مفقود تھی۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ دشوار تر اور فضول ہوگیا تھا۔ مزاحف بحریں اور اُن کے اصطلاحی عجیب وغریب نام اور بہت سی چیزیں ایسی تھیں جن کو ترک کرنا اولیٰ تھا۔ جو ایک زمانے سے تقلیداً جزوِ فن بنی ہوئی تھیں۔ ضرورت تھی کہ ان امور کو ملحوظ رکھ کر کوئی ایسا رسالہ لکھا جاتا جو مختصر اور مفید وآسان ہوتا اس ضرورت کو ملک کے نامور اور فاضل اہلِ قلم مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی نے "تلخیص عروض وقافیہ" کے نام سے ایک رسالہ شائع کرکے ایک حد تک پورا کردیا۔ یہ رسالہ عروض کی تقریباً تمام ضروریات پر حاوی ہے اور نیستانؔ کا

بیان بہت سُلجھا ہوا۔ زبان سادہ اور عبارت سلیس ہے۔ مولانا کا یہ فرمانا بالکل بجا ہے کہ "شعرِ اُردو میں اوزان عرب کا تتبع ہوتا ہے"، لیکن یہی چیز ہے جس نے اُردو شعر کی شیرینی اور لطافت کو کم کر دیا ہے۔ حالانکہ بقول مولانا "اسی حد تک (ٹھیک تھا) جہاں تک ہم کو طبعِ موزوں اجازت دیتی ہے"۔ مگر اُردو سے زیادہ یہ رسالہ عربی عروض کا رسالہ کہا جا سکتا ہے اور مولانا نہیں چاہتے کہ عربی عروض کی تقلید سے قدم باہر نکالا جائے مگر ہم کو اپنی زبان کے فطری ساخت کے لحاظ سے آزادانہ اور ایک حد تک جدید اصول پر اس فن کو مرتب کرنا چاہیے۔ اور اس فضول و لایعنی تقلید کا جامہ اُتار پھینکنا چاہیے جو یقیناً مضر ہے۔

مولانا نے ۳۰ صفحات میں پورا فن عروض سمجھا دیا ہے۔ اور بعض بعض نکتے خوب اور جدید بھی لکھے ہیں۔ مسائل کو عام فہم کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ مگر اکثر باتیں وہی ہیں جو اور کتب عروض میں ہیں۔ اجزاء اولیہ۔ سبب۔ وتد۔ فاصلہ۔ (ان کی قسموں کو اُڑا دیا ہے جزاک اللہ) پھر اجزاء ثانیہ (ارکان) وہی فاعلن۔ فعولن۔ و مفاعیلن وغیرہ ہیں جن کو صاحب گلزار عروض نے بالکل اوڑا دیا ہے۔ اور ایک ہی اجزاء یا ارکان سے کام نکل جائے تو بہتر ہے۔ مولانا فارسی اُردو والوں کے اُن تصرفات کو جو عربی عروضیتوں کے خلاف ہیں غلطی اور غفلت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ غفلت اور غلطی مستحسن ہے اور اپنی زبان کی خصوصیات کے لحاظ سے شاعر کو اس کا اختیار ہونا چاہیے۔ نہ یہ کہ شعر کہے تو ایک زبان میں اور عروض کی پابندی کرے دوسری زبان کی۔ پھر جب کثرت رائے اور اجماع ہو جائے تو اسے غفلت کہنا کہاں تک جائز ہو سکتا ہے۔ اور غلطی سے تعبیر کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوتی نیز اس رسالہ میں ایسی باتیں بہت ہیں جو اُردو عروض سے نہیں بلکہ عربی عروض سے متعلق ہیں۔ اور بعض ایسی بھی ہیں جن کا عروض سے تعلق نہیں مثلاً دِعبلؔ ہمیشہ بحرِ متقارب میں شعر کہا کرتا تھا۔ بحرِ متقارب کے بڑے کہنے والے عربی میں دِعبلؔ اور فارسی میں فردوسی ہیں۔

زحاف مثلاً بحروں کے قدیم نام تو سمجھنا بھی مشکل ہیں اور اُن کا یاد رکھنا مشکل تر۔ گلزارِ عروض میں اُن کے دلکش نام نرگس۔ سنبلی۔ ریحانی وغیرہ رکھے ہیں مگر مولانا نے یہ سلسلہ ہی اوڑا دیا کہ اصطلاحی ناموں کی کثرت مٹ گئی اور یہ زیادہ اچھا ہے۔

بحرِ وافر کے سلسلہ میں ایک فائدہ بیان کیا ہے کہ (مفاعیلن مفاعیلن فعولن) ایک وزن ہے کہ عرب مفاعلتن

کی فرع مفاعیلن قرار دیکر اسے بحر وافر کہتے ہیں۔ فارس والوں نے دعوکا کھا کر بحر ہزج کہا۔ کیونکہ مفاعیلن بحر ہزج کے اصلی ارکان ہیں اور تین رکن کا شعر اس بحر میں عرب نے نہیں کہا" اور لکھتے ہیں کہ "حقیقت امر یہ ہے کہ یہ بحر وافر ہی ہے۔ عرب اس مصرعہ کو سنکر بحر وافر کہے گا۔ ہم انھیں کے عروض کا اتباع کرتے ہیں۔ ہمیں بھی وافر ہی کہنا چاہیئے"

مگر ہمارے نزدیک اسے بحر وافر کہنا زبردستی ہے۔ بحر ہزج کے دو اصل رکن اور ایک مزاحف رکن موجود ہی تو بحر ہزج نہ کہی جائے۔ بلکہ محض تتبع عرب کے لیے فروعی ارکان مانیں اور بحر وافر کہیں۔ تین رکن بحر ہزج میں ہوں تو گناہ کیا ہے فارس والوں کا عمل اصل سے قریب تر اور اچھا ہی۔

بحر بسیط کی بحث میں لکھتے ہیں۔ "اُردو والے اس وزن کو مفاعلن فاعلن فعولن کے وزن پر لاتے ہیں۔ ع۔ نیام تیغ قضائے مبرم لقب ہے قاتل کی آستیں کا۔ اس وزن کو غلطی سے فعول فعلن سے تقطیع کیا کرتے ہیں۔ فارسی اُردو والوں کا فعولن کو فعول۔ فعلن کر دینا ناجائز ہے"

اس کی بھی کوئی وجہ اتباع عرب اور اس کے سوا نہیں معلوم ہوتی کہ یہ وزن بحر بسیط کا وزن قرار دیا جائے ورنہ فعول فعلن سے تقطیع کرنے میں سوا گناہ قدامت شکن کے اور کیا قباحت ہی۔ متاخرین نے جب بالاجماع یا بہ تعداد کثیر یہ عمل کیا ہی تو مذہب تقلید کے لحاظ سے بھی جائز ہونا چاہیے ورنہ آسان پسندی اور اصل سے قریب تر ہونے کے لحاظ سے تو یقیناً جائز بلکہ مستحسن ہی کہ یہ وزن بحر متقارب ہی قرار دیا جائے۔ بحر ہزج اور بسیط کے سلسلہ میں پھر آگے چل کر لکھا ہی کہ "مفاعلن فاعلن فعولن کے بجائے جو لوگ مفاعلاتن یا فعول فعلن سے تقطیع کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اور تتبع عروض عرب سے بیگانہ ہیں۔ اس وزن کی تحقیق سات سو برس کے بعد اس ہیچمداں نے کی ہی"

وزن تو حقیقتاً دونوں صورتوں میں درست ہے۔ کوئی خرابی نہیں آتی۔ البتہ تقلید عروض عرب ہاتھ سے جاتی ہے۔ اسے غلطی کہیے تو دوسری بات ہے۔ زحافات ماننا فروعی ارکان تسلیم کرنا، کیا سہل راستہ ہی ہو سکتا ہے۔ انھیں چیزوں نے عروض کو بہت پیچیدہ فن بنا دیا ہے۔ دیکھیے ہم کب اِس بھول بھلیاں سے نکلتے ہیں۔ یہ تمام بحثیں اُسی قسم کی ہیں جنھوں نے عروض کو بدنام کیا ہے۔ صفحہ ۱۲ سے رُباعی کے اوزان بتائے ہیں جس میں کئی صفحے صرف ہوئے ہیں۔ مگر پھر مولانا کو یہی لکھنا پڑا کہ "عروضیوں نے یہ بیکار ۲۴ وزن گنوائے ......" ہماری رائے میں عروضیوں کی ان بیکار چیزوں سے یہ رسالہ پاک ہوتا تو بہتر تھا کہ اضافہ حجم کے سوا کوئی نتیجہ نہیں۔

صفحہ ۲ سے ۲۳ تک چند زحافات ضروری بتائے گئے ہیں جن کی ضرورت کے متعلق خود مؤلف کا یہ فیصلہ ہے کہ "ان اصطلاحوں کی ضرورت نہیں ہے محض لفظ زحاف سے کام نکل سکتا ہے۔ اسی طرح اور بھی عروضیوں نے اصطلاحیں بلاضرورت بنائی ہیں کہ وہ محض بیکار و فضول ہیں۔"

یہ شکایت بقول مولانا علامہ سکاکی کو بھی ہے یعنی بہت قدیم ہے مگر کوئی بندۂ خدا رفع شکایت کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ تتبع عرب کا پھندا اجازت نہیں دیتا تھا۔ ان زحافات کے بیان کا عذر مولانا یوں فرماتے ہیں۔ "اِن مثالوں سے غرض یہ ہے کہ ترکِ اصطلاحات میں میرا عذر قابل قبول سمجھا جائے تنقیص میری نہ کی جائے کہ بیان عالمانہ نہیں۔"

ہمارے نزدیک نہ جرات قابل قدر ہے۔ نہ وجہ تنقیص۔ افسوس ہے اُن پر جو اصل مدعا کو فوت کرنے کے مرتکب ہوں اور اس فن کو اس غرض سے گورکھ دھندا بنائیں کہ اُن کا بیان عالمانہ سمجھا جائے۔

۴۳ صفحہ سے ۵۳ تک دفع دخل کے عنوان سے نون غنہ کی بحث ہے۔ اور پھر تمرین کے تحت میں عروض سے متعلق بہت سی عمدہ باتیں ہیں۔ صفحہ ۵۱ سے خرم وخزم کا بیان ہے۔ صفحہ ۶۵ سے حقیقت وزن پر بحث کی ہے۔ پھر تعقید کا بیان ہے جس کا تعلق اگرچہ عروض سے نہیں مگر مبتدیوں کے لیے مفید ہے غرض صفحہ ۹۷ پر یہ عروض اور اس کی متعلقہ بحثیں ختم ہوتی ہیں جن پر مولانا نے محققانہ و عالمانہ انداز پر نظر ڈالی ہے اور فن عروض سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے بہت سی مفید و کارآمد باتیں لکھدی ہیں قدیم عروض پر اس وقت تک اس سے بہتر رسالہ نہیں لکھا گیا۔ کچھ اوزان چھندس یعنی ہندی عروض کے مولانا نے بتائے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ "اردو میں بہ کثرت اِن اوزان میں کہتے ہیں۔ میر نے بھی بہت غزلیں کہی ہیں اور مستعذب (شیریں و خوشگوار) ہیں۔" مگر ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہے کہ عروض عربی کے لحاظ سے غلط و غیر صحیح ہیں۔ لیکن جب شیریں ہیں، اور بہ کثرت کلام موجود ہے، شعراء کہتے ہیں تو عربی عروض کے لحاظ سے غلط ہوں تو ہوا کریں۔ اُردو میں زیادہ عنصر ہندی کا ہے پھر ہم نہیں سمجھتے کہ اگر اس کی شاعری میں چند ہندی عروض کے اوزان ہیں تو ہم کیوں اُن کو غلط کریں۔ بلکہ ہندی سے اور زیادہ استفادہ کرنا چاہیے۔

بعض جگہ نہایت ثقیل و مغلق الفاظ بھی قلم سے نکل گئے ہیں مثلاً مستعذب۔ اقحاح عرب وغیرہ قافیہ کی بحث میں۔

تاسیس۔ وخیل۔ قیدالحزب۔ اصطلاحات کا ذکر کئی جگہ ہے مگر تعریف کہیں نہیں۔ بتدی یا نہ جاننے والا نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیا چیزیں ہیں اس طرح اور بحثوں میں کس قدر گنجلک بھی پیدا ہوگئی ہے۔ تاہم بہت خوب ہے۔ مولانا کا یہ رسالہ زیادہ تر عربی عروض و قافیہ سے متعلق ہے۔ کاش صرف اُردو شاعری کی ضروریات کے لحاظ سے عروض و قافیہ کے مسائل کا بیان ہو۔ عربی فارسی اُردو کے اختلافات اور اُن کے بیان نے پھر کس قدر بحثوں کو اُلجھن میں ڈال دیا ہے۔ اور پڑھنے والا ان اُلجھنوں سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔ رسالہ پر قیمت کہیں درج نہیں۔ اور نہ ملنے کا پتہ لکھا ہے۔ کاغذ نہایت معمولی۔ لکھائی صاف تاج پریس چھتہ بازار حیدرآباد میں چھپا ہے۔ اور طباعت غنیمت ہے۔

مذہب

اسلام اور اس کے شارع مقدس کی بعض خصوصیات

حصہ اوّل

مؤلف: مولوی سید ریاض علی صاحب ؔریاض مؤلف الکرار و شہید اعظم وغیرہ

سرزمین آگرہ میں جب سے ہندو مسلمانوں میں مذہبی مناقشے چھڑے ہیں، دونوں طرف سے اسلام کے خلاف ہنگامہ خیز مساعی کا سلسلہ شروع ہوگیا اہل قلم حضرات نے اپنے اپنے دین کی حمایت میں مختلف حیثیات سے نظر ڈال کر اپنی طرح طرح کی کتابیں اور رسالے سے لکھے ہیں۔ اس سلسلہ میں بہت سی اچھی بُری کتابیں اور بعض عمدہ بھی شائع ہوئیں۔۔ انھیں میں یہ کتاب بھی ہے معلوم ہوتا ہے کہ جناب مؤلف دیگر مذاہب کی کتب پر اچھی نظر اور وسیع مطالعہ رکھتے ہیں۔

اس حصہ میں یہ دکھایا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کی ذات اُن کے واقعات تعلیم اور قرآن مجید کس پایۂ اعتبار پر ہے۔ ایسی تاریخی صحت دیگر شارعاں اور اُن کی کتب کو حاصل نہیں ہے۔ سب سے اول یہ بتایا ہے کہ آنحضرتؐ کے اقوال و افعال اور زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات کس قدر صحت و احتیاط سے خیر القرون میں محفوظ کیے گئے۔ اسماء رجال کا ایک مستقل فن رُواۃ کی جانچ اور تنقیح کے لیے ایجاد ہوا۔ قرآن پاک کس طرح سینوں اور سفینوں میں محفوظ رکھا گیا: اس کے خلاف دیگر پیشوایان مذاہب کے کارنامہائے زندگی تاریخی نظر سے کس قدر تاریکی میں ہیں کتابوں پر انقلاب زمانہ سے کیا کیا آفتیں پڑیں، کیا کیا تصرفات اور تحریفات ہوئیں اُن میں کیسے مختلف و متضاد اقوال نظر آتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ پایۂ اعتبار و صحت سے گر گئیں۔ مؤلف

صاحب نے وید۔ بھارت۔بھگوت گیتا۔پوران۔توریت۔اناجیل اربعہ وغیرہ پر اور دین موسوی، مسیحیت۔بودھیت (گوتم بدھ کے مذہب) زردشت و زردشتیت پر تاریخی و تنقیدی نظر ڈالی ہے۔اور علمائے یورپ و محققین کے اقوال و شہادت تحریری سے ثابت کیا ہے کہ کوئی کتاب اس وقت اپنے اصلی ہیکل میں نہیں ہے سوا قرآن کے کہ تیرہ سو برس میں اس میں ایک حرف کا تصرف بھی نہیں ہوا۔یہ تبصرہ قابلیت، محنت اور تحقیق و کاوش سے کیا گیا ہے۔اور کتاب مبلغین اسلامی کے لیے مفید و قابل قدر ہے۔

البتہ کہیں کہیں زبان و ترجمہ کے اسقام نظر آتے ہیں۔مگر وہ چندات قابل اعتنا نہیں۔مثلاً (اللہ کے کلام کے علاوہ کلام داخل ہو گئے) کلام اسم جنس ہے اس کی جمع اردو میں نہیں آتی یا (۲) (تمہارے وجود میں بانشانی آگئی) بانشانی صحیح نہیں ہے۔انتشار چاہیے۔یا ضرب لنا مثلاً کا ترجمہ؛ ہمارے لیے مثلیں مارتا ہے۔یا۔قل یحییہا (ضمیر بجانب عظام) کا ترجمہ کیا ہے اُسے وہی زندہ کرے گا۔مثلیں مارنا اُردو نہیں ہے۔اُسے کی جگہ انہیں چاہیے۔عربی میں واحد مؤنث کی ضمیر جمع کے لیے بھی آتی ہے۔اور یہاں بھی ہا عظام (ہڈیاں) کی طرف راجع ہے۔یا (محسوس رعب طاری ہوتا تھا۔محسوس کی جگہ نمایاں یا غیر معمولی رعب بہتر تھا۔یا (ہدایت کی ضرورت باوجود بیشمار تعلیم گاہوں اور پروفیسران فلسفہ و اخلاقی اور دماغی کے بڑھ رہی ہے۔یہ جملہ صحیح نہیں ہے۔اور (یہ معنی نہیں ہیں کہ لہٰذا وہ ہر وقت بولتا بھی رہا ہے لہٰذا زائد ہے۔(یہ وہی شخص تھا جسے چند دن قبل کرشن جی نے اثنائے سفارت میں خوب سرسٹرایا تھا) سرسٹرا کوئی مصدر نہیں ہے۔غالباً مطلب یہ ہے کہ خوب خبر لی تھی۔(اب میں ہندوستان کے پیدا ایک اور مذہب کا تذکرہ کرتا ہوں جو ہندستان سے مر چکا ہے بودیت کے بیان میں۔یہ جملہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔یوں چاہیے (اب میں ایک اور مذہب کا تذکرہ کرتا ہوں جو ہندوستان ہی میں پیدا ہوا تھا مگر اب مر چکا ہے)، اور ایک جملہ ہے (کس عادات و خصائل کے آدمی تھے) کس کی جگہ کن چاہیے۔واحد کے لیے کس اور جمع کے لیے کن آتا ہے (ابابیل کے کھوتے مع انڈے بچے) کھوتے خدا جانے کس زبان کا لفظ ہے اور اس کے کیا معنی ہیں بہر حال ان سے قطع نظر کر کے مولف صاحب کی کاوش و تحقیق قابل داد اور کتاب اپنے انداز بیان و مضامین کے لحاظ سے خوب ہے۔حجم ۸۴ صفحات ڈمائی سائز۔طباعت و کاغذ معمولی۔ملنے کا پتہ جناب مؤلف صاحب چاہ بھاں۔شہر بنارس۔ (م م)

مورشیس اور اسلام

یہ ایک تین جز کا رسالہ ہے جس کے مؤلف مولانا حکیم عبداللہ رشید صاحب رشد کی ہیں۔ اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانان ہند کو مورشیس کے مسلمانوں کی گری ہوئی حالت کا اندازہ ہوسکے۔ ہمیں اس کا افسوس ہے کہ فاضل مؤلف نے بہت اختصار سے کام لیا ہے، اور ان صفحات کی تعداد جن میں مورشیس کی اسلامی حالت کا خاکہ کھینچا گیا ہے پندرہ سے بھی کم ہے۔ مولانائے موصوف بحیثیت امام وخطیب جامع مسجد، سات سال تک مورشیس میں مقیم رہ چکے ہیں۔ مناسب ہوتا کہ حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھے جاتے۔ پھر بھی جتنا کچھ لکھا گیا ہے اُس سے وہاں کے مسلمانوں کی عالم پستی کا ضرور اندازہ ہوجاتا ہے، اور یہ دیکھ کر سخت افسوس آتا ہے کہ اس پستی کا خاص سبب خود وہاں کے مسلمان باشندے ہیں۔ کتاب کے آخر میں مولانائے ممدوح نے اپنے تجربہ کی بنا پر تبلیغ واشاعت اور مذہبی تعلیم کے رائج کرنے کے متعلق کچھ تجاویز بھی پیش کی ہیں جو یقیناً ہندی مسلمانوں کی عملی ہمدردی کی مستحق ہیں۔ کتاب میں چار عکسی تصویریں بھی دی گئیں ہیں۔ کاغذ عمدہ، لکھائی چھپائی معمولی۔ قیمت ۱۰/ مطبع خلافت واقع چکیب سرکل بمبئی سے مل سکتی ہے۔

شرکتِ حیات طہران

آقائے حاجی مرزا یحیٰی دولت آبادی ایک ایرانی فاضل ہیں جو اپنے وطن کے نونہالوں کی تعلیم، نوجوانوں کی اصلاح، ملک کی ترقی ورفاہ کا قابل قدر سودا اپنے دماغ میں رکھتے ہیں۔ اور معلوم ہوا کہ عالمِ ادبیات فارسی ہیں اُن کے ادبی آثار (کارناموں) نے انقلاب اور عقلائے فارس جدید کے افکار میں ایک تازگی زندگی پیدا کی ہے۔ موصوف نظم ونثر پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ فرانسیسی زبان کے بھی اچھے خاصے ماہر وفاضل ہیں۔ چنانچہ کئی فرنچ نامور شعراء کی نظمیں اپنی وطنی زبان میں ترجمہ کی ہیں۔ اور چھوٹی بڑی متعدد کتابیں اپنے عزیز وطن اور قوم کی ضروریات وقت پر لکھی ہیں۔

چاہیے تھا کہ آقائے موصوف کی تصانیف جلد تر چھپ کر مقبول انام ہوتیں لیکن بدقسمتی سے غالباً اتنا سرمایہ نہ ہوسکا۔ لہذا موصوف نے طہران پایہ تخت ایران میں ایک ادبی "شرکت حیات" قایم کی ہے جس کا

مقصد یہ ہے کہ آپ کی مؤلفات طبع و شائع کرے۔

جناب موصوف نے اس شرکت کا دستور العمل اور اپنے چند رسائل ایک گرامی نامہ کے ساتھ ہمارے پاس بھجوائے ہیں۔ موصوف چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی ارباب علم اس کمپنی میں حصے لیں۔ اور جو مفید کتابیں ہنوز طبع نہیں ہو سکی ہیں اُن کی طباعت میں مدد دیں۔ جن کتابوں کی اشاعت فی الحال مقصود ہے اُن میں پہلی کتاب حیات یحییٰ ہے۔ یہ کتاب گو بظاہر مؤلف کی سرگذشت زندگی ہے، مگر ضمناً ایران کے بہت سے اہم تاریخی، سیاسی، ادبی، اجتماعی، روحانی، اقتصادی حوادث و مسائل زیر بحث آ گئے ہیں۔ مؤلف کی وسیع سیاحتوں کا اور جہاں جہاں گئے ہیں وہاں کے حوادثِ مُہمّہ کا تذکرہ بھی آگیا ہے۔ یہ کتاب پانچ جلدوں میں ہوگی۔ چار جلدیں تیار اور پانچویں زیرِ تالیف ہے۔ پہلی جلد علوم و معارف جدید اور سیاسی انقلاب سے قبل کے حالات پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد میں سیاسی انقلابات کے سرچشموں اور حوادث سیاسیہ کے وجود کے علل و اصول کا بیان ہے۔ یہ کتاب بظاہر تاریخ ایران نہیں ہے۔ مگر مستقبل میں مملکت ایران کی تاریخ کے لیے ایک قابل قدر و اہم عنصر ثابت ہو گی اُن خاص اطلاعات کی بنا پر جو جناب مؤلف کو عین حالات کے دورانِ وقوع میں مستند ذرائع سے حاصل ہوتی ہیں یہ کتاب سہل و سادہ جدید فارسی میں لکھی گئی ہے۔ جناب مُؤلف کی خواہش ہے کہ باتصویر شائع ہو۔ تاکہ سلطنت کے اہم ترین ارکان کی تصاویر بھی آجائیں۔ حجم تقریباً ڈھائی ہزار صفحات ہوگا۔ دوسری کتاب اردی بہشت ہے۔ یہ مؤلف کے آثار ادبیہ کا مجموعہ ہے۔ اس کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں گلستان سعدی کے انداز پر نظم و نثر میں اخلاقی و ادبی حکایات ہیں دوسرے حصہ میں قومی و وطنی نظمیں ہیں۔ یہ حصہ تمام اصناف سخن پر حاوی ہے۔ تیسرے حصے میں فرینچ آثار ادبیہ کا منظوم ترجمہ ہے۔ اور ارادہ ہے کہ نستعلیق خط میں بذریعہ آٹوگراف یہ کتاب چھپوائی جائے۔ حجم ڈھائی سو صفحات۔

تیسری کتاب داستانِ شہر ناز ہے۔ یہ ایک شریف خاندان کی دوشیزہ کی سچی سرگزشت ہے جس نے ناپسندیدہ خاندانی رسوم و عادات اور عز و ناز کی آغوش میں پرورش پائی۔ پھر اُس کی شادی نامناسب

صورت سے عمل میں آئی۔ آخر وہ اپنے شوہر کے لیے مصیبت و بدبختی کا باعث ہوگئی۔ اس میں دولت مند اور بڑے گھرانوں کی ناپسندیدہ رسوم و آداب نیز ایران کے طبعی خصائل دیہاتیوں کی سادہ زندگی اور اُن کے عمدہ رسوم و قواعد کا بیان ہے۔ یہ ایران کے طبعی، اخلاقی اجتماعی مراسم و خصائل کا آئینہ اور تربیت نسوان کا بہترین معلم ہے۔ حجم تقریباً تین سو صفحات۔

چوتھی کتاب سرگذشت درویش۔ اس میں مملکت ایران کے حالات پر دو درویشوں کا مکالمہ ہے۔ ایران کے کئی شہروں، قصبوں کے حالات جغرافی و طبعی آ گئے ہیں۔ قدامت پرستی اور بیہودہ رسم و رواج کا خوب خاکہ کھینچا گیا ہے۔ حجم ڈھائی سو صفحات۔

پانچویں کتاب (رسائل یحییٰ) ہے۔ ایک رسالہ جو مؤلف نے ۱۹۲۱ء میں بمقام لندن تالیف کیا تھا کنگرہ[1] (کانگریس) ہے۔ دوسرا رسالہ ایران آیندہ۔ اس میں آنے والے ایران کا نقشہ جو مؤلف کے خیال میں ہے دکھایا گیا ہے۔ اور یہ کہ ایران بہت جلد دیگر ممالک متمدنہ کے دوش بدوش نظر آئے گا۔ حجم ۳۰۰ صفحات۔

چھٹی کتاب چنگ۔ یا چنتہ ہے۔ جس میں نفیس اقتباسات و نوٹ ہیں۔ جو مؤلف نے وقتاً فوقتاً اپنے لیکچروں کے لیے فراہم کئے تھے۔ ان سب کتب کی اشاعت اہل فارس کے لیے مفید اور ادبیات ایران میں ایک مفید اضافہ ہو گی۔

یہ شرکت حیاۃ۔ ماہ میزان ۱۳۰۱ سے دارالخلافہ طہران میں قائم ہوگئی ہے۔ اس کے ڈائرکٹر آف بورڈ (رئیس ہیئت مدیرۂ شرکت) حاجی مرزا یحییٰ دولت آبادی ہیں۔ سرمایہ پانچ ہزار تومان (ایک تومان تقریباً ساڑھے چار روپیہ کلدار) جو ایک ہزار حصص میں تقسیم ہوگا۔ درخواست حصص کے مطبوعہ فارم حسب الطلب بھیجے جائیں گے۔ اور شرکت کا دستور العمل بھی اور ایران کے لیے پانچ تومان کا ایک حصہ اور ممالک خارجہ کے لیے ایک پونڈ

---

[1] یہ کتاب اور نہال آداب۔ حقائق۔ دورہ۔ زندگانی آقائے صاحب نے ہمیں بھیجی ہیں۔ اُسکے لیے ہم موصوف کے شکرگزار ہیں۔

(وغیرہ)، انگریزی شرکا کے لیے خاص مراعات ہیں۔ اور کتب کی قیمت میں بھی ان کے لیے تخفیف ملحوظ رکھی گئی ہے۔ امید ہے کہ جو حضرات فارسی ادبیات اور ایران سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ ضرور حصہ لیں گے۔ اور حاجی آقائے مرزا محمد یحییٰ دولت آبادی سے شرکت حیات۔ طہران (ایران) کے پتہ پر خط و کتابت کریں گے۔

مقاصد دائرۃ المعارف

جب مسلمانوں نے اپنے اسلاف کے علمی سرمایہ اور مذہبی کتب مثلاً احادیث ۔تفسیر۔فقہ ۔تاریخ اور دیگر فنون کو زمانہ کے ہاتھوں برباد ہوتے دیکھا تو ان کی حفاظت ترویج و اشاعت کے لئے بمقام حیدرآباد دکن ایک مجلس دائرۃ المعارف کے نام سے قائم کی جس کا مقصد یہ رکھا کہ قدما کی تصنیفوں کو خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں بھی ہوں تلاش کرکے بعد از تصحیح شایع کیا جائے چنانچہ یہ کام ایک اعلیٰ پیمانہ پر خسرو دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کی سرپرستی میں شروع کیا گیا - اور چند ہی سال میں مختلف علوم و فنون کی نایاب کتابیں اقطاع واکناف عالم سے فراہم کرکے شایع کردی گئیں جس کا اندازہ فہرست سے ہو سکتا ہے ۔

چونکہ اس مجلس کی غرض و غایت اشاعت کتب قدیمہ ہے اس لئے اس نے کتابوں کی قیمت بہت کم رکھی ہے تاکہ علما ، اور طلبا ، ان سے اچھی طرح مستفید ہو سکیں ۔ اس مجلس نے اپنے علمی کارناموں کی بنا پر ممالک اسلامیہ اور یورپ میں بھی خاص شہرت حاصل کی ہے ۔ علما کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کی علمی و اخلاقی امداد فرمائیں تاکہ یہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکے ۔ ہمیں خدا کی ذات سے قوی امید ہے کہ جب دائرۃ المعارف کے وسائل زیادہ وسیع ہو جائیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ مشرق کا ایک بہترین علمی مرکز ہوگا اور علمی دنیا کو اس کی خدمات کی بنا پر ایک خاص دلچسپی ہوگی ۔

فہرست مطبوعات مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

اسمار کتب و مختصر حالات

(تفسیر)

الکہف والرقیم فی شرح بسم اللہ الرحمن الرحیم علامہ شیخ عبدالکریم سبط شیخ عبدالقادر جیلانی نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کی بہترین طریقہ پر شرح لکھی ہے (ایک جلد) قیمت سکہ انگریزی چار آنہ عثمانیہ پانچ آنہ ۔

۲ - اعجاز البیان فی تاویل ام القرآن شیخ علامہ صدرالدین محمد بن اسحاق قونوی المتوفی ۶۷۲ھ نے سورہ فاتحہ کی تفسیر نہایت عمدہ طریقہ پر لکھی ہے اور سورہ فاتحہ کے ام القرآن ہونے پر بہترین استدلالات قائم کئے ہیں (ایک جلد) قیمت سکہ انگریزی دو روپیہ ۔ عثمانیہ دو روپیہ چھ آنہ ۔

۳ - عمل الیوم واللیلہ علامہ ابن السنی رحمہ اللہ المتوفی ۳۶۴ھ نے تمام رات دن کے اعمال نبوی اور وظایف کو جمع کیا ہے (ایک جلد) قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ ۔ عثمانیہ ایک روپیہ تین آنہ ۔

(حدیث)

۴ - مشکل الآثار امام طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ کی نہایت نایاب اور نادر تصنیف ہے علامہ نے بہت ہی محنت و مشقت سے تمام مشکل احادیث کو جمع کیا ہے اور ان کے تعارض کو مختلف طریقوں سے رفع کیا ہے ۔ علما ، اسلام کے لئے

بہت ہی مفید کتاب ہے (چار جلد) قیمت سکہ انگریزی بارہ روپیہ۔ عثمانیہ چودہ روپیہ۔

۵۔ جامع المسانید

قاضی القضاۃ ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی المتوفی ۶۶۵ھ نے ان تمام مسانید کو جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے محاسن و فضائل اور مرویات پر لکھی گئی تھیں بہترین طریقہ پر ابواب و فصول کی ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہے (دو جلد) قیمت سکہ انگریزی پانچ روپیہ بارہ آنہ۔ عثمانیہ چھ روپیہ چودہ آنہ۔

۶۔ کنز العمال

شیخ علی المتقی المتوفی ۹۷۵ھ کی عظیم الشان تصنیف ہے علامہ نے تمام احادیث صحیحہ وغیر صحیحہ کو جمع کردیا ہے اس کتاب کی طباعت نے تمام دوسری کتب احادیث سے مستغنی کردیا ہے حروف تہجی کے لحاظ سے یہ کتاب آٹھ جلدوں میں منقسم ہے۔ قیمت سکہ انگریزی بائیس روپیہ۔ عثمانیہ چھبیس روپیہ۔

۷۔ المستدرک مع التلخیص

امام ابوعبداللہ الحاکم کی یہ معرکۃ الآرا تصنیف ہے علامہ موصوف نے ان تمام احادیث کو جو صحیحین کے شرائط کے مطابق ہیں اور صحیحین میں موجود نہیں ہیں ان کو جمع کردیا ہے اس کے ساتھ علامہ ذہبی کی تلخیص بھی طبع ہوئی ہے امام ذہبی نے اس کتاب پر بہترین تنقید کی ہے اور علامہ موصوف کی لغزشوں اور فروگذاشتوں کو بیان کیا ہے۔ اس وجہ سے اس کتاب کی حیثیت بہت بڑھ گئی اور یہ کتاب چار جلدوں میں منقسم ہے تیسری جلد کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس میں معرفۃ الصحابہ کا مکمل اور مفصل بیان ہے جلد اول سکہ انگریزی نو روپیہ۔ عثمانیہ دس روپیہ آٹھ آنہ جلد دوم سکہ انگریزی دس روپیہ۔ عثمانیہ بارہ روپیہ جلد سوم سکہ انگریزی گیارہ روپیہ آٹھ آنہ۔ عثمانیہ تیرہ روپیہ آٹھ آنہ جلد چہارم زیر طبع۔

۸۔ المعتصر من مشکل الآثار

کتاب مشکل الآثار مصنفہ امام طحاوی کی تلخیص ابوالولید باجی مالکی نے کی تھی لیکن سندوں کو حذف کردیا تھا اور امام مذکور پر چند اعتراضات کئے تھے اس لئے قاضی یوسف بن موسیٰ نے مشکل الآثار کی نئے طرز پر مع سندوں کی تلخیص کی اور ان کے اعتراضات کے جواب بھی دئے (ایک جلد) قیمت سکہ انگریزی پانچ روپیہ عثمانیہ پانچ روپیہ چودہ آنہ۔

۹۔ کتاب الاعتبار

علامہ محمد بن موسیٰ حازمی المتوفی ۵۸۴ھ نے مختلف مسائل پر احادیث سے بحث کی ہے خصوصاً ناسخ و منسوخ کی بحث کو بہترین پیرایہ میں لکھا ہے (ایک جلد) قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ چار آنہ۔ عثمانیہ ایک روپیہ آٹھ آنہ۔

۱۰۔ القول المسدد فی الذب عن مسند احمد

حافظ ابن حجر عسقلانی نے روایات مسند امام پر جو اعتراضات ہوئے تھے، ان کو بہت بہترین طریقہ سے دفع کیا ہے (ایک جلد) قیمت سکہ انگریزی آٹھ آنہ عثمانیہ دس آنہ۔

۱۱۔ الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی

علامہ علاء الدین الماردینی المتوفی ۷۴۵ھ نے سنن بیہقی پر رد کیا ہے اور مسائل فقہیہ کو قرآن مجید و احادیث سے ثابت کیا ہے۔ (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی

چار روپیہ چھ آنہ عثمانیہ پانچ روپیہ دو آنہ۔

۱۲- مسند ابی داؤد طیالسی

یہ کتاب سلیمان بن داؤد البصری جو کہ دوسری صدی کے جلیل القدر محدثین میں سے تھے ان کی ہے۔ مسانید میں یہ پہلی یا دوسری کتاب ہے جو اس وقت لکھی گئی تھی (ایک جلد) قیمت سکہ انگریزی چار روپیہ آٹھ آنہ۔ عثمانیہ پانچ روپیہ چھ آنہ۔

۱۳- احادیث قدسیہ

علامہ شیخ مدنی کی یہ تالیف ہے یہ احادیث اپنے مراتب کے لحاظ سے قرآن مجید کے بعد تمام احادیث پر مقدم ہیں۔ بلکہ قابل تلاوت ہیں (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ۔ عثمانیہ ایک روپیہ تین آنہ۔

۱۴- شرح تراجم ابواب البخاری

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابواب صحیح بخاری کی اشکال کو بہترین پیرایہ میں حل کیا ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب طلبار کے لئے بہت زیادہ مفید ہو گئی ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ۔ عثمانیہ ایک روپیہ تین آنہ۔

۱۵- الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی بہترین اور مستند کتاب ہے جس میں تمام صحابہ وصحابیات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مفصل حالات درج ہیں فن رجال میں اس پایہ کی کوئی کتاب نہیں ہے یہ کتاب غیر مرتب تھی لیکن دائرۃ المعارف نے نہایت منظم صورت میں حروف کی ترتیب کے ساتھ طبع کر کے دشواریوں کو دور کر دیا (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی۔ اٹھارہ روپیہ۔ عثمانیہ اکیس روپیہ۔

۱۶- کتاب الکنیٰ والاسماء

علامہ ابوالبشر دولابی المتوفی ۳۱۰ھ کی مشہور و معروف تصنیف ہے جس میں مولانا نے کنیٰ اور اسمار کو مفصل طریقہ پر منضبط کیا ہے (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی پانچ روپیہ سکہ عثمانیہ۔ پانچ روپیہ چودہ آنہ۔

۱۷- تجرید اسماء الصحابہ

علامہ ذہبی نے اسد الغابہ کی تلخیص کی ہے جس سے اسمار صحابہ کے معلوم کرنے میں بہت زیادہ مدد ملتی ہے (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی دو روپیہ بارہ آنہ۔ عثمانیہ تین روپیہ چار آنہ

۱۸- کتاب الجمع بین رجال الصحیحین

مصنفہ ابوالفضل مقدسی جو ابن القیسرانی کے نام سے مشہور ہیں جس میں رواۃ الصحیحین کے ثقہ اور غیر ثقہ اور ان کے حالات کے متعلق بہترین بحث کی ہے یہ کتاب علمار وطلبار کے لئے بہت زیادہ مفید اور ضروری ہے۔ (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی تین روپیہ آٹھ آنہ عثمانیہ چار روپیہ آٹھ آنہ

۱۹- قرۃ العین فی ضبط رجال الصحیحین

مصنفہ علامہ عبدالغنی بن احمد بحران الشافعی علامہ موصوف نے ابتدائے کتاب میں اصول حدیث سے بحث کی ہے اور پھر رواۃ صحیحین کی اشتباہ کو دفع کیا ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی آٹھ آنہ۔ عثمانیہ گیارہ آنہ۔

۲۰- تعجیل المنفعہ فی رجال ائمہ الاربعہ

حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ کی رواۃ کو جمع کر دیا ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی تین روپیہ۔ عثمانیہ تین روپیہ بارہ آنہ۔

۲۱- تہذیب التہذیب

یہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ مصنف نے اکثر رواۃ کے حالات کو بہترین طریقہ پر جمع کر دیا ہے۔ یہ کتاب بارہ جلدوں میں ہے فن رجال کی بہترین کتاب ہے (بارہ جلد) قیمت سکہ انگریزی اٹھائیس روپیہ۔ عثمانیہ تینتیس ۳۳ روپیہ

۲۲- لسان المیزان

علامہ ابن حجر نے اس کتاب میں ثقہ اور غیر ثقہ راویوں کو مختصر حالات کے ساتھ جمع کر دیا ہے (جلد چھ) قیمت سکہ انگریزی اٹھارہ روپیہ۔ عثمانیہ اکیس روپیہ۔

۲۳- الجواہر المضیئہ

محی الدین ابو محمد عبدالقادر قرشی المتوفی ۷۹۶ھ نے پہلے اسمار باری تعالیٰ اور اسمار نبوی پر مفصل طور سے بحث کی ہے پھر طبقات حنفیہ مفصل طریقہ پر لکھی ہیں (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی پانچ روپیہ۔ عثمانیہ چھ روپیہ چار آنہ۔

۲۴- تذکرۃ الحفاظ

امام ذہبی کی مشہور اور بہترین تصنیف ہے مصنف نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے حالات طبقات کے لحاظ سے وضاحت کے ساتھ لکھے ہیں۔ (جلد پانچ) قیمت سکہ انگریزی دس روپیہ۔ عثمانیہ گیارہ روپیہ بارہ آنہ۔

(اسانید وسیر)

۲۵- رسایل خمسہ اسانید

اس مجموعہ میں مختلف مصنفین کی اسانید کے متعلق بہترین رسالے ہیں (جلد پانچ) قیمت سکہ انگریزی دو روپیہ بارہ آنہ۔ عثمانیہ تین روپیہ چھ آنہ۔

۲۶- دلائل النبوۃ

علامہ ابو نعیم اصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ کی یہ مشہور تصنیف ہے۔ مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے تمام دلائل کو مفصل طریقہ پر لکھا ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی تین روپیہ چار آنہ۔ عثمانیہ تین روپیہ چودہ آنہ۔

۲۷- الخصائص الکبریٰ

علامہ سیوطی نے خصائص نبوی کو تمام احادیث سے انتخاب کیا ہے اور بہترین طریقہ پر جمع کر دیا ہے۔ آخر میں غزوات کا بھی مختصر سا تذکرہ کر دیا ہے (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی چھ روپیہ چار آنہ۔ عثمانیہ سات روپیہ چھ آنہ۔

۲۸- مناقب امام اعظم رح

علامہ موفق بن احمد مکی المتوفی ۵۶۸ھ نے امام اعظم رحمہ اللہ کے حالات بسط کے ساتھ لکھے ہیں علامہ کردری کی کتاب مناقب اعظم بھی شامل ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب امام صاحب کے حالات کے متعلق بہترین ذخیرہ بن گئی ہے (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی چار روپیہ بارہ آنہ۔ عثمانیہ پانچ روپیہ دس آنہ۔

۲۹- ستہ کتب العقائد مع شرح الفقہ الاکبر وغیرہما

یہ مجموعہ چھ کتابوں کا ہے ہر کتاب میں عقائد کے متعلق بہترین مباحث ہیں (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ آٹھ آنہ - سکہ عثمانیہ ایک روپیہ چودہ آنہ -

۳۰- الروضہ البہیہ

علامہ شیخ ابی عذبہ رحمہ اللہ نے اشاعرہ اور ماتریدیہ کے مسائل اور مباحث کو عمدہ طریقہ پر لکھا ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی آٹھ آنہ - عثمانیہ دس آنہ

۳۱- السمط المجید

علامہ صفی الدین احمد بن محمد مدنی قشاشی نے صوفیاء کرام کے طرق بیعت - خرقہ اور تلقین کو بیان کیا ہے - احادیث اور آثار سے ان کا ثبوت دیا ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ چار آنہ - عثمانیہ ایک روپیہ آٹھ آنہ -

۳۲- الصارم المسلول

اس کتاب میں علامہ ابن تیمیہ نے احادیث اجماع قیاس غرض کہ ہر طریقہ سے ثابت کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کرنے والا واجب القتل ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی دو روپیہ چودہ آنہ - عثمانیہ تین روپیہ چھ آنہ -

۳۳- شفاء الاسقام

علامہ شیخ تقی الدین سبکی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کو احادیث آثار صحابہ اور اقوال ائمہ سے ثابت کیا ہے اور منکرین زیارت کی شدت کے ساتھ تردید کی ہے۔ (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی بارہ آنہ - عثمانیہ چودہ آنہ -

۳۴- کتاب الروح

علامہ ابن قیم المتوفی ۷۵۱ھ نے اس کتاب میں روح اور بعد موت قبر میں جو حالتیں ہوتی ہیں ان تمام کے متعلق بہت دلچسپ بحث کی ہے (جلد ایک) قیمت کلدار دو روپیہ آٹھ آنہ - عثمانیہ تین روپیہ -

۳۵- الذخیرہ

اس کتاب میں علامہ علاء الدین طوسی المتوفی ۸۸۷ھ نے سلطان محمد خاں فاتح کے حکم سے امام غزالی کی کتاب تہافت الفلاسفہ اور دیگر حکماء کے درمیان محاکمہ کیا ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ آٹھ آنہ - عثمانیہ ایک روپیہ چودہ آنہ -

۳۶- استحسان الخوض

امام شیخ ابوالحسن اشعری نے اس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ صفات باری اور زمانہ کے متعلق غور و خوض کرنا بدعت و ضلالت نہیں ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی دو آنہ - عثمانیہ چار آنہ -

۳۷- الرسائل التسعہ

ان رسالوں میں علامہ سیوطی نے نہایت واضح دلائل سے ثابت کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر نار جہنم حرام ہے - اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد از وفات زندہ ہیں

اس کے علاوہ حضرت عبدالمطلب کے متعلق بھی بحث کی ہے (جلد نو) قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ بارہ آنہ۔ عثمانیہ دو روپیہ چار آنہ

۳۸- فتح المتعال فی مدح النعال

علامہ احمد بن محمد المغربی المتوفی ۱۰۴۱ھ نے یہ اپنی طرز کی ایک نئی کتاب لکھی ہے بمصنف نے نہایت جانفشانی سے تمام محدثین اور مورخین کا قول نعال نبوی کے متعلق جمع کیا ہے۔ نیز مختلف لوگوں کے قصائد نقل کئے ہیں اور نعال پاک کے بہترین نقوش بھی فراہم کئے ہیں (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی دو روپیہ چودہ آنہ۔ عثمانیہ تین روپیہ چھ آنہ۔

۳۹- الاقتراح

علامہ سیوطی نے اصول نحو میں یہ بہترین کتاب لکھی ہے۔ طلبار کے لئے بہت مفید ہے اور درس میں داخل کرنے کے قابل ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی چودہ آنہ۔ عثمانیہ ایک روپیہ دو آنہ

۴۰- الاشباہ والنظائر

علامہ سیوطی کی نحو میں یہ بہترین اور مفصل تصنیف ہے (جلد چار) قیمت سکہ انگریزی سات روپیہ۔ عثمانیہ آٹھ روپیہ چار آنہ۔

۴۱- مصدق الفضل

حضرت کعب بن زہیر کا مشہور قصیدہ بانت سعاد جو کہ آں حضرت کی تعریف میں کہا گیا تھا اس کی یہ بہترین شرح ہے۔ اس میں ہر شعر کے متعلق علم صرف و نحو و معانی و بیان و عروض وغیرہ سے بحث کی ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ چار آنہ۔ عثمانیہ ایک روپیہ آٹھ آنہ۔

۴۲- الفائق

علامہ ابوالقاسم زمخشری نے لغات حدیث میں بہترین کتاب لکھی ہے (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی چھ روپیہ آٹھ آنہ۔ عثمانیہ سات روپیہ بارہ آنہ۔

۴۳- المغرب

علامۂ ابوالفتح الحنفی المتوفی ۶۱۰ھ نے فقہ کی لغات اور مصطلحات کو حل کیا ہے (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی تین روپیہ آٹھ آنہ۔ عثمانیہ چار روپیہ دو آنہ۔

۴۴- کتاب الازمنہ والامکنہ

اس کتاب میں ابوعلی مرزوقی نے زمان و مکان۔ افلاک و کواکب اور بروج کے متعلق بہترین بحث کی ہے۔ ایام جاہلیت کے حالات اور اعراب کے استعارات و محاورات و خیالات وغیرہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی پانچ روپیہ۔ عثمانیہ چھ روپیہ۔

۴۵- النفائس الارتضیہ

مصنفہ ارتضی علی خاں۔ یہ کتاب رسالہ عزیزیہ مصنفہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کی شرح ہے اس میں معانی و بیان کو سلیس پیرایہ میں لکھا ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی بارہ آنہ عثمانیہ چودہ آنہ۔

۴۶- المنحۃ السراء

مصنفہ ارتضی علی خاں۔ مصنف نے اسماء باری سے بحث کی ہے اور ہر ایک کی تاثیر لکھی ہے اور آخر میں بہت ہی مفید وظائف اور اوراد بھی درج کئے ہیں (ایک جلد) قیمت سکہ انگریزی عثمانیہ

نحو و لغت و ادب و معانی و فقہ

۴۷ - مفتاح السعادہ

علامہ احمد بن مصطفیٰ المعروف طاش کبریٰ زادہ المتوفی سنہ ۹۶۲ھ نے اس کتاب میں تمام علوم وفنون کے متعلق جو کہ اس وقت تک عالم وجود میں آچکی تھی ان تمام کی تعریف غرض وغایت اور اس وقت تک جتنی تصنیفیں ہر علوم میں ہوئی تھیں ان کا ذکر مختصر تذکرہ مصنف کے ساتھ کیا ہی (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی پانچ روپیہ عثمانیہ چھ روپیہ۔

۴۸ - دستور العلماء

مختلف علوم وفنون کی اصطلاحات ۔ محاورات ۔ مباحث علماء ان کی اختلافات اور ان تمام کی وجہ تسمیہ باحسن وجوہ لکھی ہیں (چار جلد) قیمت سکہ انگریزی گیارہ روپیہ - عثمانیہ تیرہ روپیہ ۔

۴۹ - شرح السیر الکبیر

یہ کتاب سیر کبیر مصنفہ امام محمد صاحب کی شرح ہی امام محمد بن احمد سرخسی نے کی ہے جو چوتھی ہجری کے مشہور و معروف علماء و فقہا میں سے تھے (جلد چار) قیمت سکہ انگریزی تیرہ روپیہ آٹھ آنہ - عثمانیہ سولہ روپیہ ۔

۵۰ - دول الاسلام

علامہ ذہبی کی فن تاریخ میں یہ بہترین کتاب ہی اس کی دو جلدیں ہیں قیمت سکہ انگریزی سات روپیہ - عثمانیہ آٹھ روپیہ چار آنہ ۔

۵۱ - مرآۃ الجنان

مصنفہ علامہ ابو محمد عبد اللہ بن اسعد یافعی المتوفی سنہ ۷۶۸ھ کی یہ کتاب غزوات ۔ شمائل معجزات نبوی اور مناقب صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین پر مشتمل ہی اس کتاب میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ صوفیا رکرام کے حالات اور ان کی کرامتیں تاریخی حیثیت سے لکھی گئی ہیں (جلد چار) قیمت سکہ انگریزی چودہ روپیہ - عثمانیہ سولہ روپیہ آٹھ آنہ ۔

۵۲ - تحفۃ النظامیہ

اس رسالہ میں شیخ علی اکبر بن محمود نے مختلف الفاظ جو ایک معنی میں آئے ہیں ان کو جمع کر کے بہت باریکی سے ہر ایک کا فرق بتایا ہی اور اصطلاحات کی بہترین تشریح کی ہی (ایک جلد) قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ چار آنہ - عثمانیہ ایک روپیہ آٹھ آنہ ۔

۵۳ - رسالہ فی فضیلۃ العلم والصناعہ

امام ابو نصر فارابی نے اس کتاب میں علم وصنعت کی فضیلت پر بحث کی ہی (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی تین آنہ ۔ عثمانیہ چار آنہ

۵۴ - الفقہ الاکبر

عقاید وکلام میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مشہور و معروف رسالہ ہے طلباء کے لئے بہت زیادہ مفید ہی - اخیر میں مصنف کے حالات بھی درج ہیں (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی آٹھ آنہ عثمانیہ نو آنہ ۔

المعلن

مہتمم مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

آپ کو

ایرو ڈیل انجن کیوں خرید نا چاہیئے
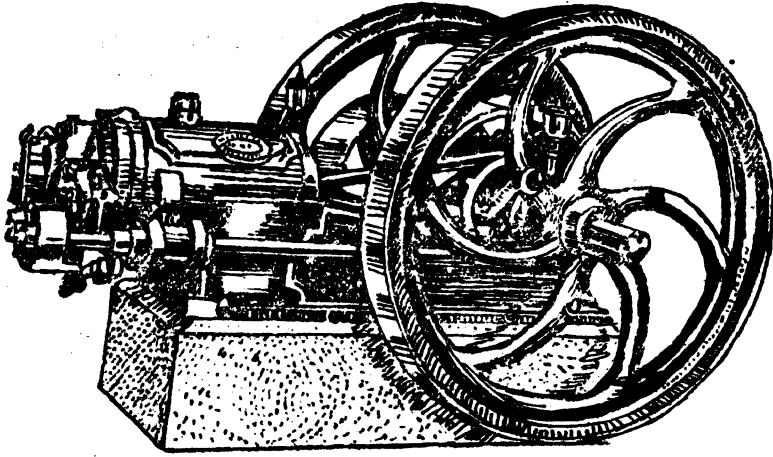
(۱) دوسرے انجنوں سے سائز میں بڑے (۲) دوسرے انجنوں سی تیل کا خرچ کم (۳) دوسرے انجنوں سے بہت مضبوط (۴) نہایت سادہ (۵) ڈبل فلائی ویل (۶) اور مقابلۃً سستا کیوں کہ ہم سارے ہندوستان کے

سول ایجنٹ

ہیں اب آپ کا فرض ہی کہ خرید کرنے سے پہلے دوسرے انجنوں کے سائزوں اور قیمتوں سی مقابلہ کریں اس کے علاوہ ہر قسم کی چکیاں۔ تیل نکالنے کے کولھو۔ آبپاشی کے پمپ۔ چارہ کاٹنے کی مشینیں۔ شافٹین پلمبر بلاک۔ بائیسکل۔ سینے کی مشینیں وغیرہ وغیرہ برائے فروخت ہر وقت اسٹاک میں موجود رہتی ہیں۔

گلوب انجنیئرنگ کمپنی ریلوے روڈ لاہور

مطبوعاتِ انجمن

تذکرۂ شعرائے اردو - مؤلفہ میر حسن دہلوی میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں اُن کی مثنوی بدرِ منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو یہ تذکرہ اُسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہی۔ یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہنچا کر طبع کی گئی ہے میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہی۔ اس پر مولینا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہی جو قابل پڑھنے کے ہی۔ قیمت فی جلد مجلد عہ/ کلدار غیر مجلد عہ/ کلدار

تاریخ تمدن - سر ٹامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہی الف سے یے تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہی اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسنادسے کام لیا گیا ہی اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہی۔ حصہ اول عہ/ کلدار حصہ دوم عـ۲ کلدار

مقدمات الطبیعات - یہ ترجمہ ہے گرز انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ہکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہی۔ اس میں بظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہی قیمت عـ۸ کلدار

القول الاظہر - امام ابن مسکویہ کی معرکۃ الآرا تصنیف فوز الاصغر کا یہ اردو ترجمہ ہی یہ کتاب فلسفہ الہین کی اصول پر لکھی گئی ہی۔ اور مذہب اسلام پر انھیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے قیمت ۸/ کلدار

القمر - قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوئے ہیں اُن سب کو جمع کر دیا ہی طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے قیمت ۱۰/ کلدار

قاعدہ و کلید قاعدہ - یہ قاعدہ مدت کے غور و خوض کے بعد اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا ہی۔ جن اصول اور طریقہ پر اس کی تعلیم ہونی چاہیے اُن کی تشریح کے لئے ایک کلید بھی تیار کی گئی ہی۔ قاعدہ ۲/ کلدار کلید قاعدہ ۲/

فلسفۂ تعلیم - ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلہ تعلیم کی آخری کتاب ہی غور و فکر کا بہترین کارنامہ والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت ہی۔ تربیت کے ربانی قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہی کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے اس کا نہ پڑھنا گناہ ہی قیمت (سے) کلدار

دربلیۂ لطافت - ہندوستان کے مشہور سخن سنج

میر انشاء اللہ خاں کی تصنیف ہی اُردو صرف ونحو اور محاورات
اور الفاظ کی پہلی کتاب ہی اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب
وغریب نکات درج ہیں۔ قیمت عہ کلدار

طبقات الارض۔ اس فن کی پہلی کتاب ہی تین سو صفحوں
میں تقریباً جملہ مسائل قلمبند کئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں انگریزی
مصطلحات اور اُن کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے عما کلدار

مشاہیر یونان وروما۔ ترجمہ ہی سیرت نگاری اور انشا پردازی
میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلّم الثبوت
چلا آتا ہی۔ ادیبانِ عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے
فیض حاصل کیا ہی۔ وطن پرستی اور بے نفسی عزم جواں مردی
کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہی جلد اوّل غیر مجلد
(سے) کلدار جلد دوم غیر مجلد عا کلدار

اسباق النحو۔ ملک کے ادیب کامل مولانا حمید الدین صاحب
بی اے کی تالیف ہی۔ اختصار کے باوجود عربی صرف ونحو کا ہر ایک
ضروری مسئلہ درج ہی۔ قیمت حصہ اول ۸ کلدار حصہ دوم ۸ کلدار

علم المعیشت۔ اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس
صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہی معیشت پر
یہ کتاب جامع ومانع ہی مبہم ومشکل مسائل کو پانی کر دیا ہی اس کے
اکثر باب نہایت عجیب وغریب ہیں۔ اشتراکیت کا باب قابل دید
ہے حجم ۵۰۰ صفحے قیمت مجلد صہ کلدار

تاریخ اخلاق یورپ۔ اصل مصنف پروفیسر لیکی کا نام
علم وتبحر تحقیق وصداقت کا مرادف ہی یہ کتاب کئی ہزار برس
کے تمدن، معاشرت، اصول اخلاق مذاہب وخیالات
کا مرقع ہے۔ حصہ اول (سے) حصہ دوم عا کلدار

تاریخ یونان قدیم۔ یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا
خلاصہ ہی اور زبان کے لحاظ سے سلاست وشگفتگی کا نمونہ اس کا
نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہی ایف اے کلاس کے طلبا جو یونانی
قدیم تاریخ سے گھبراتے ہیں اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائیں گے مجلد عا کلدار

انتخاب کلام میر۔ میر تقی میر تاج شعرائے اُردو کے کلام
کا انتخاب ہی مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو
نے یہ انتخاب ایک مدت کی سعی ومحنت کے بعد کیا ہی اور شروع
میں میر صاحب کی خصوصیات شاعری پر ۴۰ صفحہ کا ایک
عالمانہ مقدمہ بھی لکھا ہی قیمت عا کلدار

رسالہ نباتات اس موضوع کا پہلا رسالہ ہی علمی اصطلاحات
سے معرا، سلاست وروانی سے مملو اور دلچسپ ومفید ہے
طلبا نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھ سکیں وہ اس رسالہ
میں مطالعہ کریں قیمت مجلد عہ کلدار

دیباچہ صحت۔ اس کتاب میں مطالبات صحت پر (مثلاً ہوا
پانی، غذا، لباس، مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہی
زبان عام فہم اور پیرایہ موثر ودلپذیر ہی۔ ملک کی بہترین
تصنیف ہی اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت
ہوگا حجم ایک ہزار صفحے قیمت مجلد للعہ

قواعدِ اُردو ۔ ارباب فن کا اتفاق ہے کہ اُردو زبان
میں اس سے بہتر قواعد نہیں لکھے گئے بسط و شرح کے علاوہ
اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ فارسی قواعد کا تتبع نہیں کیا گیا ہے۔ عہ کلدار

نکات الشعراء ۔ یہ اُردو کا تذکرہ اُستاد الشعراء میر تقی مرحوم
کی تالیفات سے ہے۔ اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی
ملینگے جو عام طور پر معروف نہیں۔ نیز میر صاحب کی رائیں اور
زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں مولانا محمد حبیب الرحمن خاں
صاحب شروانی صدر الصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر
ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے۔ قیمت مجلد عہ کلدار

فلسفۂ جذبات ۔ کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور
نفسی ہے۔ جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت
لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے متعلمان نفسیات
اسے مفید پائینگے۔ قیمت مجلد عہ کلدار غیر مجلد ۶

وضع اِصطلاحات ۔ یہ کتاب ملک کے نامور انشاپرداز
اور عالم مولوی وحید الدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال
کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل
مؤلف "یہ بالکل نیا موضوع ہے۔ میرے علم میں شاید کوئی
ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے
نہ ایشیا کی کسی زبان میں" اس میں وضع اصطلاحات کے
ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اس کے اُصول
قایم کئے گئے ہیں۔ مخالف موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے
اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی مفرد و مرکب
اصطلاحات کے طریقے سابقوں اور لاحقوں اُردو مصادر
اور اُن کے مشتقات، غرض سینکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں
زبان کے متعلق آگئی ہیں" اُردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں
ہیں جن کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں
لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کر دی ہیں اور
ہمارے حوصلہ بلند کر دئے ہیں۔ اس سے پہلے ہم اُردو کو
علمی زبان کہتے ہوئے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق
دعوے کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ مگر اس کتاب کے ہوتے یہ
اندیشہ نہیں رہا اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں
کے سامنے کھول دیا ہے۔ تعداد صفحات ۵۰۰ قیمت مجلد ہے کلدار

نفح الطیب ۔ یہ کتاب اسلامی عہد کی تاریخ اسپین کے
معلومات کا خزانہ ہے۔ خلافت اسپین کے ہر مؤرخ کو اس کی
خوشہ چینی کرنی پڑی ہے۔ علامہ مقریزی کی نامور اور مشہور آفاق
کتاب ہے جو پہلی دفعہ اُردو میں ترجمہ ہوئی ہے یہ کتاب عثمانیہ یونیورسٹی
کے نصاب میں بھی داخل ہے صفحات ۴۰۰ ۔ قیمت مجلد ہے کلدار

محاسنِ کلامِ غالب ۔ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا
معرکۃ الآرا مضمون ہے اُردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے جو اس
شان کی لکھی گئی ہے۔ یہ مضمون اُردو کے پہلے نمبر میں
طبع ہوا تھا صاحب نظر قدردانوں کے اصرار سے الگ
بھی طبع کیا گیا ہے قیمت غیر مجلد عہ کلدار

دیوان غالب جدید و قدیم ۔ یہ وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اہلِ ملک کو بیحد انتظار تھا اس میں میرزا غالب کا قدیم وجدید تمام کلام موجود ہے۔ میر صاحب کے قدیم کلام ملنے کی کسی کو توقع تھی یہ محض حسنِ اتفاق تھا کہ ہاتھ آگیا اور اب ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔ مع مقدمہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن غیر مجلد للعہ کلدار (بلا مقدمہ غیر مجلد [illegible] مجلد [illegible] کلدار)

ملل قدیمہ ۔ ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے اس میں بعض قدیم اقوام سلطنت کلدانی، آشوری، بابل بنی اسرائیل فنیقیہ کی معاشرت، عقائد، صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھ دیئے ہیں۔ اردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہو سکیں اس لئے انجمن نے اسے خاص طور پر طبع کرایا ہے حالات کی وضاحت کے لئے جا بجا تصویریں دی گئی ہیں صفحہ ۲۷۴ قیمت [illegible] کلدار

بجلی کے کرشمے ۔ یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خاں صاحب بی اے نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی ہے۔ ہمارے بہت سے ہموطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے۔ کہاں سے آتی ہے کیا کام آسکتی ہے یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے۔ لڑکے لڑکیوں کے لئے بھی مفید ہے مجلد قیمت [illegible] کلدار

دار المصنفین اعظم گڈھ کی حسب ذیل کتابیں بھی انجمن ترقی اردو اورنگ آباد سے مل سکتی ہیں

سیرۃ النبی حصہ اول ۔۔۔۔۔۔۔ للعہ، کلدار
سیرۃ النبی حصہ دوم ۔۔۔۔۔۔۔ [illegible] کلدار
شعر العجم مکمل ۵ حصے ۔۔۔۔۔۔۔ [illegible] کلدار
سفرنامہ مولانا شبلی ۔۔۔۔۔۔۔ [illegible] 〃
علم الکلام ۔۔۔۔۔۔۔ [illegible] 〃
الکلام ۔۔۔۔۔۔۔ [illegible] 〃
کلیات شبلی ۔۔۔۔۔۔۔ [illegible] 〃
اسوہ صحابہ مکمل ۔۔۔۔۔۔۔ [illegible] 〃

انقلاب الامم ۔۔۔۔۔۔۔ [illegible] کلدار
برکلے ۔۔۔۔۔۔۔ [illegible] 〃
مکالمات برکلے ۔۔۔۔۔۔۔ [illegible] 〃
مثنوی بحر المحبت ۔۔۔۔۔۔۔ ۱۲ار 〃
تفسیر ابو مسلم اصفہانی ۔۔۔۔۔۔۔ [illegible] 〃
سیر الصحابیات ۔۔۔۔۔۔۔ [illegible] 〃
روح الاجتماع ۔۔۔۔۔۔۔ [illegible] 〃

ملنے کا پتہ:۔ صدر دفتر انجمن ترقی اردو ۔ اورنگ آباد دکن

اُردو

۱۔ انجمنِ ترقی اُردو کا سہ ماہی رسالہ ہے جو جنوری، اپریل، جولائی، اکتوبر کے پہلے ہفتے میں شائع ہوا کریگا۔

۲۔ یہ خالص ادبی رسالہ ہے جس میں زبان اور ادب کے مختلف شعبوں اور پہلوؤں پر بحث ہوگی۔ حجم کم از کم ایک سو پچاس ۱۵۰ اور زیادہ سے زیادہ دو سو ۲۰۰ صفحے ہوگا۔

۳۔ قیمت آٹھ روپے (نو روپے سکۂ عثمانیہ) سالانہ مع محصول ڈاک۔

۴۔ تمام خط و کتابت:۔ آنریری سکرٹری انجمنِ ترقی اُردو، و اڈیٹر اُردو اورنگ آباد (دکن) سے ہونی چاہیئے۔

(باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ میں چھپا اور دفتر انجمن ترقی اُردو سے شایع ہوا)